www.KitaboSunnat.com

بس یہی دل

ابو یحییٰ



بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ



معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے

درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ابو یحییٰ کی آنے والی کتابیں

''قرآن کا مطلوب انسان''

☆ اللہ تعالیٰ ہمیں کیسا دیکھنا چاہتے ہیں

☆ وہ کن لوگوں کو جنت عطا کریں گے

☆ کون سے اعمال انہیں ناراض کر دیتے ہیں

☆ ان کی پسند اور ناپسند کا راستہ کیا ہے

☆ اللہ تعالیٰ کی مرضی ان کے اپنے الفاظ میں جاننے کا منفرد ذریعہ

☆ قرآن مجید اور احادیث نبوی پر مبنی اپنی نوعیت کا ایک منفرد کام

''حدیثِ دل''

مؤثر انداز میں لکھے گئے علمی، فکری اور تذکیری مضامین کا مجموعہ

(مزید معلومات کے لیے رابطہ: 03323051201)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بس یہی دل

دل کو چھو لینے والے مضامین

ذہن کو روشن کر دینے والی تحریریں

ابو یحییٰ

انذار پبلیشرز

A Non-Profit Organization

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب : بس یہی دل

ISBN نمبر : 978-969-9807-03-8

مصنف : ابو یحییٰ

ناشر : انذار پبلیشرز: 03323051201

ویب سائٹ : www.inzaar.org

ای میل : abuyahya 267@gmail.com

ٹائٹل : حافظ حسن سلیم

قیمت : 300روپے

ملنے کا پتہ : پوری دنیا میں کسی بھی جگہ گھر بیٹھے یہ کتاب حاصل کرنے کے لیے رابطہ کیجیے۔

(0092)-03323051201

مزید مقامات کے لیے دیکھیے ہماری

ویب سائٹ www.Inzaar.org

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دل مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ
کہ یہی ہے امتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فہرست

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

بندہ مومن کی زندگی کا جو نقشہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے سامنے آتا ہے اسے دو جملوں میں بیان کی جا سکتا ہے۔ مومن وہ ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کا دل خدا کی محبت سے مزین اور اس کی سوچ مثبت انداز فکر سے عبارت ہوتی ہے۔ میری زندگی کا مقصد انہی دو چیزوں کا فروغ ہے۔ میں نے زندگی میں جو لکھا اور جو کہا وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ اسی مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ رہا ہے۔

پیش نظر مجموعہ ''بس یہی دل'' میرے ان مضامین پر مشتمل ہے جو پچھلے کئی برسوں میں لکھے گئے ہیں۔ ان مضامین سے میرا مقصد لوگوں میں ایک ایسی شخصیت پیدا کرنا تھا جس کے لیے خدا کی ذات، صفات اور اس کی ملاقات زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن جائے اور جو بدترین حالات میں بھی امید کے ساتھ جینا سیکھ لے۔ یہی وہ صفات ہیں جو کسی شخصیت کو اللہ تعالیٰ کی مطلوب شخصیت بناتی ہیں۔ یہی وہ شخصیت ہے جسے قرآن قلب سلیم کہتا ہے اور جس کا بدلہ جنت کی ختم نہ ہونے والی ابدی بادشاہی ہے۔ میں نے اس شخصیت کو اس مجموعے میں ''بس یہی دل'' کا عنوان باندھ کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ مضامین قارئین میں خدا کی مطلوب شخصیت کی تشکیل کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوں گے۔

ابو یحییٰ

15 جون 2012

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بس یہی دل

پچھلے دنوں مجھے ایک تقریب میں شرکت کا اتفاق ہوا جس کا انعقاد ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں کیا گیا تھا۔ یہ تقریب جس ہال میں منعقد کی گئی تھی اس کا ماحول بہت مسحور کن تھا۔ وسیع ہال، بڑے بڑے خوبصورت فانوس، دبیز قالین، ٹھنڈی فضا، خوش رنگ پردے اور دیواریں اور ان سب کے ساتھ ایک پر تکلف عشائیہ۔

میں اس محفل میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ اس طرح کے ماحول میں ایسی محافل دنیا بھر میں عام ہوتی ہیں۔ مگر ان میں ہر کس و ناکس کو داخلے کی اجازت نہیں ہوتی۔ ایسی جگہوں پر داخلے کی ایک قیمت ہوتی ہے جو صرف نامور، باصلاحیت، صاحب حیثیت اور بااثر لوگ ہی دے سکتے ہیں۔ معاشرے کے عام افراد کی پہنچ سے یہ سب کچھ ساری زندگی باہر ہی رہتا ہے۔

ایسے میں مجھے خیال آیا کہ مالک کائنات جب اپنی جنت بنائے گا تو یقیناً وہ دنیا کی ان تمام نعمتوں سے زیادہ حسین ہوگی۔ مگر اس جنت کی خوبیوں میں سے سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں داخلہ کے لیے کوئی مال، کوئی نام، کوئی صلاحیت اور کوئی اثر ورسوخ نہیں چاہیے۔ جنت کی حسین وادی، اس کی پر لطف محفلوں، اس کی ابدی بادشاہی اور اس کی غیر فانی نعمتوں کے حصول کی قیمت کچھ نہیں۔ بس اک ٹوٹا ہوا دل...... رب کی عظمت کے احساس سے پاش پاش دل۔ یہی جنت کی قیمت ہے۔

وہ دل جس میں اخلاص ہو۔ رب کی سچی چاہت ہو۔ اس کی اطاعت کا جذبہ ہو۔ اس کے نام پر مر مٹنے کی خواہش ہو۔ اس کے عہد کی پاسداری ہو۔ اس سے وفا کا عزم ہو۔ اس کی رحمت کی امید ہو۔ اس کی پکڑ کا خوف ہو۔ اس سے ملاقات کا شوق ہو۔ اس کے رسول کی محبت ہو۔ اس کے دین کی حمیت ہو۔ اس کی فردوس کی رغبت ہو۔ بس یہی...... بس یہی دل چاہیے۔

لوگ ٹوٹی ہوئی چیزیں پھینک دیتے ہیں۔ مگر خدا ٹوٹے ہوئے دل کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے۔ اتنا زیادہ کہ اس کے بدلے میں اپنی سب سے بڑی نعمت -فردوس کی ابدی بادشاہی- دینے کے لیے تیار ہے۔ مگر کیا کیجیے کہ آج لوگوں کے پاس ساری دینداری ہے...... یہی ٹوٹا ہوا دل نہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خدا کی ذات پر ایقان کر کے دیکھتے ہیں

ہمارے ہاں چھوٹے بچوں کو چلنا سکھانے کے لیے ایک خاص طریقہ اختیار کیا جاتا ہے۔ اس طریقے کے مطابق جب بچہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ اپنی ٹانگوں پر کھڑا ہو سکے تو ہم اسے دیوار کے سہارے کھڑا کر دیتے ہیں۔ پھر اس سے ذرا دور ہٹ کر دونوں ہاتھ اس کی طرف پھیلا کر اسے اپنی طرف بلاتے ہیں۔ بچے کی فطری خواہش ہوتی ہے کہ ہم اسے گود میں لے لیں۔ لہٰذا وہ یہ سمجھ کر کہ ہم اسے گود میں لینا چاہتے ہیں، اپنا سہارا یعنی وہ دیوار جس سے ٹیک لگا کر وہ کھڑا ہوتا ہے، چھوڑ دیتا ہے اور ہماری طرف بڑھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس کوشش میں اس کے نو آموز قدم لڑکھڑاتے ہیں۔ لیکن ہم تک پہنچنے کی خواہش میں وہ ایک کے بعد دوسرا قدم زمین پر ٹکا کر اپنا توازن برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ شروع شروع میں وہ بمشکل ایک دو قدم ہی اٹھا پاتا ہے مگر آہستہ آہستہ اسے اپنا توازن برقرار رکھنا آ جاتا ہے اور وہ خود اپنے قدموں پر چل کر ہمارے پاس آنے لگتا ہے اور یوں وہ چلنا سیکھ لیتا ہے۔

اس عمل کے دوران میں آج تک ایسا نہیں ہوا کہ ہم نے بچے کو بانہیں پھیلا کر اپنی طرف بلایا ہو اور جب اس نے اپنا سہارا چھوڑ دیا ہو تو ہم نے اسے گرنے دیا ہو۔ جب تک بچہ چل سکتا ہے، ہم اسے چلنے دیتے ہیں اور خود پیچھے ہٹتے چلے جاتے ہیں، مگر جس لمحے بچہ گرنے لگتا ہے، ہم آگے بڑھ کر اسے سنبھال لیتے ہیں۔ اس لیے کہ ہمارا مقصد بچے کو گرانا، اسے تکلیف دینا نہیں، بلکہ چلنا سکھانا ہوتا ہے۔

یہ ایک مثال ہے جس کے ذریعے سے ہم خدا اور بندے کے تعلق کو سمجھ سکتے ہیں۔ وہ تعلق جو اس وقت شروع ہوتا ہے جب اس کائنات کا رب ایک کمزور بندے کو اپنی طرف بڑھنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ بندہ اس ربِ کریم کی پکار پر لبیک کہہ کر آگے بڑھتا ہے۔ وہ راہ وفا پر قدم رکھ دیتا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ وہ جانتا ہے کہ خدا کی سمت چلنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے اپنی ہر دیوار چھوڑنی ہوگی۔ خود کو بے سہارا کرنا ہوگا۔ لیکن وہ اپنے رب پر بھروسا کر کے ڈگمگاتا ہوا، لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔ یہ وہ وقت ہوتا ہے جب دنیا والے اسے احمق خیال کرتے ہیں۔ اس کی کم عقلی پر ماتم کرتے ہیں۔ اسے ملامت کرتے ہیں۔ لیکن اس کی نگاہوں میں تو اس کا رب ہوتا ہے۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ ہوتے ہیں۔ اسے اعتماد ہوتا ہے کہ یہ اٹھے ہوئے ہاتھ اتنے کمزور نہیں کہ اسے سنبھال نہ سکیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ عالم اسباب خدا نے انسانوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے۔ لیکن یہاں اسباب کی ڈوریاں بھی وہی ہلاتا ہے اور آزمائش کی بساط بھی وہی بچھاتا ہے۔ ایسا اس کی صفتِ علم وحکمت کے تحت ہی ہوتا ہے۔ وہ لوگوں کو زمانے کے سرد وگرم سے آزماتا ہے اور اپنے نیک بندوں کو تو کچھ زیادہ ہی آزماتا ہے۔ کبھی ان کے کھوٹ دور کرنے کے لیے، کبھی جنت میں ان کے درجات بلند کرنے کے لیے اور کبھی دنیا کے سامنے ایک نمونہ پیش کرنے کے لیے۔ تاہم اس آزمائش کی ایک حد ہوتی ہے، اس حد کا انحصار خدا پر نہیں، بلکہ بندے پر ہوتا ہے۔ اس کی بلندی شوق پر ہوتا ہے۔ کوئی یہ چاہتا ہے کہ اسے راہِ حق میں کانٹا بھی نہ چبھے اور کوئی موسیٰ کے مقابلے میں آنے والے جادوگروں کی طرح وقت کے فرعون کے سامنے اس لیے ڈٹ جاتا ہے کہ اسے موت کی شکل میں خدا کی رحمت بالکل سامنے نظر آرہی ہوتی ہے۔

خدا ہر شخص کو جنت کی طرف پکارتا ہے مگر اس کی یہ جنت بے قیمت نہیں۔ اس راہ میں طرح طرح کے اندیشے ستاتے ہیں۔ قدم قدم پر مشکلات کے پہاڑ سامنے آجاتے ہیں۔ بے یقینی کے مہیب سائے بار بار انسان کو گھیر لیتے ہیں۔ ایسے میں خدا پر توکل ہی اسے آگے بڑھاتا ہے۔ خدا کے اٹھے ہوئے ہاتھوں کی کشش اسے آخری دم تک خدا کی طرف بڑھتے رہنے پر مجبور کرتی ہے۔ مگر جس لمحے اس کے قدم اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیتے ہیں، وہاں عرش کا مالک خود فرش پر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آتا ہے اور گرنے سے پہلے اسے سنبھال لیتا ہے۔ یہ راہِ خدا ہے تماشا نہیں ہے۔ اس کا اصول یہ بھی ہے کہ انسان خود کو برباد کرے اور اس کا اصول یہ بھی ہے کہ خدا بندے کو برباد نہ ہونے دے۔

آج انسانیت کو کچھ ایسے ہی صاحبانِ دل اور صاحبانِ شوق درکار ہیں جو خدا کے لطف و عنایت کی امید پر خود کو برباد کرنے کے لیے آمادہ ہوں۔ یہ الگ بات ہے کہ خدا کی شانِ کریمی ایسا نہ ہونے دے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اس کے پیغام اور اس کے دین کی دعوت کو دوسروں تک پہنچانا اپنی زندگی کا مشن بنالیں۔ جو سچائی اور حق کے راستے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہ کریں۔ جو خواہش اور مفاد سے اوپر اٹھ کر جنت کی نعمتوں کو دیکھ سکیں۔ جو فرقہ واریت، تعصب اور انتہا پسندی سے اوپر اٹھ کر علم و عقل کے مسلمات کی بنیاد پر قرآن و سنت سے دین سمجھیں اور دوسروں کو اسے سمجھانا اپنا نصب العین بنالیں۔

خدا نے قرآن میں اپنے فیصلہ کا اعلان کر دیا ہے کہ وہ اپنی راہ میں مشقت جھیلنے والوں کو اپنی راہ ضرور دکھائے گا۔ اب انسانوں میں سے کوئی ہے جو یہ کہتا ہوا اپنی دیوار چھوڑ دے......خود کو بے سہارا کر دے:

سنا ہے ربط ہے اس کو خراب حالوں سے
سو اپنے آپ کو برباد کر کے دیکھتے ہیں

انسان کو ہمیشہ اس کی تقدیر ملتی ہے مگر اس تقدیر تک انسان کو چل کر جانا پڑتا ہے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تو تو ہے، میں میں ہوں

خلافت راشدہ کے بعد عربوں کی دو عظیم حکومتیں قائم ہوئیں۔ایک کا تعلق بنوامیہ سے تھا اور دوسری کا بنوعباس سے۔بنوعباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس کی اولاد میں سے تھے۔ عباسی خاندان نے پانچ صدیوں تک حکومت کی۔تہذیب وتمدن، علم وحکمت، قوت واقتدار، غرض ہر اعتبار سے ان کے دور میں اسلامی سلطنت اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

عباسی خاندان کا سب سے بڑا خلیفہ ہارون الرشید تھا۔اس کے اقتدار کی عظمت کا اندازہ ایک واقعہ سے کیا جاسکتا ہے۔کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ دارالخلافہ بغداد میں خشک سالی ہوگئی۔ایک روز خلیفہ اپنے محل کی چھت پر کھڑا تھا کہ ابر چھا گیا، مگر بادل برسے بغیر آگے چلا گیا۔یہ دیکھ کر ہارون رشید نے کہا: اے بادل تو جہاں چاہے جا کر برس، تیری پیداوار کا خراج میرے ہی پاس آئے گا۔

ہارون رشید اپنی ذاتی زندگی میں ایک صالح آدمی تھا۔اس کی ایک دعا اس طرح نقل ہوئی ہے۔

یا رب انت انت و اناانا۔ انا العواد بالذنب و انت العواد بالمغفرة۔فاغفرلی

اے میرے رب! تو تو ہے اور میں میں ہوں۔میں بار بار گناہ کرتا ہوں

اور تو بار بار بخشنے والا ہے۔پس مجھے بخش دے۔

اس دنیا میں ساری بڑائی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔کسی انسان کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔اس کی دی ہوئی بھیک سے ہر آدمی پل رہا ہے۔اس کی بخشی ہوئی پناہ میں ہر آدمی جی رہا ہے۔یہ حقیقت اگر انسان کو یاد رہے تو خدا اس کی ہر امید اور ہر خوف کا محور بن جائے گا۔وہ سب سے بڑھ کر اس سے محبت کرے گا اور سب سے زیادہ اسی سے ڈرے گا۔اپنے بشری تقاضوں کی بنا پر اس انسان سے کوئی غلطی تو ہوسکتی ہے، مگر یہ غلطی کبھی سرکشی اور بے نیازی میں نہیں بدل سکتی۔

رب کی عظمت اور اس کے سامنے اپنے بے وقعت ہونے کا احساس اگر زندہ ہے تو انسان بادشاہ بن کر بھی غافل نہیں رہتا۔یہ احساس مردہ ہوجائے تو معمولی انسان بھی خود کو فرعون سمجھتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سکندر جب گیا دنیا سے......

سکندرِ اعظم (356ق م-323ق م) کا شمار دنیا کے عظیم ترین فاتحین میں کیا جاتا ہے۔وہ سائرس (جسے قرآن ذوالقرنین کہتا ہے) کے بعد پہلا شخص تھا جس نے تمام قدیم دنیا کو فتح کر کے اس پر اپنی حکومت قائم کی۔اس کا باپ فلپ، یونان کی ایک چھوٹی سی ریاست مقدونیہ کا حکمران تھا،مگر سکندر نے صرف چند برسوں میں اُس تمام دنیا کو زیروزبر کرڈالا جو یونان سے ہندوستان تک لاکھوں مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے۔اس کی عظیم یوریشیائی سلطنت میں چین ہی واحد متمدن خطہ تھا جو اس کی قلمرو میں شامل نہ تھا۔

سکندر کی یلغار اتنی شدید تھی کہ دارا کی عظیم ایرانی سپر پاور خس وخاشاک کی طرح اس کے سامنے بکھر کر رہ گئی۔اس کے حوصلے اتنے بلند تھے کہ رواں دریا، فلک بوس پہاڑ، عظیم صحرا، وسیع و عریض میدانی علاقے، بپھرے ہوئے سمندر، اندھیری راتیں، موسلا دھار بارش، کچھ بھی اس کا راستہ نہ روک سکے۔قدیم دنیا کے سارے خزانوں اور سارے علاقوں کا یہ مالک، صرف بتیس سال آٹھ ماہ کی عمر میں ملیریا کا شکار ہوکر، عراق کے قدیم شہر بابل میں انتقال کرگیا۔اس کے بعد جلد ہی اس کا بارہ سالہ بیٹا مارڈالا گیا اور اس کی نسل ختم ہوگئی۔

سکندر کی زندگی اور اس کی شخصیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا نمونہ قائم کیا ہے جس میں قیامت تک انسانوں کے لیے عبرت ونصیحت کا سامان ہے۔ ہر انسان جو اس دنیا میں آتا ہے اپنے سینے میں خواہشات کا ایک طوفان لیے پھرتا ہے۔وہ دولت ،شہرت، حکومت اور طاقت کے پیچھے بھاگتا ہے۔کبھی وہ نامراد رہ جاتا ہے اور کبھی مقدر کا سکندر بن کر اپنی ہر خواہش پالیتا ہے۔مگر ایک عظیم حقیقت ایسی ہے جو کبھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔ وہ یہ کہ ایک روز بہرحال اسے مرنا ہے اور اپنی آرزوؤں کی سلطنت کو چھوڑ کر اسے حقیقت کی اُس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دنیا میں جانا پڑتا ہے جس کا نام آخرت ہے۔

انسانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دنیا ہی میں اپنی جنت بنانا چاہتے ہیں۔ وہ گاڑی، بنگلہ اور سونا چاندی کو اپنا مقصود بنا لیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو فراموش کر دیتے ہیں کہ ایک روز موت کو آنا ہے۔ وہ آ کر رہے گی۔ 323 ق م میں یہ سکندر کو آئی تھی اور ایک صدی کے اندر اِس وقت تک زندہ ہر انسان کو آ جائے گی۔

انسان کے لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ اس نے اِس دنیا میں کیا حاصل کیا۔ اسے تو ہر چیز سکندر کی طرح چھوڑ کر جانی ہے۔ اہم بات یہ ہے کہ وہ اپنی ابدی زندگی کے لیے کیا لے کر جا رہا ہے۔



ایک دعا

اے اللہ! میں نے تیرے سب سے محبوب حکم میں تیری اطاعت کی، اس بات کی شہادت میں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو تنہا ہے، تیرا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے رسول ہیں۔ اور تیری سب سے ناپسندیدہ چیز۔ تیرے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے دور ہوں۔

میرے رب! توحید اور شرک کے بیچ میں جو غلطیاں مجھ سے ہو گئی ہیں، تو انہیں معاف کر دے۔ آمین یا ربّ العالمین۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قبر کا فقیر

پچھلے دنوں مجھے دو جنازوں میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا۔ پہلا جنازہ ایک صاحب حیثیت شخص کا تھا۔انہیں اللہ تعالیٰ نے زندگی میں مادی اعتبار سے غیر معمولی کامیابیاں عطا فرمائی تھیں۔ وہ اپنے پیچھے بہت بڑا کاروبار اور وسیع وعریض گھر چھوڑ گئے تھے۔ انہوں نے ایک بھرپور زندگی گزاری، بچوں کی خوشیاں دیکھیں اور اپنی طبعی عمر پوری کر کے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ جبکہ دوسرا جنازہ ایک ایسے صاحب کا تھا جن کے پاس ملازمت تھی نہ اپنا گھر۔ ڈاکٹروں نے ان کے ایک معمولی مرض کی غلط تشخیص کی۔ آپریشن ہوا۔ ان کے جسم میں انفیکشن پھیل گیا اور وہ اپنی طبعی عمر سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔

یہ محض میرے جاننے والے دو افراد نہیں، بلکہ دو کردار ہیں جو آزمائش کی اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو تفویض کیے ہیں۔ غربت اور امارت، پانا اور کھونا، خوشی اور غمی، آزمائش کی اس دنیا میں امتحان کے پرچے ہیں۔ اس آزمائش میں انسان کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار اس بات پر ہے کہ اس نے اچھے برے حالات پیش آنے پر کیا رویہ اختیار کیا۔ اس نے اللہ اور بندوں کے حقوق کس حد تک پورے کیے۔ اس نے حق، انصاف اور احسان کا رویہ اختیار کیا یا ظلم، جہالت اور تعصب کا۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی شخص کی کامیابی اور ناکامی کا انحصار اس پر نہیں کہ دنیا میں اس نے کیا کمایا۔ اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ خود کرتے ہیں۔ وہ انسان کی مادی دنیا، اس کے جسم کی طرح، خود تخلیق کرتے ہیں۔ وہی طے کرتے ہیں کہ دنیا میں اسے کس قسم کے حالات سے گزرنا ہے۔ البتہ ایمان واخلاق کی دنیا انسان کو خود تشکیل دینا ہوتی ہے۔ یہی وہ روحانی دنیا ہے جو کل قیامت کے دن ابد تک باقی رہنے والی ایک مادی دنیا میں بدل جائے گی۔

انسان جب اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو پیدائش کے وقت کی طرح، ایک دفعہ پھر غربت و امارت کے سارے فرق مٹ جاتے ہیں۔ ہر انسان کے پاس پہننے کو صرف کفن کا اور رہنے کو محض قبر کا گڑھا رہ جاتا ہے۔ قبر کا یہ گڑھا پکار پکار کر ہر انسان کو بتاتا ہے کہ مادی دنیا میں خالی ہاتھ آنے والا انسان، خالی ہاتھ ہی دنیا سے رخصت ہوتا ہے۔ ہاں جو چیز ساتھ جاتی ہے وہ حسن عمل کا سرمایہ ہے۔ جس کے پاس یہ سرمایہ ہے وہ قبر میں بھی امیر ہے۔ جس کے پاس یہ نہیں وہ قبر میں فقیر ہے۔ اور قبر کا فقیر دنیا کا سب سے بدنصیب فقیر ہوتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مسجد کا ماحول

مساجد اللہ کا گھر ہیں۔ یہاں ہر روز مسلمان دن میں پانچ دفعہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں۔ فرض نمازیں جماعت سے ادا کرنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ بعض روایات میں جماعت کی نماز کو فرد کی نماز سے 27 گنا افضل قرار دیا گیا ہے۔ (بخاری: رقم 619)

مسجد میں پڑھی جانے والی نماز عام نماز سے کہیں زیادہ قیمتی ہوتی ہے۔ یہ انسان کو اس کے مادی ماحول سے کاٹتی ہے اور مسجد کے روحانی ماحول میں لے جاتی ہے۔ یہ ماحول مختلف طریقوں سے انسان کی تربیت کرتا ہے۔

انسان اپنے گھر، دکان، دفتر سے اٹھتا ہے اور مسجد کی سمت روانہ ہوتا ہے۔ اپنی جگہ چھوڑنا اور مسجد کی طرف جانا اپنی ذات میں ایک اعلیٰ درجہ کا خدا پرستانہ عمل ہے جس میں ہر قدم پر انسان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ درحقیقت وہ اللہ کا بندہ ہے اور اسے لوٹ کر اپنے رب کے حضور جانا ہے۔

مسجد میں نماز کے انتظار میں اسے بیٹھنا پڑتا ہے۔ یہ تنہائی اور خاموشی کا وقت ہوتا ہے۔ انسان اپنے روٹین کی روزمرہ زندگی اور معمولات میں غور و فکر کا کوئی وقت نہیں پاتا۔ مگر مسجد میں اسے نماز کی عبادت کے ساتھ غور و فکر کی عظیم عبادت بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ وہ اس دوران میں اللہ کا ذکر کرتا اور کائنات میں پھیلی اس کی نشانیوں پر غور کرتا ہے۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ جس طرح اس لمحے لوگ بظاہر بے مصرف اور خاموش بیٹھے، مگر درحقیقت اللہ کی یاد میں مشغول ہیں، اسی طرح کائنات میں موجود مخلوقات کا ہجوم اپنی خاموش زبان میں رب کی حمد اور تسبیح بیان کرتا ہے۔ اسے اپنے رب کی عظمت کا احساس ہو جاتا ہے جو ان تمام مخلوقات کا خالق ہے۔

مسجد میں بہت سے لوگوں کے ساتھ جماعت کی نماز ادا کی جاتی ہے۔ جس میں ہر شخص ایک امام کی پیروی کرتا ہے۔ اس سے نمازی کو یہ سبق ملتا ہے کہ انسانوں کو اپنے اپنے اختلافات کے باجود ایک ساتھ زندگی گزارنی ہے۔ یہ اسی وقت ممکن ہے جب سب لوگ اپنے آپ کو ایک ڈسپلن کے حوالے کر دیں۔

مسجد سے واپسی پر وہ یہ احساس لے کر جاتا ہے کہ وہ ابھی سر سے پاؤں تک جسم کے ہر حصے کو خدا کے سامنے جھکا کر اس سے اطاعت کا عہد کر کے آیا ہے۔ اس لیے مسجد سے باہر آتے ہی وہ اطاعت کا یہ عہد نہیں توڑ سکتا۔ اس طرح نماز اسے مسجد سے باہر بھی رب کا بندہ بنائے رکھتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قبر کی پکار

نماز جنازہ میں شرکت کرنا ہماری روایت ہے۔ یہ مرنے والے کے حقوق میں سے ایک حق ہے جو ہر قریبی شخص پر عائد ہو جاتا ہے۔ اس روایت کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوتی ہے کہ دنیا سے جانے والے ایک بھائی کو عزت واحترام سے رخصت کیا جائے اور رب کے حضور پیشی کے وقت دعاؤں کی سوغات اس کے ہم رکاب کی جائے۔

مرنے والے اور اس کے لواحقین سے گہرا تعلق رکھنے والے لوگ نمازِ جنازہ کے بعد قبرستان تک ساتھ جاتے ہیں۔ وہ جنازے کو کندھا دیتے ہیں۔ اپنے بھائی کو قبر میں اتارتے وقت موجود رہتے ہیں۔ اس کی قبر پر مٹی ڈالتے ہیں اور واپسی سے پہلے ایک دفعہ پھر رب کے حضور اس کی خطاؤں پر درگزر کی درخواست کرتے ہیں۔

اس پورے عمل کا ایک بہت بڑا فائدہ ان لوگوں کو بھی ہوتا ہے جو جنازے کے ہمراہ ہوتے ہیں۔ انسان زندگی کی گہما گہمی میں موت کی تلخ حقیقت کو فراموش کیے رہتا ہے۔ مگر جنازے میں شرکت کا یہ عمل اسے موت کے ناگزیر سامنے کی یاددہانی کرادیتا ہے۔ اسے یاد آجاتا ہے کہ یہ مرنے والا اسی طرح پیدائش، نکاح، معاش اور زندگی کے دیگر معاملات سے گزرا جس طرح وہ گزر رہا ہے۔ مگر ان سب کے باوجود جس طرح موت نے مرنے والے کو آدبوچا، اس کا وقت بھی جلد ہی آنے والا ہے۔

مگر لوگوں کا حال یہ ہے کہ عین جنازہ اور دفن کے مناظر کے وقت بھی ان کی توجہ دنیا کی طرف لگی رہتی ہے۔ کوئی میت کے حالات پر گفتگو کرتا ہے، کوئی سیاست کو موضوع بحث بناتا ہے۔ کسی کو قبرستان میں امریکی سازشیں یاد آجاتی ہیں اور کوئی قبرستان کی حالت زار کا رونا رونے لگتا ہے۔ بہت سے لوگوں کے لیے یہ عزیزوں، رشتہ داروں سے ملنے کا نادر موقع ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے کاروباری حالات اور خاندانی معاملات پر گفتگو شروع کردیتے ہیں۔

جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ سنتے نہیں ہیں۔ ورنہ اگر سننے والے کان ہوں تو اُس وقت وہ قبر کی پکار کو ضرور سنیں گے جو چیخ چیخ کر لوگوں کو بتاتی ہے کہ اے غافلو! میرے پاس آئے ہو تو لمحہ بھر کے لیے سہی، اِس دنیا کو چھوڑ کر اُس دنیا کو یاد کرلو۔ میں آخرت کا دروازہ ہوں۔ یہ دروازہ آج تمہارے بھائی پر کھلا ہے بہت جلد یہ تمہارے لیے کھول دیا جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خدا کی جنگ

مسلمانوں کی تاریخ کے کئی ادوار ہیں۔ایک دور وہ تھا جس میں امت کی قیادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض یافتہ صحابہ کرامؓ کے ہاتھوں میں تھی۔ یہ خلافت راشدہ کا دور تھا۔دین حق کا غلبہ تھا۔زمین پر وہ عدل تھا کہ آسمان والے بھی داد دیتے تھے۔زمین والوں نے بھی یہ دیکھ لیا کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایمان لانے کی جزا دیتے ہیں تو زمین کا اقتدار کیسے ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔اسی طرح روزِ قیامت دنیا کا اقتدار اور جنت کی بادشاہی، ابدی طور پر اللہ کے نیک بندوں کے حوالے کر دی جائے گی۔

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیا 105:21)۔

یہ دنیا انعام کی نہیں آزمائش کی جگہ ہے۔اس لیے جلد ہی خلافت راشدہ کا دور ختم ہو گیا۔یہ ایک عظیم سانحہ تھا مگر اس کے باوجود مسلمانوں کے عروج کا سورج آنے والے دنوں میں مزید بلند ہوا۔بنوامیہ کے دور میں برعظیم ہند اور براعظم یورپ میں مسلمانوں کے قدم جا پہنچے۔چین کی عظیم سلطنت نے مسلمانوں کو خراج ادا کرنا شروع کر دیا۔بنوعباس کے دور میں مسلمانوں کو ایک دھچکا یہ لگا کہ مسلم امہ کی وحدت باقی نہ رہی اور اندلس میں بنوامیہ کی الگ حکومت قائم ہو گئی۔تاہم اس کے باوجود مسلمانوں کی عظمت وسطوت میں اضافہ ہوتا گیا۔ایک طرف مسلمانوں کی پیش قدمی فرانس کے قلب تک جا پہنچی اور دوسری طرف عیسائی دنیا قسطنطنیہ کی مضبوط فصیلوں اور رومی حکومت کے کمزور سائے میں بمشکل چھپی، مسلمانوں کی یلغار کو خائف نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

مسلمان ذرا کمزور ہوئے تو عیسائی دنیا نے اپنی پوری قوت کے ساتھ نبیوں کی سرزمین ۔شام و فلسطین۔ پر حملہ کر دیا۔مگر مسلمانوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں ہی یورپ بھر کی قوتوں کا مقابلہ کرنے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں کامیاب ہوگئیں۔ دوسو برس بعد انہیں ذلت آمیز طریقے سے اسلامی ممالک سے رخصت ہونا پڑا۔ مسلمان اس مغربی یلغار کو سہہ گئے مگر مشرق سے اٹھنے والے تاتاریوں کے ٹڈی دل نے مسلم اقتدار کو حرف غلط کی طرح مٹا دیا۔ صدی بھر کو تو یوں لگا کہ مسلمانوں کی تاریخ اگر ختم نہیں ہوئی تو کم از کم ان کی عظمت کا چراغ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا ہے۔ مگر ایسے میں دین اسلام کی دعوتی قوت حرکت میں آئی ۔تاتاری جو مسلمانوں کے فاتح تھے، اسلام سے مغلوب ہوگئے۔ ان نئے مسلمانوں نے آنے والوں دنوں میں ایسی عظیم سلطنتیں قائم کیں کہ مسلمان نہ صرف بغداد بلکہ غرناطہ کا غم بھی بھول گئے۔ خاص طور پر عظیم عثمانی سلطنت نے جو چھ سو سال تک تین براعظموں ایشیا، افریقہ اور یورپ میں تنہا سپر پاور تھی، مسلمانوں کی عظمت کا علم اٹھائے رکھا۔

انیسویں صدی میں مغربی اقوام سائنس اور ٹیکنالوجی کے اسلحے سے لیس ہو کر یورپ سے نکلیں اور دنیا بھر پر چھا گئیں۔ مسلمانوں کی دنیا اب یورپی اقوام کی دنیا تھی۔ نئی زبان، نئے تمدن اور نئی فکر کے اس دور میں مسلمان مغلوب ہو گئے۔ مسلمانوں کے اس زوال پر اب کم و بیش دوسو برس گزر چکے ہیں۔ محرم کے مہینے میں جب سال نو کا آغاز ہو رہا ہے تو طلوع ہوتے ہوئے نئے سورج کا سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کا زوال کب تلک جاری رہے گا؟

اس سوال کا جواب ہمارے اس عظیم ماضی میں پوشیدہ ہے جس کی ایک جھلک چند سطروں میں ہم نے قلمبند کی ہے۔ ہمارا ماضی یہ بتاتا ہے کہ چاہے قریش مکہ کا ظلم ہو یا تاتاریوں کا فساد، یہ اسلام کی دعوتی طاقت ہے جو مایوسی اور ناامیدی کے ہر موڑ کے بعد امید کی راہ کھول دیتی ہے۔ مکہ میں جب ظلم کی رات ناقابل برداشت حد تک طویل ہوگئی تو سحر، انصارِ مدینہ کے قبول اسلام کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اسی طرح تاتاریوں کے سیلابِ بلاخیز کو اسلام کی دعوتی طاقت نے ایک ایسے پرسکون دریا میں بدل دیا جو صدیوں تک عالم اسلام کی بنجر زمینوں کو زرخیز کرتا رہا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

دو سو برس کی مسلسل شکستوں کے بعد آج بھی اگر کوئی امید ہے تو اسلام کی اسی تسخیری قوت سے ہے جو ہر دور کی فاتح ہے۔ شرط یہ ہے کہ مسلمان صبر کرنا سیکھ لیں۔ صبر کے بغیر کوئی دعوتی عمل ممکن نہیں ہو سکتا۔ صبر کرنا بزدلی کی علامت نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا عمل ہے، جس کا اجر وہ بغیر حساب عطا کرے گا۔ دعوت کے لیے صبر اس لیے ضروری ہے کہ یہ ممکن نہیں کہ آپ بیک وقت اپنے مدعو سے جنگ بھی کر رہے ہوں اور اسے اسلام کی دعوت بھی دے رہے ہوں۔ دعوت اصلاً ایک مظلومانہ جدوجہد ہے۔ یہ ظلم کے باوجود کی جاتی ہے۔ اس میں مخاطب کے مقابلے سے ہٹنا پڑتا ہے۔ مگر یہ پسپائی اپنے مقابل سے ہار جانے کا نہیں اسے جیت لینے کا نام ہے۔

آج مسلمان دوسروں سے اپنی قومی جنگ لڑ رہے ہیں۔ وہ ہر اعتبار سے کمزور ہیں۔ اس لیے دو سو برس سے پٹ رہے ہیں۔ جب وہ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیں گے تو وہ خدا کی جنگ لڑیں گے۔ خدا سے کوئی نہیں جیت سکتا۔ جو خدا کی سمت کھڑا ہو کر اس کی جنگ لڑے گا، فتح ہر حال میں اس کا مقدر ہے۔ یہی قرآن کا پیغام ہے۔ یہی تاریخ کا سبق ہے۔ یہی سال نو کے طلوع ہوتے ہوئے سورج کے ہر سوال کا جواب ہے۔



کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تیری مانند کون ہے؟

ایک برتر ہستی سے محبت کرنا انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ انسان چاہے نہ چاہے، وہ کسی نہ کسی کو اپنا معبود بنانے پر مجبور ہے۔ مگر معبود بننے کے لائق صرف ایک ہی ہستی ہے۔ اللہ، جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

انسان کا المیہ دیکھیے کہ اس نے اپنی تاریخ میں کبھی اللہ تعالیٰ کو قابل توجہ نہیں سمجھا۔ ہر دور میں اس نے رب کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرایا ہے۔ پھر خدا کو غیر اہم جان کر انہی کی حمد کی ہے۔ انہی کی عظمت کے گن گائے ہیں۔ انہی سے مدد مانگی ہے۔ انہی کے سامنے سر جھکایا ہے۔ انہی سے محبت کی ہے۔ انہی کے لیے روئے ہیں۔ انہی کے لیے تڑپے ہیں۔ انہی کا اعتراف کیا ہے۔ انہی کے شکر گزار بنے ہیں۔ انہی کے لیے محبت اور انہی کے لیے نفرت کی ہے۔ انہی کے نام کو آنکھوں کی روشنی اور انہی کی یاد کو زبان کی مٹھاس بنایا ہے۔

یہ سب تو اللہ کا حق ہے ۔ ہر دور میں تھا۔ ہر دور میں رہے گا۔ غیر اللہ کی عبادت اور حمد کرنے والے یہ لوگ، انبیائے بنی اسرائیل کے الفاظ میں، اُس عورت کی مانند ہیں جو اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے مردوں کے ساتھ بدکاری کرتی ہے۔ اس کے برعکس اللہ کے رسولوں کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا جینا مرنا سب اللہ کے لیے ہوتا ہے۔ وہ ہر مشکل میں اسی پر بھروسہ کرتے اور ہر کامیابی پر اسی کی حمد کے ترانے پڑھتے ہیں۔ ہمارے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عرب پر غلبہ کے بعد صفا پہاڑ پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کی جو حمد کی، اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، بادشاہی اسی کی ہے اور حمد بھی اسی کے لیے ہے اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔ (مسلم، رقم 1218)

اللہ تعالیٰ نے فرعون کو جب غرق کیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو سمندر سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سلامتی کے ساتھ گزار دیا تو اس موقع پر حضرت موسیٰ نے اللہ تعالیٰ کی انتہائی خوبصورت انداز میں حمد وثنا کی۔اس حمد کا ایک جملہ یہ ہے۔

''معبودوں میں اے خداوند، تیری مانند کون ہے''۔(خروج 15:11)

ان دونوں پیغمبروں کی ذات رہتی دنیا تک اس بات کا بھی نمونہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے کیسے ہوتے ہیں اور اس بات کا بھی کہ ایسے وفاداروں کو وہ کس طرح نوازتا ہے۔مگر اس کی عطا اسی پر بس نہیں، وہ تو ایسا کریم ہے کہ لوگوں کو غیر اللہ کی پرستش کرتے دیکھتا ہے، پھر بھی ان پر اپنی نعمتوں کے دروازے بند نہیں کرتا۔

وفاداروں کو دینے والے تو بہت ہوتے ہیں، مگر بے حیا اور بے وفا لوگوں پر رحم کرنے والی ایک ہی ہستی ہے؛ اللہ جس کے سوا کوئی رب نہیں۔وہ جب اپنے وفاداروں کو نوازے گا تو دنیا دیکھے گی۔سو اب جو جس کو چاہے اپنی وفا کا مرکز ومحور بنالے۔نبیوں کے طریقے پر چلنے والے، مرتے دم تک خدا کی محبت سے سرشار، یہی کہتے رہیں گے۔

معبودوں میں اے خداوند، تیری مانند کون ہے؟



کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شیرون اور فرعون

ایریئل شیرون اسرائیل کے وزیراعظم ہیں۔اسرائیل کو عظیم سے عظیم تر بنانا ان کا مشن اور فلسطینیوں کا قتل عام ان کا شغل رہا ہے۔بقول ان کے، وہ فلسطینیوں کو ناشتے میں چٹ کر جاتے ہیں۔دنیا بھر میں ان کی شہرت اس وقت ہوئی جب صابرہ اور شتیلہ کے کیمپوں میں، ان کے زیر نگرانی، انتہائی وحشت اور درندگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فلسطینیوں کا قتل عام کیا گیا۔

حال ہی میں شیرون کی طبعیت خراب ہوئی اور ۷۷ سال کی عمر میں ان پر فالج کا اٹیک ہوا۔وہ مفلوج ہوکر کومے میں چلے گئے اور دنیا کے سامنے بےکسی کی تصویر بنے پڑے ہیں۔کافی عرصے سے وہ اسی حال میں ہیں اور ڈاکٹر ان کی جان بچانے کی کوشش میں ہیں۔ان کے متعلق حال ہی میں یہ اطلاع آئی ہے کہ انہوں نے لمحے بھر کے لیے اپنی آنکھیں کھولیں تو ان میں آنسو تھے۔

یہ سن 2006 کا شیرون ہے۔اب آیئے 3500 سال قبل کے فرعون کی طرف۔قرآن پاک میں بیان ہوا ہے کہ فرعون نے ساری زندگی اللہ تعالیٰ اور اس کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی۔بنی اسرائیل کو اس نے بدترین عذاب دیے۔آخر کار اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کی۔فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا تعاقب کیا۔راستے میں سمندر آ گیا۔اللہ کے حکم سے سمندر حضرت موسیٰؑ کے لیے دو حصوں میں تقسیم ہوگیا اور وہ اس کے پار گزر گئے۔فرعون اور اس کے لشکر نے تعاقب کی کوشش کی، مگر ان کے پار ہوتے ہی سمندر کا پانی آپس میں مل گیا۔فرعون ڈوبنے لگا تو موت کو سامنے دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔اس نے کہا کہ وہ موسیٰؑ کے رب پر ایمان لے آیا۔مگر اس وقت اس کا ایمان لانا بےفائدہ ہو چکا تھا۔

موت زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے، مگر انسان اسے بھولے رہتا ہے۔اس کی صحت، طاقت، دولت اسے اس غلط فہمی میں ڈال دیتی ہے کہ کبھی اس کی پکڑ نہیں ہوگی۔وہ زندگی بھر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شیرون اور فرعون بن کر جیتا ہے۔ وہ لوگوں پر ظلم کرتا ہے۔ رب کی نافرمانی کرتا ہے۔ مگر ایک روز اللہ تعالیٰ اس کی مہلتِ عمر سلب کرتے ہیں اور وہ ایک حقیر چوہے کی طرح موت کے شکنجے میں جکڑا جاتا ہے۔ اس وقت وہ سراپا عجز بن جاتا ہے۔ مگر اس وقت کا عجز بے معنی ہے۔ اس وقت کی توبہ بے معنی ہے۔ توبہ وہ ہے جو زندگی میں کی جائے۔

عقلمند انسان وہ ہے جو اس بات کو زندگی میں سمجھ لے۔ وگرنہ موت کی بے کسی ہر کسی پر طاری ہونی ہے۔ موت ہر فرعون کا انجام ہے۔ موت ہر شیرون کا انجام ہے۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا

اَللّٰهُمَّ، اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ وَمِنْ دَعْوَةٍ لَّا يُسْتَجَابُ لَهَا۔

''اے اللہ، میں تیری پناہ مانگتا ہوں ایسے علم سے جو نفع نہ دے اور ایسے دل سے جس میں خشوع نہ ہو اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو اور ایسی دعا سے جو قبول نہ ہو۔''

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فحش سائٹس اور ہمارے نوجوان

انٹرنیٹ دورِ جدید کی ایک بہت مفید اور کارآمد ایجاد ہے۔ یہ نہ صرف معلومات کا ایک خزانہ ہے بلکہ مواصلات کے شعبے میں بھی اس نے ایک انقلاب برپا کر دیا ہے۔ انٹرنیٹ پر ہر طرح کی معلومات بہت آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہیں۔ اس کے ذریعے سے لوگ اپنے دور دراز عزیزوں سے باآسانی رابطہ کر سکتے ہیں۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ اس نے بڑی حد تک لائبریری اور ڈاک کے نظام کی جگہ لے لی ہے۔

پاکستان میں انٹرنیٹ دس سال قبل متعارف ہوا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اس کے استعمال کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی۔ ملک میں انٹرنیٹ فراہم کرنے والی کمپنیوں کی تنظیم 'اسپاک' کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت ملک میں انٹرنیٹ کے صارفین کی کل تعداد چوبیس لاکھ سے زائد ہو چکی ہے۔ امید ہے کہ آنے والے دنوں میں یہ تعداد کئی گنا بڑھ جائے گی۔

اس حوالے سے یہ امر بے حد تشویشناک ہے کہ پاکستان میں انٹرنیٹ کے بیشتر صارفین اسے فحش اور عریاں ویب سائٹس تک رسائی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ یہ محض اندازہ نہیں، مذکورہ بالا تنظیم 'اسپاک' کے جاری کردہ اعداد و شمار کے مطابق پاکستان میں انٹرنیٹ استعمال کرنے والے بیشتر لوگوں کا پسندیدہ شغل، فحش اور عریاں ویب سائٹ دیکھنا ہے۔

یہ صورتحال ہر باشعور شخص کے لیے باعث تشویش ہے۔ باخبر لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ یہ تنہا پاکستان کا مسئلہ نہیں بلکہ پوری دنیا اس مسئلے سے پریشان ہے۔ دنیا بھر میں سب سے زیادہ فحش ویب سائٹس ہی دیکھی جاتی ہیں۔ ان سائٹس پر باقاعدگی سے جانے والے لوگ، دنیا کی نظر سے چھپ کر، انٹرنیٹ کی تاریک گلیوں میں آوارہ پھرتے رہتے ہیں۔ یہ آوارگی ان کی عادت بن کر قلب و نظر کو ناپاک کر دیتی ہے۔ اس کے بعد زندگی دو میں سے کسی ایک راستے کی طرف مڑ جاتی ہے۔ یا تو انسان حلال و حرام کی ہر تمیز کو فراموش کر کے زنا کی وادی قدم رکھ دیتا ہے یا پھر شادی کا جائز راستہ کھلنے کے بعد بھی تاعمر پورنوگرافی کے نشہ کا عادی بنا رہتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہماری سوسائٹی کا المیہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے غلط رویوں، نظریات اور بعض حالات کی بنا پر شادی کی بنیادی ضرورت کو، نوجوانوں کے لیے ناقابل رسائی بنا دیا ہے۔ جبکہ دنیا بھر میں یا تو مناسب عمر میں نوجوانوں کی شادی ہو جاتی ہے یا پھر شادی کیے بغیر نوجوان لڑکے لڑکیوں کو ساتھ رہنے کی آزادی حاصل ہوتی ہے۔ 'اسپاک' کی اس رپورٹ کے ذریعے سے پوری سوسائٹی کو یہ پیغام مل گیا ہے کہ یا تو لوگوں کے لیے نکاح کے جائز راستے کو کھول دیا جائے یا پھر سوسائٹی کی تباہی کے لیے تیار ہو جانا چاہیے۔

اس پیغام کا پس منظر یہ ہے کہ جن مغربی ممالک میں نکاح کے بغیر مرد و زن کا تعلق عام بات ہے، ان کے ہاں یہ کوئی اخلاقی خرابی نہیں ہے۔ ان کے ہاں کی بلیو فلمیں ہوں یا فحش ویب سائٹس، اصل مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو ان سے دور رکھا جائے باقی لوگ آزاد ہیں کہ جو چاہیں کریں۔ مگر ہمارے ہاں حیا اور عفت بنیادی اقدار ہیں۔ اسی طرح اخلاقی بحران کے اِس دور میں خاندان کا ادارہ ہماری واحد معاشرتی ڈھال ہے۔ زنا اور بے حیائی کے فروغ سے یہ اقدار اور یہ ادارہ ختم ہو جائے گا۔

انٹرنیٹ پورنوگرافی کا کوئی حل ابھی تک جدید دنیا دریافت نہیں کر سکی ہے۔ سعودی عرب اور سنگاپور جیسے ممالک نے سنسر شپ کے ذریعے سے اس مسئلہ کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اس طرح کا حل بہت زیادہ مؤثر نہیں ہو سکا ہے۔ ہمارے ہاں بھی سنسر شپ کی کوشش کی گئی مگر اس کا بھی کوئی فائدہ نہیں ہو سکا۔ بلکہ جیسا کہ رپورٹ سے ظاہر ہے کہ جتنے زیادہ انٹرنیٹ کو استعمال کرنے والے بڑھیں گے اتنے ہی زیادہ فحش سائٹس پر وزٹ کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی جائے گی۔

اس مسئلے کا حل یہی ہے کہ والدین اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں۔ وہ بچوں کی تربیت کو اپنا مسئلہ بنائیں۔ ان کو وقت کی رفتار کے حوالے نہ کریں بلکہ زندگی کے ہر سرد و گرم میں ان کی کریں۔ بچوں کے شعور میں حیا اور عفت کی اہمیت واضح کریں۔ ان کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں۔ کسی غلطی کی صورت میں نرمی اور محبت سے ان پر یہ واضح کریں کہ یہ چیزیں ہماری اقدار کے خلاف ہیں۔ جب بچے بڑے ہو جائیں تو ایک مناسب عمر میں ان کی شادی کو اپنی ترجیحات میں بہت اوپر رکھیں۔ یہی وہ راستہ ہے جس پر چل کر ہم اس مسئلے کو حل کر سکتے ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وہ آگ جس نے جلا دیا

کچھ عرصہ قبل کراچی کے علاقے، گلشنِ اقبال میں ایک اندوہناک سانحہ پیش آیا۔ یہاں واقع فائیو اسٹار اپارٹمنٹ کے ایک فلیٹ کے مکین، اے سی کی ٹھنڈی ہوا میں سونے کے لیے لیٹے۔ رات گئے شارٹ سرکٹ ہوا اور پورے گھر میں آگ پھیل گئی۔ ان لوگوں نے گھر سے نکلنے کی سرتوڑ کوشش کی، مگر آگ کی تپش نے باہر نکلنے کی ہر کوشش ناکام بنادی۔ ان کی چیخیں سن کر اہلِ محلّہ بھی مدد کو آئے، مگر چوروں کو روکنے کے لیے لگائی گئی لوہے کی جالیوں نے ان کی راہیں بھی مسدود کردیں۔ دیکھتے ہی دیکھتے آگ کے شعلوں نے اس گھر میں موجود چھوٹے بڑے تمام آٹھ افراد کو نگل لیا۔

اس واقعہ پر نہ صرف اس علاقے، بلکہ شہر بھر میں کہرام مچ گیا۔ ہر آنکھ اس دردناک واقعے پر اشک بار تھی۔ اخبارات اور میڈیا مختلف اداروں کو اس سانحے کا ذمے دار ٹھہرا رہے تھے۔ جبکہ یہ ادارے روایت کے مطابق حادثے کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالنے میں مصروف تھے۔ ایک ہفتہ کی تحقیقات کے بعد معلوم ہوا کہ آگ لگنے کا بنیادی سبب یہ تھا کہ فلیٹ کے مکینوں نے بجلی چوری کر کے دو اے سی لگا رکھے تھے۔ لوڈ زیادہ ہونے کی بنا پر شارٹ سرکٹ ہوا، جس سے لگنے والی آگ نے پورے فلیٹ کو اپنے نرغے میں لے لیا۔ یوں ٹھنڈی ہوا میں سونے والے تھوڑی ہی دیر میں گرم شعلوں کا لقمہ بن گئے۔

بجلی کی چوری کا یہ واقعہ جو ایک سنگین حادثہ کا سبب بنا، اپنی نوعیت کا تنہا واقعہ نہیں بلکہ ہمارے ہاں بجلی کی چوری ایک معمول بن چکی ہے۔ چوری کا یہ معاملہ اتنا بے ضرر تصور کیا جاتا ہے کہ لوگ بہت اطمینان سے ایک دوسرے کو نہ صرف بجلی چوری کی تلقین کرتے ہیں بلکہ اس مقصد کے لیے نت نئے طریقے، کارِثواب سمجھ کر بتاتے ہیں۔

چوری اور بدعنوانی کا عمل ہر دور اور ہر معاشرے میں ایک برا عمل سمجھا گیا ہے۔ مگر ہمارے ہاں اس کی برائی دلوں سے مٹتی جارہی ہے۔ اس کا سبب حکمرانوں کی بدعنوانی اور کرپشن کا وہ تذکرہ ہے جو ایک عام آدمی کو اصلاح سے مایوس کردیتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ جب سب لوگ لوٹ مار کررہے ہیں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تو کیوں نہ وہ بھی اپنا حصہ وصول کرے۔

تاہم یہ رویہ دینی اور اخلاقی اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ یہ طریقہ اصلاح کا نہیں بلکہ فساد کا طریقہ ہے۔ ایک غلط عمل دوسرے غلط عمل کا جواز کبھی نہیں بن سکتا۔ حکمرانوں کا ظلم اور ان کی بدعنوانی ہمارے لیے کسی چوری کا جواز مہیا نہیں کر سکتی۔ اگر اس سوچ کو درست مان لیا جائے تو پوری زمین ظلم و فساد سے بھر جائے گی۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں کے تمام تر ظلم اور خرابیوں کے باوجود، ان کی اطاعت کو لازمی قرار دیا ہے۔ اس مضمون کی بے گنتی احادیث کتابوں میں آئی ہیں۔ ہم مثال کے طور پر صرف ایک حدیث نقل کر رہے ہیں۔ فرمایا:

> ''تم پر لازم ہے کہ اپنے حکمرانوں کے ساتھ اطاعت کا رویہ اختیار کرو چاہے تم تنگی میں ہو یا آسانی میں اور چاہے رضا و رغبت کے ساتھ ہو یا بے دلی کے ساتھ اور اس کے باوجود کہ تمہارا حق تمھیں نہ پہنچے۔'' (مسلم، رقم 1836)

بظاہر یہ حکم ہمیں قابل عمل نہیں لگتا اور اس کے بجائے ہم ان لوگوں کی باتوں کو زیادہ درست سمجھتے ہیں جو انسان میں نفرت، غصے اور انتقام کا ذہن پیدا کرتی ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کو چھوڑ کر جب ہم ان لوگوں کے پیچھے چلتے ہیں تو حکمرانوں کا محدود ظلم اور بدعنوانی نچلے طبقات میں سرائیت کر جاتی ہے اور پورا معاشرہ فساد سے بھر جاتا ہے۔ اس سوچ اور عمل سے صرف دنیا کے معاملات خراب نہیں ہوتے بلکہ آخرت میں بھی کسی شخص کے لیے برائی کا یہ عذر قابل قبول نہ ہوگا کہ اس کے حکمران برے اور ظالم تھے۔

ضروری ہے کہ لوگوں کو بتایا جائے کہ چوری کے جس عمل پر ہاتھ کاٹنے کی سزا اس دنیا میں مقرر کی گئی ہے، وہ بہت بڑا جرم ہے۔ دنیا میں چوری کی بجلی سے لگنے والی جو آگ آٹھ افراد کو جلا کر خاکستر کر گئی وہ آخرت میں ایک ایسی آگ میں بدلنے والی ہے، جس کے شعلے کبھی نہیں بجھیں گے۔ اس دن انسان کی سب سے بڑی کامیابی یہ ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کی اس آگ سے بچالے۔ چاہے اسے اس کے لیے اس دنیا میں مہنگی بجلی خریدنی پڑے۔ چاہے اسے بغیر اے سی کے سونا پڑے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

It is all about happiness

طارق روڈ کراچی کا ایک بہت بڑا تجارتی مرکز ہے۔ یہاں بڑے بڑے شاپنگ سنٹرز واقع ہیں۔ شہر بھر سے لوگ کپڑے، زیورات اور دیگر اشیا کی خریداری کے لیے یہاں آتے ہیں۔ طارق روڈ کا ایک سرا شہید ملت روڈ اور دوسرا، وسطِ شہر کی سمت جاتے ہوئے، اللہ والی چورنگی پر واقع ہے۔ اللہ والی چورنگی پر جس جگہ طارق روڈ ختم ہوتا ہے، وہیں کونے پر سوسائٹی کا قبرستان ہے۔ پچھلے دنوں طارق روڈ کی طرف جانے کے لیے میں اس چورنگی پر پہنچا تو سگنل سرخ ہو چکا تھا۔ میں رک کر اشارہ کھلنے کا انتظار کر رہا تھا کہ طارق روڈ کے آغاز پر ایک بلند و بالا سائن بورڈ پر نظر پڑی۔ یہ سائن بورڈ ایک بینک کا تھا جس نے اپنے کریڈٹ کارڈ کی تشہیر کے لیے سائن بورڈ پر ایک بہت ہی دلچسپ اور بامعنی جملہ لکھ رکھا تھا۔

It is all about hapiness

یہ جملہ کوئی سادہ جملہ نہیں ہے۔ یہ دورِ جدید کے انسان کی مکمل کہانی ہے۔ خوشی و راحت کا حصول ہر دور میں انسان کا مقصد اور اس کی خواہش رہی ہے۔ مگر آج کے انسان کی تمام تر خوشیاں مادی چیزوں کے حصول پر منحصر ہو چکی ہیں۔ دنیا کی نعمتیں حاصل کرنا، اس کی زندگی کا نصب العین بن چکا ہے۔ وہ ان مادی خوشیوں کا ایسا اسیر ہو چکا ہے کہ جیب میں اگر پیسے نہ بھی ہوں تو وہ قرض لے کر ان مادی چیزوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ پہلے زمانے میں قرض لینا آسان نہ تھا۔ چنانچہ انسان پیسہ پیسہ جوڑ کر فرج، ٹی وی اور دیگر اشیاء خریدا کرتے تھے۔ مگر آج کا بینک، کریڈٹ کارڈ کے ذریعے سے، قرضہ کی یہ سہولت با آسانی فراہم کرتا ہے۔ چنانچہ جیب میں اگر کریڈٹ کارڈ ہو تو ہر فرمائش اور ہر خواہش کی فوری تسکین کی جاسکتی ہے۔ دلی تمنا کے فوری پورا ہونے کی یہی خوشی، اس جملے میں مراد تھی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مگر بینک کا ادارہ کوئی قرضہ فی سبیل اللہ نہیں دیتا۔ وہ اس قرضہ پر سود وصول کرتا ہے۔ یہی سود بینک کی کمائی کا ذریعہ ہے۔ پھر یہ قرضہ ہر کس و ناکس کو ملتا بھی نہیں ہے۔ بینک پہلے تحقیق کر کے اس بات کو یقینی بناتا ہے کہ جسے قرضہ دیا جارہا ہے وہ قرضہ ادا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ اس کے لیے اکثر اوقات کوئی نہ کوئی ضمانت رکھوائی جاتی ہے۔ اگر آپ قرض لے کر رقم واپس نہیں کریں گے تو قانونی کارروائی ہوگی اور بالجبر قرضہ وصول کر لیا جائے گا۔ گارنٹی کی ہر چیز ضبط ہو جائے گی۔ یہاں تک کہ عدم ادائیگی کی صورت میں جیل جانا پڑے گا۔

سگنل پر کھڑے چند لمحوں میں میرے ذہن میں یہ سارے خیالات گزر گئے۔ ابھی سگنل بند ہی تھا کہ میری نظر اس سائن بورڈ کے بالکل نیچے پڑی جہاں سوسائٹی کے قبرستان کا منظر میری نگاہوں کے سامنے آ گیا۔ مجھے خیال آیا کہ یہ ایک دوسرا اشتہار ہے جو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں جگہ جگہ لگا رکھا ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ اس اشتہار میں بھی، زبان حال سے، ٹھیک وہی سلوگن لکھا ہوا ہے جو بینک کے اشتہار میں تھا۔

It is all about hapiness

قبرستان کا منظر انسان کو یہ یاد دلاتا ہے کہ وہ اس دنیا میں ابدی نہیں بلکہ عارضی طور پر موجود ہے۔ وہ یہاں اپنے رب سے مہلتِ عمر قرض لے کر آیا ہے۔ روزِ ازل انسان نے زندگی کا یہ کریڈٹ کارڈ اس لیے لیا تھا کہ وہ جنت کی ابدی خوشیوں اور راحتوں کو حاصل کر سکے۔ اس قرضے کے لیے انسان نے اپنا وجود خدا کے پاس گارنٹی رکھا ہوا ہے۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِينَةٌ: ہر نفس اپنی کمائی کے عوض رہن ہے۔ (المدثر 38:74)

انسان اس دنیا میں اگر نیک عمل کی کمائی کر لیتا ہے تو نہ صرف جنت کی خوشیوں کو حاصل کرے گا بلکہ جہنم کی سزا سے بھی اپنی ہستی کو بچا لے گا۔ اس کے برعکس انسان اس حیات مستعار کو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

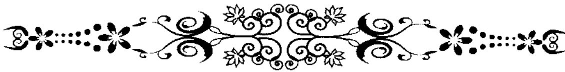
دنیا کی رنگینیوں کے پیچھے ضائع کر بیٹھا تو نعمت بھری جنت تو ایک طرف رہی، اس کا وجود جہنم کے قید خانے میں ڈال دیا جائے گا۔

انسانوں کی بدقسمتی ہے کہ ان کی اکثریت مہلتِ عمر کے اس قرض کو آخرت کی ابدی خوشیاں سمیٹنے کے بجائے دنیا کی عارضی خوشیوں کے پیچھے لگا دیتی ہے۔ اس رویے سے صرف وہ شخص بچ سکتا ہے جو اپنی خواہشات پر صبر کرنا سیکھے۔ انسان کے اندر خواہش کا پیدا ہونا غلط نہیں، اس کا بے لگام ہو جانا غلط ہے۔ کیونکہ خواہشات کی اندھی پیروی انسان کے پاس یہ موقع نہیں چھوڑتی کہ وہ آخرت کے لیے سرمایہ کاری کرے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں جگہ جگہ جنت کو صبر کا بدلہ قرار دیا گیا ہے۔ آج صبر سب سے بڑھ کر خواہشات کے بارے میں مطلوب ہے۔

سو اَب جب کبھی آپ کسی قبرستان کے پاس سے گزریں تو وہاں ایک سائن بورڈ ضرور دیکھیے گا جس پر جلی حروف میں جنت کی ابدی زندگی کے متعلق یہ لکھا ہوگا۔

It is all about happiness

It is all about patience



کتابُ و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آئیڈیل زندگی

''اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کیے ہم ان کو ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اس میں ان کے لیے پاک بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو گھنی چھاؤں میں رکھیں گے''۔ (النسا 4:57)

عرب کے صحراؤں میں جہاں پانی و سبزہ کمیاب اور دھوپ کی شدت نا قابل برداشت ہے، اللہ تعالیٰ کی عطا اور کرم کا اس سے اچھا بیان ممکن نہیں۔ جنت کا لفظی مطلب 'باغ' ہے۔ صحرا میں رہنے والے لوگوں کے لیے بہترین مقام کا تصور یہی ہے کہ وہ ایک باغ میں مقیم ہوں جس میں نہریں بہتی ہوں۔ یہ باغ اتنا گھنا ہو کہ صحرا کی تپتی دھوپ اور جھلسا دینے والی ہوا، دونوں اس کی چھاؤں میں غیر موثر ہو کر رہ جائیں۔ اس باغ کا پھل ان کی خوارک بنے، اس کے سبزے میں ان کے مویشی چرتے پھریں، اس کے پانی سے ان کی کھیتی سیراب ہو اور وہ ان نعمتوں میں پاکیزہ اہل خانہ کے ہمراہ اپنی زندگی کے دن گزاریں۔ سب سے بڑھ کر انہیں یہ یقین ہو کہ زمانے کی رفتار اور ماہ و سال کی گردش انہیں ان کی اس کائنات سے محروم نہیں کریں گے اور وہ ہمیشہ اس جگہ مقیم رہیں گے۔

یہ عرب کے صحرانشین ہی نہیں، عام انسان کی زندگی بھی حالات کی دھوپ چھاؤں میں کیا جانے والا ایک سفر ہے۔ انسان فطری طور پر سہولت پسند واقع ہوا ہے۔ وہ لذت کو پسند کرتا، آسانی کی خواہش کرتا اور سکون کی تمنا کرتا ہے۔ مگر زندگی میں بار بار ایسا ہوتا ہے کہ نا گوار واقعات اس کی پرسکون زندگی میں خلل ڈال دیتے ہیں۔ حالات کی تپش اس کے وجود کو جھلسا دیتی ہے۔ محرومی کی آگ اس کے نشیمن کو راکھ کا ڈھیر بنا دیتی ہے۔

ایسے میں یہ آیت انسان کو یقین دہانی کراتی ہے کہ وہ اپنی جنت کا جو نقشہ چاہے بنا لے، اللہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تعالیٰ اس نقشے میں زندگی کی روح پھونک کر کل قیامت کے دن اس کے حوالے کر دیں گے۔ یہاں وہ اندیشوں کی ہر دھوپ اور پچھتاووں کی ہر جلن سے محفوظ رہ کر سکون کی چھاؤں میں زندگی گزارے گا۔ وہ زندگی جو کبھی ختم نہیں ہوگی۔

اس جنت کے خواہش مند انسان کے لیے البتہ یہ ضروری ہے کہ وہ اس عارضی دنیا کی ہر دھوپ اور ہر چھاؤں میں اپنے رب کی پسند کے اعمال کرتا رہے۔ وہ ایک ایسا درخت بن جائے جس کی ہر شاخ ایمان و اطاعت کے ساتھ رب کے سامنے جھکی رہنے والی ہو، پاکیزہ اخلاق و اعمال کے پھل اس سے پھوٹتے رہیں اور مخلوق خدا کے لیے اپنی ذات میں ایک سایہ دار درخت ہو۔ یہی وہ درخت ہے جسے آنے والے روز، قیامت کے دن، جنت کے باغ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے لگا دیا جائے گا۔



ہم وہ سورج ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے جس کے طلوع ہوتے ہی ہر تاریکی چھٹ جاتی ہے۔ ہم تو اپنے حصے کا چراغ، اپنے رب کے بھروسے پر، اس خیال سے جلا رہے ہیں کہ اندھیری رات میں چراغ کی روشنی بھی غنیمت ہے۔

گماں آبادِ ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا
بیاباں کی شبِ تاریک میں قندیلِ رہبانی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پوزیٹو کرکٹ

کرکٹ کا شمار دنیا کے مقبول ترین کھیلوں میں ہوتا ہے۔اس کھیل کی اہمیت کی بنا پر کسی ملک کی قومی ٹیم میں بہترین کھلاڑیوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔مگر بار ہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک باصلاحیت کھلاڑی انٹرنیشنل سطح پر آ کر خود کو منوا نہیں پاتا۔اس کا سبب یہ ہے کہ کرکٹ جسمانی کھیل ہونے کے ساتھ ایک ذہنی کھیل بھی ہے۔یہاں ہر کھلاڑی خود کو قسمت اور حالات کے رحم و کرم پر پاتا ہے۔یہ دونوں مل کر ایک دباؤ کی کیفیت پیدا کرتے ہیں۔اس دباؤ میں بہترین کھلاڑی بھی اپنی صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کر پاتا۔مثلاً کسی وقت اگر ایک ساتھ کئی وکٹیں گر جائیں تو نیا آنے والا بہترین بیٹسمین بھی صرف دباؤ کی وجہ سے آؤٹ ہو جاتا ہے۔

اس وجہ سے کرکٹ کے میدان میں اترنے والے کھلاڑیوں کو اکثر یہ نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ پوزیٹو رہیں۔کرکٹ میں پوزیٹو ہونے کا مطلب یہ ہے کہ کھلاڑی صورتحال کا اثر لیے بغیر اپنی صلاحیت کا استعمال کرے۔وہ دباؤ کو نظر انداز کر کے ایک ایک بال کو میرٹ پر کھیلے۔روکنے والی گیند کو روکے اور مارنے والی کو مارے۔یہی کرکٹ میں کامیابی کا راز ہے۔

یہی پوزیٹو رویہ زندگی کے میدان میں بھی کامیابی کا راز ہے۔اس دنیا میں ہر انسان کوئی نہ کوئی صلاحیت لے کر آتا ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ زندگی میں بہت سے ایسے مسائل ہوتے ہیں جو انسان پر دباؤ اور ٹینشن پیدا کر دیتے ہیں۔ایسے میں انسان صرف مشکلات، مسائل اور دباؤ پر نظر رکھے گا تو وہ کبھی زندگی میں بڑی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔بڑی کامیابی صرف اس شخص کو ملتی ہے جو حالات کے دباؤ اور پریشانیوں کے باجود ملے ہوئے مواقع کو استعمال کرے، اور جو مسائل کے باجود مواقع کی تلاش میں رہے اور موقع ملنے پر اپنی بہترین صلاحیت کو استعمال کرے۔

اسی طرح زندگی کی کسی ایک اننگز میں ناکامی کا مطلب یہ نہیں کہ انسان ہر جگہ ناکام ہو گیا ہے۔اسے زندگی کی اگلی اننگز اور اگلے موقع کا انتظار کرنا چاہیے۔قدرت اپنے قانون کے تحت اسے یہ موقع لازماً دے گی۔اسے مایوس ہوئے بغیر اس موقع کا انتظار کرنا چاہیے اور جیسے ہی موقع ملے، اپنی پوری صلاحیت اس میں لگا کر اسے استعمال کرنا چاہیے۔

زندگی کا میدان کرکٹ کے میدان سے زیادہ مختلف نہیں۔مثبت اندازِ فکر دونوں میدانوں میں کامیابی کا ضامن ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

انسان اور جانور کا فرق

میرے ایک قریبی دوست ہیں۔ ان کے سامنے اگر کوئی یہ کہہ بیٹھے کہ اسے مطالعے کی عادت نہیں یا مطالعے کے لیے وقت نہیں ملتا تو وہ پلٹ کر جواب دیتے ہیں، ''اطمینان رکھیے! آپ اس معاملے میں تنہا نہیں ہیں۔ دیگر جانور بھی کتابیں نہیں پڑھتے۔''

حقیقت یہ ہے کہ جانور اور انسان دونوں کو بہت سے کام جبلت سکھاتی ہے۔ بہت سے افعال ایسے ہیں جو حواس سے حاصل شدہ علم کی بنا پر ہوتے ہیں۔ بہت سی چیزیں دونوں ماحول سے اخذ کرتے ہیں۔ لیکن یہ صرف انسان کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے علم کے خزانے کو الفاظ کی صورت دیتا اور اسے کتاب کی تجوری میں محفوظ کر دیتا ہے تاکہ دوسرے لوگ علم کے اس خزانے سے استفادہ کر سکیں۔ قلم و کتاب کی یہی وہ سلطنت ہے جس کی تسخیر، انسانوں پر، تسخیرِ کائنات کے تمام دروازے کھول دیتی ہے۔

کتاب پڑھنا صرف انسان اور جانور ہی کا فرق نہیں بلکہ ایک قوم اور دوسری قوم کا بھی فرق بن جاتا ہے۔ جس قوم میں قلم و کتاب کی حکومت ہو وہ قوم دوسری اقوام پر اسی طرح حکومت کرتی ہے جس طرح انسان جانوروں پر حکومت کرتے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ قرآن کریم نے مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے کا ایک غیر معمولی ذوق پیدا کر دیا تھا۔ یہ ذوق مذہب کے پس منظر میں پیدا ہوا تھا۔ مگر ایک دفعہ پیدا ہو گیا تو صرف مذہب تک محدود نہیں رہا، بلکہ علم کی تمام شاخوں تک پھیل گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہزار برس تک مسلمان دنیا پر حکومت کرتے رہے۔ مسلمانوں کا زوال بھی جس واقعہ سے شروع ہوا وہ یہی تھا کہ بغداد اور اسپین میں مسلمانوں کی کتابوں کے ذخیرے یا تو جلا دیے گئے یا پھر مسلمانوں کی شکست کے بعد عیسائیوں کے ہاتھ لگ گئے۔ یہی کتابیں یورپ پہنچیں تو وہ آنے والے دنوں میں دنیا کے حکمران بن گئے۔

آج بھی اگر ہم ترقی کی شاہراہ پر قدم رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ لوگوں میں پڑھنے کی عادت پیدا کریں۔ کیونکہ علم کی فصل قلم و کتاب کی جس زمین پر اگتی ہے اسے پڑھنے کا شوق رکھنے والے لوگ سیراب کرتے ہیں۔ اور جس معاشرے سے مطالعے کا ذوق اور عادت ختم ہو جائے وہاں علم کی پیداوار بھی ختم ہو جاتی ہے۔ جس قوم میں علم نہ ہو اس کا انجام سوائے مغلوبیت کے کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جو روپے کے بھی امین نہیں......

کئی برس قبل مجھے کینیڈا اور امریکہ میں تفصیلی قیام کا موقع ملا۔ اس عرصے کے دوران میں متعدد قابلِ ذکر مشاہدات پیش آئے۔ ان میں سے ایک دلچسپ مشاہدہ یہ تھا کہ میں نے ایک روپے کے پاکستانی کرنسی کے سکے کو کینیڈا میں خرید و فروخت میں استعمال ہوتے دیکھا۔ دراصل کینیڈا کی کرنسی کا سب سے چھوٹا سکہ پینی (Penny) ہے۔ ایک کینیڈین ڈالر سو پینی کے برابر ہوتا ہے۔ پینی کا یہ سکہ اپنے رنگ، ساخت اور جسامت میں بالکل پاکستانی روپے جیسا ہوتا ہے۔ جب تک غور سے نہ پڑھا جائے کہ اس پر کیا لکھا ہے۔ صرف سرسری نظر ڈال کر یہ بتانا ممکن نہیں کہ یہ پاکستانی روپیہ ہے یا کینیڈین پینی ہے۔

یہ پاکستانی روپیہ کس طرح کینیڈا میں گردش میں آیا؟ اس سوال کا جواب دینا کوئی مشکل نہیں۔ حالیہ وقتوں میں پاکستانیوں کی ایک بہت بڑی تعداد کینیڈا منتقل ہوئی ہے۔ جانے والوں کے ساتھ ساتھ ان کے اہل خانہ کی بڑی تعداد کو بھی کینیڈین شہریت حاصل ہوئی ہے۔ اس طرح کثرت سے پاکستانی کینیڈا آنے جانے لگے ہیں۔ یقیناً انھی میں سے کچھ لوگ ہوں گے جن کے ساتھ کچھ پاکستانی سکے کینیڈا پہنچ جاتے ہوں گے۔ باقی سکے تو وہاں بالکل بے مصرف ثابت ہوتے ہیں مگر ایک روپے کے سکے کا استعمال وہاں نکل آیا۔ چنانچہ ایک پینی کی انتہائی حقیر رقم کی جگہ پاکستانی روپیہ استعمال ہونے لگا۔ یوں نہ صرف پاکستانیوں کا ایک روپیہ ضائع ہونے سے بچ گیا بلکہ ایک پینی کا اضافی ''فائدہ'' بھی وہ اٹھانے لگے۔

بہت سے لوگوں کے لیے یہ ایک چھوٹی بات ہوگی جسے ہنسی مذاق میں اڑایا جا سکتا ہے۔ بہت سے لوگ اسے پاکستانیوں کی ذہانت کے کھاتے میں ڈالیں گے۔ مگر مجھے اس واقعہ پر قرآن کی ایک آیت یاد آ گئی۔ اہل کتاب کے کردار پر تبصرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

''اور ان (اہل کتاب) میں وہ بھی ہیں کہ اگر تم ان کی امانت میں ایک دینار بھی رکھو تو

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وہ اس وقت تک اس کو لوٹانے والے نہیں ہیں جب تک تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ‘‘

(آل عمران 53:3)

قرآن کی اس آیت سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہودی خود کو تمام دنیا سے افضل سمجھتے تھے، لیکن درحقیقت وہ اخلاقی زوال کی کس پستی میں اتر چکے تھے۔ اللہ اور رسول سے لے کر ایک دینار تک، کسی معاملے میں وہ صاحب کردار نہیں رہے تھے۔ اس کے بعد چاہے وہ خود کو کتنا ہی امامت عالم کے منصب پر فائز سمجھتے، خدا کی نظر میں ان کی کوئی حیثیت نہیں رہی تھی۔

قرآن کی اس آیت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض چھوٹی چھوٹی باتیں انسان کے کردار کو کھول کر رکھ دیتی ہیں۔ وہ یہ بتاتی ہیں کہ جب کسی انسان کا زندگی کے بارے میں بنیادی نقطۂ نظر ہی غلط ہو جائے تو ضروری نہیں کہ وہ اہم مواقع ہی پر اس کا اظہار کرے۔ انسان بہت معمولی باتوں میں اس کا اظہار کرنے لگتا ہے۔ وہ معاشرہ جس سے امانت اٹھ جائے، آہستہ آہستہ اس مقام پر آ جاتا ہے کہ ایک روپے اور ایک پینی کی ناقابل تذکرہ رقم میں بھی خرد برد کرنے لگتا ہے۔ آخرت اور ایمان کے مقابلے میں ہر فائدہ بہت حقیر ہے مگر انسان اتنا غیر محتاط ہوتا ہے کہ اپنے کردار و دیانت کو صرف ایک روپے میں فروخت کر دیتا ہے۔

امانت و دیانت انسانی کردار کے اعلیٰ ترین اوصاف میں سے ہے۔ جن لوگوں میں یہ اخلاقی وصف نہیں وہ کسی ذمہ داری اور کسی بھی منصب کے اہل نہیں۔ جو لوگ آج ایک روپے کے بھی امین ثابت نہیں ہوتے، وہ موقع ملنے پر لاکھ روپے کی امانت کا بوجھ بھی نہیں اٹھا سکیں گے۔ چاہے یہودی ہو یا مسلمان، کوئی گروہ جب زوال کی گھاٹی پر قدم رکھتا ہے تو اسے یہ دن بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ اس کے رہنما اسے دنیا کی امامت کا مژدۂ جانفزا سناتے ہیں اور اس کا کردار یہ ہوتا ہے کہ وہ روپے کی امانت کا بھی تحمل نہیں کر سکتا۔

لوگوں کا جو دل چاہے وہ کہتے اور سمجھتے رہیں، خدا کا فیصلہ یہ ہے کہ جو لوگ روپے کے بھی امین نہیں، انہیں کبھی امامتِ عالم کے منصب پر فائز نہیں کیا جا سکتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بادشاہوں کا بادشاہ

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک مشہور نبی ہیں۔اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے زمانے کا سب سے بڑا بادشاہ بنایا تھا۔جنوں، پرندوں اور ہواؤں کو بھی ان کا تابع فرمان کر دیا تھا۔وہ پرندوں یہاں تک کہ چیونٹیوں کی باتیں بھی سمجھ لیتے تھے۔ان کے دربار میں ایسے باکمال لوگ موجود تھے جوان کے حکم پر ہزار میل دور موجود ایک چیز کو لمحہ بھر میں ان کے دربار میں پہنچا دیتے تھے۔مگراس سب کے باجود وہ لمحہ بھر غافل نہ رہتے اور ہر لمحے رب کا شکرادا کرتے رہتے۔

قرآن پاک کی سورہ نمل میں یہ ساری تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔اسی سورت میں یہ واقعہ بھی بیان ہوا ہے کہ ان کے لشکر میں موجود پرندے ہدہد نے ایک روز انہیں یہ اطلاع دی کہ یمن کی قوم سبا پر ایک عورت حکمران ہے جو بڑی شان وشوکت کی مالک ہے۔البتہ وہ اور اس کی قوم شرک کا شکار ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس خدمت پر معمور تھے کہ شرک کو ختم کر دیں، انہیں جب یہ اطلاع ملی تو آپ نے ہدہد کے ذریعے سے اسے ایک خط پہنچوایا کہ فرمانبرداری کے ساتھ فوراً میری خدمت میں حاضر ہو۔

جب ملکہ سبا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملا تو اس نے اپنے درباریوں سے مشورہ کیا۔وہ ایک طاقتور قوم کے سردار تھے اس لیے اپنی ملکہ کو جنگ کا مشورہ دیا۔اس پر ملکہ سبا نے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کی طاقت سے واقف اور بہت سمجھدار خاتون تھی، اپنا وہ تاریخی جملہ کہا جو انسان کی ہزاروں سالہ سیاسی زندگی کا نچوڑ ہے۔قرآن نے اس کی بات کو اس طرح بیان کیا ہے۔

”بادشاہ لوگ جب کسی بستی میں (فتح کے بعد) داخل ہوتے ہیں تو وہاں فساد برپا کر دیتے ہیں اور وہاں کے معززین کو ذلیل کر کے چھوڑتے ہیں۔“ (نمل 34:27)

ملکہ سبا کا یہ جملہ بادشاہوں کے اس رویے کو بیان کرتا ہے جو ہمیشہ سے ان کا معمول رہا ہے۔ بادشاہ جب کسی ملک پر قبضہ کر لیتے ہیں تو ان کی طاقت کو یہ گوارہ نہیں ہوتا کہ کوئی ان کے خلاف اٹھنے کی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جرأت کرے۔اس لیے جوکوئی ایسا کرنے کی کوشش کرتا ہے وہ اسے کچل کرر کھ دیتے ہیں اور خاص طور پر وہاں کے عزت دارلوگ،جن کی طرف سے بغاوت کا اندیشہ سب سے بڑھ کر ہوتا ہے،انہیں ذلیل اور بے وقعت بنا کرر کھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کائنات کے بادشاہ ہیں۔وہ بادشاہوں کے بادشاہ ہیں۔ان کی سنت بھی اس معاملے میں دوسرے بادشاہوں سے کچھ مختلف نہیں۔تاہم اللہ تعالیٰ کوکسی عام بستی کو فتح کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔وہ بادشاہ کی حیثیت سے اگر داخل ہوتے ہیں تو دل کی دنیا میں داخل ہوتے ہیں۔پھراس کے بعد وہ دل کی اس بستی میں وہی کچھ کرتے ہیں، جو دوسرے بادشاہ اپنے مفتوحہ علاقوں میں کرتے ہیں۔

وہ اس بستی میں ہراس تعمیر کوگرادیتے ہیں جس میں دنیا کی محبت آباد ہوتی ہے۔وہ ہراس عمارت کو مسمار کردیتے ہیں جس میں غیراللہ کا بسیرا ہوتا ہے۔وہ ان قلعوں اور چھاؤنیوں کو تاراج کردیتے ہیں جو نفس وشیطان کی پناہ گاہ ہوتی ہیں۔وہ خواہشات کے اس محل سرا کو ویران کردیتے ہیں جس میں دنیا پرستی کا ڈیرا ہوتا ہے۔وہ دل کی دنیا کے ہر عزت دار کو اس طرح ذلیل ورسوا کرتے ہیں کہ وہ کبھی سراٹھانے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔مال و دولت،عزت وشہرت، جمال وکمال، آسائش وزیبائش کے وہ بت جن کی پرستش ہردل میں کی جاتی ہے،اس بستی میں خدائے ذوالجلال کی دہشت سے منہ چھپائے پھرتے ہیں۔

اس کے بعد انسان چاہے سلیمان علیہ السلام کی طرح کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، دنیا میں ہر طرف سے گھرا ہی کیوں نہ ہو،اس کا دل خدا کی جاگیر بن جاتا ہے۔اس مفتوحہ دل میں ہر طرف خدا کی عظمت کا راج ہوتا ہے۔اسی کی بڑائی کے نغمے گائے جاتے ہیں۔

یہی تاراج دل ٹوٹا ہوا دل ہے......یہی وہ دل ہے جو آج نایاب ہو چکا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آج کے بے ایمان

حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اہل مدین کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ اہل مدین کوئی اور نہیں حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے تھے۔ مگر وقت گزرنے کے ساتھ ان میں طرح طرح کی برائیاں پیدا ہوگئیں تھیں۔ اس دور کی دیگر اقوام کی طرح یہ لوگ بھی شرک کا شکار تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں بہت سمجھایا مگر وہ باز نہ آئے۔ آخر کار اس قوم پر زلزلہ کا عذاب آیا اور پوری قوم تباہ کر دی گئی۔

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے علاوہ ان کے ایک اور مرض کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ یہ کہ لوگ ناپ تول میں ڈنڈی مارتے تھے۔ قرآن میں ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں اس حوالے سے سمجھایا تو انہوں طنزیہ جواب دیا کہ اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں یہ سکھاتی ہے کہ ہم اپنے مال میں اپنی مرضی کے مطابق تصرف نہ کرسکیں۔ بس تم ہی ایک دانشمند اور راستباز رہ گئے ہو؟

یہ واقعہ ہمیں بتاتا ہے کہ منافع کمانے کے ناجائز طریقے اللہ تعالیٰ کے نزدیک کتنا بڑا جرم ہے۔ اس عمل میں چونکہ انسان جان بوجھ کر دوسرے انسانوں کو دھوکہ دیتا ہے اس لیے اس کا دل سخت ہونا شروع ہوجاتا ہے۔ ایک وقت آتا ہے کہ وہ وقت کے پیغمبر کا مذاق اڑانے پر اتر آتا ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی اس واقعہ سے سامنے آتی ہے کہ اللہ پر ایمان رکھنے والا اور نماز پڑھنے والا انسان کبھی اس طرح کے بھیانک اخلاقی جرائم کا ارتکاب نہیں کرسکتا۔ یہ اتنی واضح بات ہے کہ قوم شعیب کے کفار بھی اسے سمجھتے تھے۔

بدقسمتی سے آج ہماری مسلمان سوسائٹی میں لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے۔ ہمارے ہاں طرح طرح سے ناجائز طریقے سے منافع کمایا جاتا ہے۔ جن میں ملاوٹ، ناپ تول میں کمی، جھوٹ بول کر مال بیچنا، ذخیرہ اندوزی وغیرہ بہت عام ہیں۔ یہ کام کرنے والے لوگ دھوکے، جھوٹ اور رشوت کے ذریعے سے دنیا کے قانون کی پکڑ سے بچ سکتے ہیں۔ مگر قوم شعیب کا سبق یہ بتاتا ہے کہ اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔ جس خدا نے قوم شعیب کے بے ایمان لوگوں پر عذاب نازل کیا تھا، آج کے مسلمان بھی اس کی پکڑ سے ہرگز باہر نہیں ہیں۔ صرف فرق یہ ہے کہ قوم شعیب کے مجرمین کو گزرے ہوئے کل میں پکڑا تھا۔ اور آج کے بے ایمان مجرموں کو وہ آنے والے کل میں پکڑے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

Honey Trap

امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس اور چین کا شمار دنیا کی پانچ بڑی طاقتوں میں ہوتا ہے۔سوویت یونین کے انہدام سے قبل یہی پانچ ملک تسلیم شدہ ایٹمی طاقت شمار ہوتے تھے۔اس زمانے میں دیگر بعض ممالک نے بھی ایٹمی اسلحہ کے حصول کی کوشش شروع کردی تھی۔ان میں اسرائیل کا نام سرفہرست ہے۔کہا جاتا ہے کہ اسرائیل نے مغربی طاقتوں کی مدد سے سن ساٹھ کی دہائی میں یہ صلاحیت حاصل کرلی تھی، مگر بین الاقوامی دباؤ کے خوف سے اس صلاحیت کا اظہار نہیں کیا۔

1986 میں دنیا کو پہلی بار اسرائیل کی ایٹمی طاقت کے بارے میں اس وقت معلوم ہوا جب صحرائے نقب میں واقع اسرائیلی ایٹمی تنصیب DIMON کے ایک اہلکار مردکائی ونونو نے برطانوی اخبار 'سنڈے ٹائمز' کو ایک انٹرویو دیا۔اس انٹرویو میں اس نے اسرائیل کے خفیہ ایٹمی پروگرام کی تفصیلات سے پہلی دفعہ پردہ اٹھایا۔جس سے دنیا بھر میں کھلبلی مچ گئی۔

چنانچہ اسرائیل کی حکومت نے فیصلہ کیا کہ اس سے قبل یہ اہلکار مزید مسائل پیدا کرے اسے واپس اسرائیل لاکر اس کے خلاف مقدمہ چلنا چاہیے۔لہٰذا اسے پھانسنے کے لیے اسرائیل کی خفیہ ایجنسی موساد نے ایک Honey Trap یا دامِ الفت تیار کیا۔موساد کی ایک انتہائی حسین خاتون ایجنٹ نے مردکائی ونونو سے لندن میں دوستی کی۔اسے اپنے حسن کے جال میں پھنسایا۔پھر اسے تفریح کے لیے روم چلنے کی پیشکش کی۔روم کے ایک ہوٹل میں اسے نشہ آور دوا کھانے میں ملا کر دی گئی۔جب اس کی آنکھ کھلی تو سامنے کوئی دلربا حسینہ نہیں، اسرائیل کی عدالت تھی، جس نے اسے غداری کے الزام میں 18 سال قید کی سزا سنادی۔

یہ واقعہ جو ایک فرد پر گزرا، ہر انسان کا حقیقی مسئلہ ہے۔آزمائش کی اس دنیا میں انسان ہر لمحہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حالت جنگ میں ہے۔اس کے دشمن شیطان نے اس کے سامنے طرح طرح کے Honey Trap بچھا رکھے ہیں۔انسان دنیا کے اس جال کو جال نہیں سمجھتا۔ وہ ساری زندگی دنیا کی ظاہری خوبصورتی اور لذت کے پیچھے بھاگتا ہے۔اس حسن کے پیچھے جہنم کی جو قید چھپی ہے، وہ اسے نظر انداز کر دیتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا کے فرشتے موت کی بیہوشی لیے اچانک نمودار ہوتے ہیں اور جب آنکھ کھلتی ہے تو جہنم کے قید خانے کے سوا کچھ اور سامنے نہیں رہتا۔

کامیاب انسان وہ نہیں جس نے دنیا میں بہت ترقی کی۔کامیاب انسان وہ ہے جس نے دنیا کے Honey Trap میں پھنسنے کے بجائے، خدا کی ابدی جنت کی ابدی نعمتیں حاصل کر لیں۔



دعوت دین کے سفر میں ہم اپنا بھروسا تنہا صرف اس خدا پر رکھتے ہیں، جس کا سہارا اگر مل جائے تو انسان کو کسی اور سہارے کی ضرورت نہیں رہتی۔ دینِ حق کے ابلاغ کا یہ کام ہمارا ذاتی کام نہیں، خدا کا کام ہے۔ جو لوگ اس کام میں آگے بڑھ کر دست و بازو بنیں گے، وہ ہمارے نہیں خدا کے مددگار ہوں گے۔ یہی وہ عظیم خطاب ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ایسے لوگوں کا ذکر کیا ہے۔ یہی وہ خطاب ہوگا جس سے کل روزِ قیامت یہ لوگ سرفراز کیے جائیں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گندے انڈے

عام طور پر لوگوں کی یہ کوشش اور خواہش ہوتی ہے کہ جب وہ سودا سلف لینے باہر جائیں تو کوئی دکاندار گلی سڑی اور باسی اشیا ان کے حوالے نہ کردے۔ تاہم دکانوں پر ملنے والی اشیا میں غالباً انڈا واحد چیز ہے جس کی ظاہری حالت دیکھ کر اس کے خراب ہونے کا اندازہ نہیں ہوسکتا۔ انڈے کا خراب ہونا اسی وقت معلوم ہوتا ہے جب گھر لانے کے بعد انڈے پر چڑھا خول توڑا جائے۔ تب ہی پتا چلتا ہے کہ کھانے کے استعمال میں آنے والی سفیدی اور زردی صحیح حالت میں ہے یا خراب ہوچکی ہے۔

آج کے انسان کا معاملہ بھی کچھ انڈے ہی جیسا ہے۔ آج جس شخص سے بات کی جائے وہ اپنی گفتگو اور ظاہری چیزوں سے اپنے گرد انڈے کی طرح سفید خول چڑھائے ہوئے ملتا ہے۔ خوش اخلاق، باکردار، اصول پرست، معاشرتی خرابیوں سے نالاں اور اخلاقی انحطاط سے پریشان۔ مگر جب معاملہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اکثر لوگ گندے انڈے کی طرح ہیں۔ لوگ صرف اس وقت تک اچھے انڈے ثابت ہوتے ہیں جب تک ان کے مفادات اور خواہشات کے تحت معاملات چل رہے ہوں۔ مگر جیسے ہی ان کی انا کے خول پر ضرب لگے، ان کے مفادات کا گھروندا بکھرنے لگے، ان کی خواہشات کا محل مسمار ہونے لگے، ان کے تعصّبات کا علم سرنگوں ہونے لگے، گندے انڈے کا سفید خول ٹوٹتا ہے اور اس کے اندر سے غلاظت اور بدبو کے سوا کچھ نہیں نکلتا۔

لوگ وعدہ کرتے ہیں مگر پورا نہیں کرتے۔ لوگ بولتے ہیں مگر سچائی سے کام نہیں لیتے۔ لوگ تنقید کرتے ہیں مگر عدل و انصاف کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ لوگ یہ سب کچھ کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ علم واخلاص کے دعوے بھی کرتے ہیں۔ اپنے نیک و صالح ہونے کا ڈھنڈورا بھی پیٹتے ہیں۔ اپنی پاکدامنی کا قصیدہ بھی پڑھتے رہتے ہیں۔ مگر درحقیقت یہ لوگ گندے انڈے ہیں۔ یہ گندے انڈے معاشرے کی اعلیٰ روایات کو ختم کر رہے ہیں۔ ایسے لوگوں کو کبھی ان کے الفاظ کے ترازو میں نہیں تولنا چاہیے بلکہ عمل کے آئینے میں ان کی تصویر دیکھنی چاہیے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میڈیا اور عورتوں کی نمائش

''لوگوں کی نگاہوں میں مرغوبات دنیا: عورتیں، بیٹے، سونے چاندی کے ڈھیر، نشان زدہ گھوڑے، چوپائے اور کھیتی کھبادی گئی ہیں۔ یہ دنیوی زندگی کا سروسامان ہیں اور اللہ کے پاس اچھا ٹھکانہ ہے۔ ان سے کہو کیا میں تمہیں ان چیزوں سے بہتر چیز کا پتا بتادوں؟ جو لوگ تقویٰ اختیار کریں گے ان کے لیے ان کے رب کے پاس باغ ہیں، جن میں نہریں جاری ہوں گی۔ ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور اللہ کی خوشنودی ہوگی''۔ (آل عمران 3:14-15)

قرآن کریم کی اس آیت میں مرغوباتِ دنیا کی جو فہرست بیان کی گئی ہے، اس میں سرِ فہرست عورتوں کی محبت کو بیان کیا گیا ہے۔ اس بات کو کسی اور نے سمجھا ہو یا نہیں، میڈیا کے لوگوں نے خوب سمجھا ہے۔

دور جدید میں الیکٹرونک میڈیا ایک غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تعلیم، معلومات اور تفریح کا ایک بہترین ذریعہ ہے۔ خاص طور پر تیسری دنیا کے ممالک میں، جہاں مطالعہ کا زیادہ رجحان نہیں اور شرح خواندگی بھی کم ہے، وہاں الیکٹرونک میڈیا ہی لوگوں کی دلچسپی کا اصل مرکز ہے۔ مگر بدقسمتی سے یہ دور جدید میں عورتوں کی نمائش اور عریانی پھیلانے کا ذریعہ بن کر رہ گیا ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ فلم اور ڈرامہ بنانے والوں کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کی فلم اور ڈرامے کو لوگوں کی بڑی تعداد دیکھے۔ اسی طرح ٹی وی چینل چلانے والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے چینل کے ناظرین اکثریت میں ہوں۔ ایک ناظر کی توجہ حاصل کرنے کا سب سے سہل اور آسان نسخہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت خواتین کو میک اپ اور روشنی کے ذریعے سے خوب تر بنا کر اسکرین پر لایا جائے۔ ان کی نسوانیت اور صنفی کشش کو ابھار کر لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ ان کے ناز و

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

انداز اور غمزہ و ادا کے ذریعے سے لوگوں کو ان کے شوق میں مبتلا کیا جائے۔ ان کے جسم کی نمائش کر کے ویورشپ(Viewership) کو بڑھایا جائے۔ عاشقانہ اور فحش مناظر سے ناظر کی توجہ حاصل کی جائے۔ اور ضرورت پڑے تو فنکارہ کو بے لباس کر کے فن کی ''خدمت'' کرائی جائے۔

الیکٹرونک میڈیا کے اس دور میں اب گھر گھر ٹی وی اور کیبل موجود ہے۔ ہر طرح کی فلمیں بازار میں عام ملتی ہیں۔ ان کو چلانے کے بہترین آلات، وی سی آر، سی ڈی پلیئر اور ڈی وی ڈی پلیئر کی شکل میں انتہائی کم قیمت پر بازار میں دستیاب ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد صبح و شام الیکٹرونک میڈیا سے استفادہ کرتی ہے۔ اور جیسا کہ ہم نے بیان کیا، میڈیا پر دکھائی جانے والی شے اکثر و بیشتر عورت ہی ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک انسان کے اندر سے حیا کے فطری جذبے کو مغلوب کر دیتا ہے۔ انسان کے حیوانی جذبات اس پر غالب آجاتے ہیں۔ آہستہ آہستہ عفت کا احساس ختم ہونے لگتا ہے۔ زنا اور فحاشی انسان کو ایک معمولی عمل لگنے لگتا ہے۔

اس صورتحال کا ایک حل یہ نکالا گیا ہے کہ گھر سے ٹی وی کو نکال دیا جائے۔ یہ بظاہر مکمل حل ہے۔ مگر تجربہ یہ بتاتا ہے کہ یہ حل اکثریت کے لیے ناقابل عمل ہے اور آئندہ آنے والے دنوں میں مزید ناقابل عمل ہو جائے گا کیونکہ دور جدید میں الیکٹرونک میڈیا کو روک دینا کسی طور پر بھی ممکن نہیں رہا ہے۔

اس صورتحال کا حل وہی ہے جو مغربی ممالک میں رہنے والے مسلمانوں میں سے باشعور لوگوں نے اپنے بچوں کے حوالے سے اختیار کیا ہے۔ یعنی فرد کی تربیت کی جائے۔ ایمان و اخلاق کو اس کے رگ وپے میں اتارا جائے۔ اپنی تہذیب، اقدار، روایات اور فطرت میں موجود پاکیزہ جذبات کو ابھارا جائے۔ حیا اور عفت کی اہمیت دل و دماغ میں راسخ کی جائے۔ زنا کے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نقصانات اور اس کی شناعت کو اجاگر کیا جائے۔ نیز نکاح کے فطری تعلق سے، جتنا جلدی ہو سکے، نوجوانوں کو وابستہ کرنے کی تحریک برپا کی جائے۔

ان سب کے ساتھ لوگوں کو اس حوالے سے تعلیم دی جائے کہ اللہ کی جنت تقویٰ کے بغیر نہیں مل سکتی۔ یہ جنت وہ مقام ہے جہاں انسان ہمیشہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے سائے میں زندہ رہے گا۔ دنیا میں جتنی بھی نعمتیں پائی جاتی ہیں وہ جنت میں کہیں زیادہ بہتر بنا کر انسان کو دے دی جائیں گی۔

انسان ذہنی طور پر بہت طاقتور مخلوق ہے۔ جب وہ کسی شے کے بارے میں ایک نقطہ نظر قائم کر لیتا ہے تو بنیادی جبلی جذبات پر بھی قابو پا لیتا ہے۔ اس کا ایک نمونہ رمضان کے روزے ہیں جب لوگ اللہ کے لیے کھانا پینا تک چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ جب انسانوں کی تربیت اس طرح کی جائے گی تو وہ خود کو اور اپنے اہل خانہ کو الیکٹرونک میڈیا کی پھیلائی ہوئی اس آلودگی سے بچانے کے قابل ہو جائیں گے۔

اللہ کے نزدیک محبوب دین اور اعمال

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے جبکہ ایک خاتون ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ آپ نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ حضرت عائشہ نے بتایا کہ یہ فلاں خاتون ہیں اور ان کی نماز (کی کثرت) کا حال بیان کرنے لگیں۔ آپ نے (نصیحتاً) فرمایا: کہ دیکھو! تم اپنے ذمے اسی قدر اعمال رکھو جن کی (ہمیشہ پابندی کی) تمہیں طاقت ہو۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ (اجر دینے سے) نہیں تھکتا تاوقتیکہ تم (عبادت سے) تھک جاؤ، اور.................

''اللہ کے نزدیک سب سے محبوب وہ دین (دینی عمل اور عبادت) ہے جس پر ہمیشہ پابندی سے عمل کیا جا سکے۔'' (صحیح بخاری)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اللہ کا ذکر اور اطمینان قلب

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کو دلوں کے اطمینان کا ذریعہ بتایا ہے(الرعد28:13)۔مگر ہمارے ہاں لوگ عام طور پر یہ شکایت کرتے نظر آتے ہیں کہ اللہ کا ذکر کر کے بھی دل بے چین و مضطرب رہتا ہے۔وہ صبح و شام تسبیحات پڑھتے ہیں،مگر پھر بھی زندگی حزن وملال اور بے چینی وانتشار میں گزرتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس آیت میں اطمینان سے مراد سکون کی وہ کیفیت نہیں ہے جو کسی نشے کو اختیار کرنے کے بعد انسان پر طاری ہو جاتی ہے۔اور جس کے بعد انسان دنیا و مافیہا کے ہر غم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہاں اطمینان سے مراد وہ ذہنی کیفیت ہے جس میں انسان کو یہ یقین ہوتا ہے کہ جس ہستی پر وہ ایمان لایا ہے،جس کو اس نے اپنا رب اور اپنا معبود مانا ہے، وہی درحقیقت خالق و مالک ہے۔ اسی کے ہاتھ میں کل کائنات کی بادشاہی ہے۔اور جس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا،اللہ تعالیٰ اسے کبھی رسوا اور محروم نہیں کرے گا۔

تاہم یہ یقین اللہ کے جس ذکر سے پیدا ہوتا ہے وہ محض تسبیح پر انگلیاں پھیرنے کا عمل نہیں بلکہ اس کی یاد میں جینے کا نام ہے۔یہ محض کچھ اذکار کو زبان سے ادا کرنے کا عمل نہیں،اس کے ذکر سے منہ میں شیرینی گھل جانے کا نام ہے۔یہ اس کے نام کی مالا جپنے کا عمل نہیں، ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کو اپنے ساتھ سمجھنے کی کیفیت کا نام ہے۔یہ اللہ ھو کا ورد کرنے کا عمل نہیں،رب کی محبت اور اس کے ڈر میں زندگی گزارنے کا نام ہے۔اس یاد کی بڑی خوبصورت تعبیر،اگر فیض کے الفاظ مستعار لیں تو کچھ یوں ہے۔

رات یوں دل میں تری بھولی ہوئی یاد آئی
جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے
جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم
جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے

قرآن نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ اطمینان قلب کی وہ کیفیت جس میں انسان کو نہ کوئی خوف

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہوتا ہے اور نہ کوئی اندیشہ، اللہ کے دوستوں کو عطا کی جاتی ہے۔ فرمایا:

''سن لو کہ اللہ کے دوستوں کے لیے کوئی خوف ہے اور نہ کوئی اندیشہ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اللہ سے ڈرتے رہے۔ ان کے لیے خوشخبری ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ یہی بڑی کامیابی ہے''۔ (یونس 10:64-62)

یہاں قرآن یہ بھی بیان کرتا ہے کہ اللہ کے یہ دوست کون ہوتے ہیں؟ یہ کوئی ''بزرگ'' قسم کے لوگ نہیں بلکہ وہ سچے اہل ایمان ہیں جو اپنے ایمان کا ثبوت تقویٰ سے دیتے ہیں۔ یعنی رب کی یاد ان کا احاطہ اس طرح کر لیتی ہے کہ زندگی کے ہر کمزور لمحے میں وہ یہ سوچ کر گناہ سے بچتے ہیں کہ اللہ میرے ساتھ ہے اور مجھے دیکھ رہا ہے۔ یہی لوگ اللہ کے ولی اور اس کے دوست ہیں۔ اور جو اللہ کا دوست ہو وہ کیسے کسی خوف وحزن کا شکار ہوسکتا ہے۔

اس بات کو ایک مثال سے سمجھیں۔ کسی ملک کے صدر یا وزیر اعظم سے جو ملک کا طاقتور ترین شخص ہوتا ہے اگر کسی شخص کی براہِ راست دوستی ہو جائے تو پھر اس ملک کا کوئی سرکاری محکمہ اسے تنگ نہیں کرسکتا۔ کہیں اس کا کام پھنس نہیں سکتا۔ جب ایک فانی انسان کا یہ حال ہے تو جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنا دوست قرار دیدے، ان کے معاملات کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ ایمان وتقویٰ کے ساتھ زندگی گزارتے ہیں اور اللہ انہیں ہر خوف وحزن سے محفوظ رکھتا ہے۔ وہ اللہ کی یاد میں جیتے ہیں اور اللہ ان کے دلوں کو اطمینان سے بھر دیتا ہے۔

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں پر تکالیف بھی آتی ہیں، بلکہ اکثر انہی پر آیا کرتی ہیں تو پھر یہ لوگ کس طرح خوف وحزن سے محفوظ ہوئے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حزن وخوف دل کی ایک کیفیت کا نام ہے۔ جو لوگ اللہ کی یاد میں جیتے ہیں، ان کے اردگرد وقتی طور پر پریشان کن حالات پیدا ہوسکتے ہیں، مگر ان کے قلب پر اطمینان کی وہ کیفیت طاری رہتی ہے جس سے انسان ہمیشہ پرسکون

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رہتا ہے۔اس کا سب سے اچھا نمونہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی سیرت ہے۔آپ کو اپنی زندگی میں متعدد مسائل کا سامنا کرنا پڑا اور ہجرت کے موقع پر تو خون کے پیاسے لوگ آپ کو تلاش کرتے ہوئے غار ثور تک آ پہنچے۔آپ کے ساتھ سوائے حضرت ابو بکرؓ کے اور کوئی نہ تھا۔مگر آپ اس موقع پر ذرہ برابر بھی خوفزدہ نہ ہوئے بلکہ جب حضرت ابو بکرؓ آپ کی طرف سے فکرمند ہوئے تو آپ نے ان کو اس طرح تسلی دی کہ اے ابو بکر! ان دو کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا رفیق خود اللہ ہے،

(ماظنك يا ابا بكر باثنين الله ثالثهما، رواه بخاری، رقم **3453**)۔

ایک بندہ مومن پر جب زندگی کی مشکلات آتی ہیں تو اس کا ایمان اسے بتاتا ہے کہ اللہ چاہے تو باآسانی اسے ان مشکلات سے نکال سکتا ہے۔چنانچہ وہ اپنے رب ہی کو پکارتا اور اسی سے مدد چاہتا ہے۔ جس کے نتیجے کے طور پر اللہ تعالیٰ اسے اس مشکل سے نجات عطا کر دیتے ہیں۔تاہم اسے یہ بھی یقین ہوتا ہے کہ یہ مشکلات ،اگر دور نہیں ہو رہیں تب بھی ، جنت میں اس کے درجات بلند کرنے کا سبب بن رہی ہیں اور آخرت کے دکھوں سے اسے بچا رہی ہیں۔چنانچہ مشکلات و تکالیف بھی اسے یہ اطمینان فراہم کرتی ہیں کہ اس کی تکلیف کا ہر اک لمحہ جنت میں اس کی راحتوں میں اضافہ کا سبب بنے گا۔جو شخص اطمینان کی اس کیفیت میں جیتا ہو،اس کے سکونِ قلب کے کیا کہنے۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے امتحان کی تیاری میں مصروف کوئی قابل طالبعلم رات بھر جاگتا اور نیند کی راحت سے محروم رہتا ہے۔مگر اسے یہ تکلیف اس لیے گوارا ہوتی ہے کہ وہ آنے والے دنوں میں اس کا بہترین نتیجہ دیکھے گا۔یا کوئی کاروباری شخص اپنے کاروبار میں پیسے لگاتا ہے اور مشقت اٹھاتا ہے،اس امید پر کہ آنے والے دنوں میں اسے بھرپور منافع ملے گا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ کی یاد میں بڑا سکون ہے۔مگر اس شخص کے لیے جو ایمان و تقوی کی کیفیات میں جیتا ہو۔نہ اس شخص کے لیے جسے عام حالات میں اللہ یاد رہے نہ آخرت بلکہ اس کی زندگی کا مقصود دنیا کی لذتیں ہوں۔ہاں اسے کبھی تکلیف پہنچ جائے تو اس تکلیف سے نجات پانے کے لیے وہ وظیفے پڑھنا شروع کر دے اور سمجھے کہ یہ اللہ کی یاد ہے جس سے اسے سکون مل جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

چڑھائی

گدھا گاڑی پر اتنا سریہ لدا ہوا تھا جس کا وزن گدھے کے وزن سے کئی گناہ زیادہ تھا۔ گدھا اس بوجھ کو اوپر جاتی ہوئی سڑک پر ڈھوتا ہوا، یہاں تک تو آگیا، مگر اب اس کی ہمت نے جواب دے دیا تھا۔ وہ اپنی جگہ کھڑا ہوگیا۔ گدھے کا مالک اترا اور اسے حرکت میں لانے کے لیے ایک موٹے ڈنڈے سے گدھے کو پیٹنے لگا۔

یہی وہ لمحہ تھا جب میں وہاں پہنچا۔ یہ میرا روز کا راستہ تھا مگر میری مشینی سواری نے مجھے کبھی اس چڑھائی کے بلند ہونے کا احساس نہیں ہونے دیا تھا۔ مگر آج اس چڑھائی پر، گدھے پر لدے بوجھ اور اس کے مالک کی بے رحمی نے مجھے تمام انسانوں کے مالک کی رحمت کا ایک نیا رخ دکھایا۔

خدا چاہتا تو انسانوں پر اتنے بوجھ ڈال دیتا کہ انسان کی زندگی درد و الم کی ایک داستان بن کر رہ جاتی۔ بوجھ ڈالنا تو دور کی بات ہے اس نے انسان کو زمین کا اقتدار دے دیا۔ سواریوں کو اس کے لیے مسخر کیا۔ مویشیوں کو اس کے لیے حلال کیا۔ مادہ کو اس کے تصرف میں دے دیا۔ سبزہ وفضا، پانی و ہوا کو اس کی دسترس میں دے دیا۔ غرض زندگی اور بادشاہت کے سارے اسباب اکٹھے کر دیے۔ البتہ یہ مطالبہ کر دیا کہ بندہ کو اطاعت کی چڑھائی چڑھنی ہوگی۔ کیونکہ اطاعت کی یہ اونچی سڑک ہی جنت کو جاتی ہے۔

مگر یہاں بھی اس کی رحمت دیکھیے کہ شریعت کی صورت میں وہ متوازن طریقہ دیا جو اس چڑھائی کے لیے کسی مشینی سواری سے کم نہیں ہے۔ جس میں دین و دنیا کی کوئی علیحدگی نہیں۔ جس میں کھانے پینے، گھربار، شادی بیاہ، زیب و زینت، سیر و تفریح، کمانے اور خرچ کرنے پر کوئی پابندی نہیں۔ بس شرط یہ ہے کہ ان چیزوں کو مقصودِ زندگی نہ بناؤ۔ اسراف نہ کرو۔ حد سے نہ گزرو۔ اللہ اور بندوں کے حقوق پورے کرتے رہو۔ اور جب تمہارے مالک کے دین کو تمھاری ضرورت ہو تو منہ نہ موڑو۔

مگر کیا کیجیے۔ انسان نے یہ چڑھائی نہ پہلے کبھی چڑھی نہ آج چڑھنے کے لیے تیار ہے۔ ایسے میں گدھے پر ڈنڈا اٹھانے والا یہ بے رحم انسان اگر اطاعت کی چڑھائی مشینی سواری پر بھی چڑھنے کے لیے تیار نہیں تو پھر اسے خدا کے احتساب کے لیے تیار رہنا چاہیے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کیا آپ تیار ہیں؟

''یہ گاڑی کتنی شاندار ہے''۔ ''یہ لڑکی تو بہت خوبصورت ہے''۔ ''اُس کا بنگلہ تو زبردست ہے''۔ ''آج کل یہ فیشن اِن ہے''۔ ''میں تو گرمیوں کی چھٹیاں ملک سے باہر ہی گزارتا ہوں''۔ یہ اور ان جیسے جملوں کے درمیان آج کے انسان کی زندگی گزر رہی ہے۔ یہ جملے بتاتے ہیں کہ آج کے انسان نے اپنے لیے جینے کی وہ سطح متعین کرلی ہے جو جانوروں کی سطح ہے۔

جانور اپنی پوری زندگی خواہشات کے پیچھے گزارتے ہیں۔ مگر ان کے لیے یہ کوئی عیب کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عقل کی نعمت نہیں دی ہے۔ وہ صرف بھوک اور جنس کی بنیادی جبلت کے تحت ہی اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انہیں اس دنیا میں جینا ہے اور یہیں ختم ہوجانا ہے۔

اس کے برعکس انسان ایک ہمیشہ رہنے والی مخلوق ہے۔ اس کی تخلیق کا مقصد یہ ہے کہ انسان ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے۔ وہ اللہ کی عبادت کرے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو ایسی نعمتیں عطا کریں گے جو اس کی آنکھیں ٹھنڈی کردیں گی۔ اس جنت میں جانے سے قبل یہ ضروری ہے کہ انسان اس دنیا میں رہ کر خدا کی معرفت حاصل کرلے۔ اس دنیا میں خدا مادی آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ ایسے میں انسان کا مشن پردۂ غیب میں چھپے رب کو پانے اور اس کی عظمت کے سامنے جھک جانے کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لیے انسان کو عقل دی ہے۔ غور و فکر کی صلاحیت دی ہے۔ دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان دیے ہیں۔ یہ سب اس لیے دیے گئے ہیں کہ انسان چاند و سورج کی روشنی میں خدا کے نور کو دیکھے۔ سبزے کی ہریالی میں خدا کی ربوبیت کا اندازہ کرے۔ آسمان کی بلندی میں اس کی عظمت کو پہچانے۔ ستاروں کی چمک میں وہ اس کی قدرت کے جلوے دیکھے۔ ساون کی برسات میں رب کی رحمت کو دیکھے۔ وہ کائنات میں پھیلی نشانیوں کو دیکھے اور رو رو کر اپنے رب کو پکارے۔ اس کی جنت کا طلبگار رہے اور اس کے عذاب سے پناہ مانگے۔

مگر انسان کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ اپنی عقل اور بصیرت کو خواہش کے اندھے کنویں میں پھینک دیتا ہے۔ پیٹ، جنس اور انا کے بتوں کو معبود بنا کر ساری زندگی ان کے پیچھے دوڑتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ موت آجاتی ہے۔ ابدی زندگی شروع ہوجاتی ہے۔ مگر اب اس کے پاس سوائے ندامت کے کچھ نہیں رہتا۔

یہ وقت بہت لوگوں پر آچکا ہے۔ آپ پر آنے والا ہے۔ سو کیا آپ خود کو بدلنے کے لیے تیار ہیں؟ آپ اپنی عقل و بصیرت کو تسکینِ خواہش کے بجائے معرفتِ رب کا مشن دینے کے لیے تیار ہیں؟

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مچھر اور انسان

انسانوں کو اذیت دینے والے حشرات میں مچھر کا نام بہت نمایاں ہے۔ یہ نہ صرف انسانوں کا خون چوستے ہیں بلکہ اس عمل میں انسانوں کو ایک غیر معمولی تکلیف بھی پہنچاتے ہیں۔ خون چوسنے اور تکلیف پہنچانے کے علاوہ مچھر بعض جان لیوا بیماریوں کا سبب بھی بن جاتے ہیں۔ جیسے ملیریا، زرد بخار اور ڈینگی کی بیماریاں وغیرہ۔

ہمارے ملک پاکستان میں جہاں عوامی مسائل کو حل کرنا، صاحب اقتدار لوگوں کی ترجیحات میں شامل نہیں ہے، ایک عام آدمی کے پاس صرف یہی راستہ بچتا ہے کہ وہ مضرِ صحت دھواں اور بو پیدا کرنے والی پروڈکٹس سے مچھروں کو گھر سے بھگانے کی کوشش کرے۔ یہ کوشش اکثر ناکام ہی جاتی ہے اور مچھر بلا خوف و خطر رات بھر انسانوں کو کاٹتے رہتے ہیں۔

مچھر انسانوں کو سوتے ہوئے ہی نہیں، جاگتے ہوئے بھی کاٹ لیتے ہیں۔ مچھر یہ کام اتنی آہستگی سے کرتے ہیں کہ انسان کو اس وقت اس واردات کا پتہ چلتا ہے جب مچھر، دانے اور جلن کی نشانی پیچھے چھوڑ کر اڑ چکا ہوتا ہے۔ ان میں اس قدر پھرتی ہوتی ہے کہ آدمی اگر ہاتھ مار کر انہیں مارنے کی کوشش کرے تو وہ پلک جھپکنے میں اس حملے کی پہنچ سے دور نکل جاتے ہیں۔ تاہم کوئی مچھر اگر خون پی پی کر بہت موٹا ہو جائے یا خون چوسنے کے عمل میں بالکل غافل ہو جائے تو انسان کا تیز رفتار حملہ اسے کچل کر رکھ دیتا ہے۔ خون چوسنے میں حد سے زیادہ انہماک اور غفلت جس طرح مچھر کی موت کا سبب بن جایا کرتا ہے اسی طرح دنیا کمانے میں حد سے زیادہ انہماک اور غفلت انسان کی بربادی کا سبب بن جاتا ہے۔

اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی آزمائش کے لیے بنایا ہے۔ اسبابِ دنیا اس کی زندگی کی بقا کے لیے ضروری ہے۔ لیکن جب انسان آخرت کو بھول کر دنیا کے حصول کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے تو پھر غفلت کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اسباب زندگی کا ایک حد سے زیادہ انسان کے پاس اکٹھا ہو جانا اسے شیطان کے لیے تر نوالہ بنا دیتا ہے۔ رزق حرام، لالچ، تکبر، بخل، اسراف اور ان جیسے ان گنت ہتھیار شیطان اپنے ہاتھوں میں لیے انسان کا شکار کرنے کو بیٹھا ہے۔ دنیا کو مقصود بنا لینے والا غافل انسان شیطان کا سب سے آسان ہدف ہوتا ہے۔ اور مچھر جیسا یہ غافل انسان شیطان کے پہلے حملے ہی میں اپنی آخرت گنوا بیٹھتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

Idiot Box

آج کل یہ بات عام طور پر کہی جارہی ہے کہ ٹیلیوژن کے آنے کے بعد کتاب اور قلم کا زمانہ ختم ہو گیا ہے۔اس کا سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ عصر حاضر میں الیکٹرونک میڈیا کے عام ہونے کے بعد مطالعے کا رواج بہت کم ہو گیا ہے۔یہ بات ہماری سوسائٹی کے اعتبار سے ٹھیک ہے مگر اہل مغرب کے ہاں آج بھی کتاب علم سیکھنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ان کے ہاں الیکٹرونک میڈیا خبر، کھیل اور تفریح (Infotainment) کے معاملے میں تو یقیناً بہت زیادہ موثر ہو گیا ہے مگر علم کی دنیا میں آج بھی کتاب و قلم کی حکمرانی ہے۔ان کے ہاں ٹیلیوژن کو Idiot Box کہا جاتا ہے۔اس یقین کی بنا پر کہ بہت زیادہ ٹیلیوژن دیکھنا انسان کی ذہنی سطح کو کم تر کر دیتا ہے۔

Watching too much television causes stupidity

یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔کیونکہ ٹیلیوژن دیکھنے کے عمل میں انسان اپنی عقل کو، جو اس کا اصل شرف ہے، بہت کم استعمال کرتا ہے۔جبکہ مطالعہ کرنا ایک بھرپور ذہنی ورزش ہے جس میں انسان کی علمی و عقلی صلاحیتیں بے پناہ بڑھ جاتی ہیں۔

ٹیلیوژن دیکھنے والے شخص کے مقابلے میں کتاب پڑھنے والا شخص اپنے ذہن کا بہت زیادہ استعمال کرتا ہے۔جب وہ الفاظ پڑھتا ہے تو ان کے معنی سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔اگر بات سمجھ میں نہ آئے تو دو تین دفعہ رک کر دیکھتا ہے۔اپنے تخیل کو استعمال کر کے وہ ان کو تصورات میں تبدیل کرتا ہے۔ان کا تجزیہ کرتا ہے۔الفاظ نئے ہوں تو ڈکشنری سے ان کے معنی دریافت کرتا ہے۔اس طرح نہ صرف اس کا علم بڑھتا ہے بلکہ اس کی تخیلاتی طاقت (Imagination Power) اس عمل سے مضبوط ہوتی ہے۔اس کی تجزیہ (Analysis) کرنے کی صلاحیت بڑھتی ہے۔چیزوں کو سمجھنے اور اخذ کرنے کی استعداد میں بے پناہ اضافہ ہو جاتا ہے۔

جبکہ مطالعہ نہ کرنے اور صرف ٹیلیوژن پر انحصار کرنے والا کبھی اس عمل سے نہیں گزرتا۔وہ اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

Idiot Box پر ہر چیز اپنے سامنے مجسم دیکھتا ہے۔ ہر پیغام اور ہر واقعہ آواز، تصویر، رنگ اور روشنی کی مدد سے اس طرح اس کے سامنے برہنہ ہو کر آ جاتی ہے کہ عقل کا استعمال کرنے کی ضرورت بہت کم ہو جاتی ہے۔ آہستہ آہستہ اس کی ذہنی صلاحیت کو زنگ لگنا شروع ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار وہ اتنی کم زور ہو جاتی ہے کہ اور وہ حق و باطل اور صحیح و غلط کے درمیان فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتا ہے۔ اس کی زندگی بس سنی سنائی باتوں میں گزرنے لگتی ہے۔

یہ ہماری قوم کی بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں مطالعے کی روایت جو پہلے ہی بہت کمزور تھی اب کم و بیش ختم ہوتی جا رہی ہے۔ لوگ اول تو اپنی معاشی اور معاشرتی مصروفیات ہی سے وقت نہیں نکال پاتے۔ اور جو وقت انہیں ملتا بھی ہے وہ ٹیلیوژن کے چینل بدلتے ہوئے گزر جاتا ہے۔ لوگ بڑے فخر سے بتاتے ہیں کہ ان کے پاس مطالعے کا وقت نہیں ہے یا پھر مطالعہ کرنا انہیں بہت مشکل لگتا ہے۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص بڑے فخر سے بتائے کہ وہ ورزش نہیں کرتا۔ ایسے شخص کا جسم بے ڈول اور دل کمزور ہو جاتا ہے۔ اسی طرح مطالعہ نہ کرنے والے اور کیبل کے چینل بدلتے رہنے والے افراد ذہنی طور پر اسمارٹ نہیں رہتے۔ ذہنی طور پر پسماندہ ہو جاتے ہیں۔ ذہنی پسماندگی کی اس سے بڑی نشانی کیا ہو سکتی ہے کہ لوگ خود اپنی جہالت کو فخر یہ طور پر بیان کرنے لگیں۔

اجتماعی طور پر جس قوم کے افراد میں مطالعہ کی عادت ختم ہو جائے وہاں علم کی روایت کمزور ہو جاتی ہے۔ علم کی مضبوط روایت کے بغیر دنیا کی کوئی قوم ترقی نہیں کر سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ ہماری قوم اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود دنیا میں بہت پیچھے ہے۔

ہمارے ہاں بدقسمتی سے ٹیلیوژن کے سامنے کتاب کو شکست ہو رہی ہے۔ یہ شکست زندگی کے ہر میدان میں ہماری شکست کا سبب بن سکتی ہے۔ یہ نوشتہ دیوار Writing of Wall ہے۔ مگر کیا کیجیے اسے پڑھنے کے لیے بھی مطالعے کی عادت ہونی چاہیے جو بدقسمتی سے ہم میں نہیں۔

ایسے میں ہر باشعور شخص کی ذمہ داری ہے کہ وہ مطالعے کی عادت کو فروغ دینے کے لیے کوشش کرے۔ آج اس سے بڑی کوئی قومی خدمت ممکن نہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آرنلڈشیوازنگر کا سبق

آرنلڈ شوازنگر کا شمار ہالی وڈ کے مقبول ترین فنکاروں میں ہوتا ہے۔ آسٹریا سے تعلق رکھنے والے آرنلڈ 30 جولائی 1947 میں پیدا ہوئے۔ عملی زندگی کا آغاز ایک باڈی بلڈر کے طور پر کیا اور کئی بین الاقوامی اعزازات حاصل کیے۔ 1968 میں وہ امریکہ آئے۔ باڈی بلدنگ کے ساتھ انہوں نے فلموں میں آنے کی تگ و دو شروع کر دی۔ 1970 میں انہیں ایک فلم Hercules in New York میں کام کرنے کا موقع ملا۔ تاہم ان اصل شہرت 1984 میں منظر عام پر آنے والی فلم The Terminator کے ذریعے سے ہوئی۔ پھر اس میدان میں انہوں نے کبھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

فلمی دنیا میں کامیابی کے جھنڈے گاڑنے کے بعد انہوں نے سیاست کے میدان میں قدم رکھا۔ یہاں بھی تقدیر ان پر مہربان رہی اور فلم کا ہیرو سیاست کے میدان میں بھی ہیرو بن گیا۔ اکتوبر 2003 میں امریکہ کی ریاست کیلیفورنیا کی گورنری کا تاج ان کے سر سج گیا۔ اس وقت وہ کیلیفورنیا کے گورنر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور 2007 میں ہونے والے انتخابات میں بھی اس عہدے کے لیے میدان میں آنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

حال ہی میں آرنلڈ کے حوالے سے یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ آرنلڈ نے موٹر سائیکل کا لائسنس بنوانے کا ارادہ کیا۔ وہ آخر کار اس مقصد میں کامیاب ہو گئے مگر اس کے لیے انہیں چھ مہینے تک مختلف عملی اور تحریری امتحانات سے گزرنا پڑا۔

اہل پاکستان کے لیے یقیناً یہ ایک انتہائی عجیب و غریب خبر ہے۔ اس لیے کہ ہمارے ملک میں کسی گورنر کو اول تو کسی قسم کے لائسنس کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر ضرورت پیش آ جائے تو امتحان سے گزرنا تو دور کی بات ہے، متعلقہ ڈپارٹمنٹ کا اعلیٰ ترین افسر اس کی خدمت میں پیش ہو کر لائسنس اس کے قدموں میں رکھ دے گا۔ معاملہ صرف لائسنس بنوانے تک ہی محدود نہیں، زندگی کا کوئی بھی شعبہ ہو، حکمران طبقے کے لیے ہمارے ملک میں کوئی قانون نہیں ہوتا۔ ان کے لیے ہر جگہ ہر قانون

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

معطل کر دیا جاتا ہے۔ تاہم معاملہ اتنا سادہ نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں حکمرانوں نے اپنے لیے یہ انداز پسند کرلیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں قانون کی حکمرانی Rule of Law کو کبھی ایک معاشرتی قدر کے طور پر پیش ہی نہیں کیا گیا۔ یہی سبب ہے کہ بظاہر لوگ اس طرح کے واقعات پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں مگر جیسے ہی انہیں موقع ملتا ہے وہ خود بھی اسی طرح قانون کو پامال کرتے ہیں۔ آپ دیکھ لیجیے کہ عوام کی خدمت کا نعرہ لگانے والے لوگوں سے لے کر اسلام کے نام پر منتخب ہونے والے لوگ جب اقتدار میں آتے ہیں تو ان کے لیے اسی طرح قانون معطل ہو جاتا ہے جس طرح ایک فوجی حکمران کے لیے ہو جاتا ہے۔

یہی معاملہ عوام الناس کا ہے۔ انفرادی طور جب بھی اور جتنا بھی انہیں اختیار ملتا ہے وہ یہی پسند کرتے ہیں کہ انہیں قانون کی پاسداری نہ کرنی پڑے۔ چونکہ حکمران قانون نافذ کرنے والے اداروں پر اختیار رکھتے ہیں اس لیے ان کے لیے بڑا آسان ہوتا ہے کہ وہ قانون کو جب چاہیں اپنے لیے معطل کر دیں۔ عوام کو یہ اختیار کم کم ملتا ہے مگر جب بھی ملتا ہے ان کا رویہ حکمرانوں سے قطعاً مختلف نہیں ہوتا۔ یہی وہ رویہ ہے جسے ہم قانون کی حکمرانی کا ایک قدر کے طور پر نہ ہونے سے تعبیر کر رہے ہیں۔

دنیا میں کوئی قوم قانون کی پاسداری کے بغیر ترقی نہیں کرسکتی۔ قانون کی حکمرانی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب فیصلہ فرد کی حیثیت کے بنیاد پر نہیں ہوگا بلکہ اصول اور ضابطہ پر ہوگا۔ قانون کی حکمرانی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اب کمزور بھی طاقتور کے برابر کا مقام رکھتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جو معاشرے میں فساد کو پھیلنے سے روکتی ہے۔ اس لیے کہ فساد اصل میں طاقتور لوگ پھیلاتے ہیں۔ قانون کی حکمرانی ان کی طاقت کو محدود کر دیتی ہے۔

زندہ قومیں جس قدر کو معاشرے میں سب سے پہلے عام کرتی ہیں وہ یہی رول آف لا ہے۔ ہمیں اگر اپنے ملک میں سے ظلم اور ناانصافی کو ختم کرنا ہے تو اس کے لیے رول آف لا کو سب سے بڑا مقام دینا ہوگا۔ اس کے بغیر امن اور انصاف کا خواب کبھی بھی شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نظام اور شعور

امریکہ یورپ اور دیگر ترقی یافتہ ممالک میں لائن بنانا روزمرہ زندگی کا ایک لازمی حصہ ہے۔ وہاں لوگ بس کا انتظار کر رہے ہوں، کھانے پینے کی اشیاء خرید رہے ہوں یا عام ضرورت کی کسی اور شے کو استعمال کر رہے ہوں، جہاں چند آدمی اکٹھے ہوتے ہیں لائن بنا لیتے ہیں۔

ہمارے جیسے ترقی پذیر ممالک کے شہری جب مغربی ممالک میں جاتے ہیں تو ان لوگوں کی قطار پسندی سے بے حد متاثر ہوتے ہیں۔ وہ ان کے نظام کی تعریف کیے بغیر نہیں رہ پاتے۔ تاہم مسلمانوں کے پاس اس ڈسپلن کا ایک زیادہ متاثر کن نمونہ دنیا کو دکھانے کے لیے موجود ہے۔ دن میں پانچ دفعہ مسلمان تکبیر شروع ہونے کے بعد چند لمحوں میں، ایک بے ترتیب گروہ سے صف در صف منظّم اجتماع میں بدل جاتے ہیں۔ ایک امام کی پکار پر وہ انتہائی منظّم طریقے سے نماز ادا کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ایک قابل دید نظارہ ہوتا ہے۔ یہ کسی عام نماز کا ذکر نہیں جس میں چند مسلمان شریک ہوں، جمعہ میں سیکڑوں، عید پر ہزاروں اور حرم میں لاکھوں کے اجتماع میں بھی اس سے کچھ زیادہ مختلف منظر نہیں ہوتا۔ مگر عجیب بات ہے کہ یہی مسلمان جب مسجد سے نکلتے ہیں تو قدم قدم پر اپنے عمل سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ گویا لائن بنا کر کھڑا ہونا ایک جرم ہے۔ کسی تقریب میں کھانا شروع ہوتے وقت ہلڑ بازی اور رش کے اوقات میں بسوں میں چڑھتے وقت کی دھکم پیل ہماری ثقافتی اقدار بن چکی ہیں۔ جن جگہوں پر مجبوراً لائن بنانا پڑتی ہے وہاں بھی لوگ لائن سے باہر ہی کھڑے ہو کر اپنی باری کا انتظار کرتے ہیں تاکہ دامن تہمتِ قطار سے آلودہ نہ ہو۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان جن کے پاس نماز جیسا اعلیٰ تربیتی نظام موجود ہے، ایسا طرزِ عمل کیوں اختیار کرتے ہیں، جبکہ اہلِ مغرب جو اقامت صلوٰۃ کے تصور سے بھی واقف نہیں ہیں، اس درجے ڈسپلن کیسے قائم کر لیتے ہیں؟ جن لوگوں نے مغرب کا سفر کیا ہے اور وہ پاکستانی جو مغرب

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں مقیم ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ ان کے نظام کی خوبی ہے، مگر میں اس تجزیئے سے اتفاق نہیں کر سکا۔ میں نے مغرب میں اپنے قیام کے دوران میں ایسا کوئی نظام نہیں دیکھا جو لوگوں کو لائن بنانے پر مجبور کرتا ہو۔ یہ دراصل ان کے شعور کی پختگی ہے جو انہیں بتاتی ہے کہ لائن بنانے میں سب کا فائدہ ہے۔ لائن نہیں بنے گی تو سب کو تکلیف ہوگی۔ خاص طور پر ضعیف، بزرگ، معذور، عورتیں اور بچے محروم رہ جائیں گے۔ چنانچہ وہ اپنے اس شعور کی وجہ سے لائن بناتے ہیں نہ کہ کسی نظام کی وجہ سے۔ دوسری طرف مسلمان نماز جیسی اعلیٰ تربیتی عبادت بھی بے شعوری کے عالم میں ادا کرتے ہیں۔ اس لیے وہ اس سے بھی کوئی سبق نہیں سیکھ پاتے۔ دورانِ نماز میں آخری درجے کا ڈسپلن قائم کرنے والے نماز سے باہر ابتدائی درجے کا بھی ڈسپلن قائم نہیں کر پاتے۔

اصل میں یہ عمدہ نظام نہیں ہوتا جو اعلیٰ شعور دیتا ہے، یہ اعلیٰ شعور ہوتا ہے جو عمدہ نظام دیتا ہے۔ اور وقت اور حالات کے اعتبار سے یہ نظام اپنی شکلیں بدلتا رہتا ہے۔ مغرب کی کامیاب زندگی میں اس بات کا بڑا عمدہ سبق ہے۔ اس بات کو ایک اور مثال سے سمجھیں۔ امریکہ کینیڈا کے بڑے شہروں میں پبلک ٹرانسپورٹ، بس اور زمین دوز ریلوے پر مشتمل ہوتا ہے، جسے ''سب وے'' کہتے ہیں۔ یہ لوگ بس میں ہمیشہ لائن بنا کر چڑھتے ہیں البتہ سب وے میں کبھی لائن نہیں بنائی جاتی۔ کیونکہ وہاں ٹرین چند لمحے کے لیے رکتی ہے۔ اگر لائن بنائی جائے گی تو اکثر لوگ ٹرین میں سوار ہونے سے رہ جائیں گے۔ لہٰذا وہاں کا اصول یہ ہے کہ سب وے پر لوگ بکھر کر کھڑے ہوتے ہیں۔ ٹرین آنے پر پہلے اترنے والوں کو اترنے دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد لوگ تیزی سے اپنے سامنے کھڑی بوگی کے خالی دروازے سے اندر داخل ہو جاتے ہیں۔

اپنے نتائج واثرات کے اعتبار سے یہ انتہائی غیر معمولی بات ہے۔ اس بات کو سمجھنے کی بڑی اہمیت ہے کہ نظام سے لوگ باشعور نہیں ہوتے، شعور سے نظام تشکیل پاتا ہے، اسی سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایسا نہ ہو کہ......

یہ پرانے زمانے کا کوئی وحشیانہ سماج نہیں پاکستان میں مسلمانوں کا سماج ہے جہاں ایک پولیو زدہ پیروں سے معذور عورت کو اغوا کیا جاتا ہے۔ دس دن تک اس کو قید میں رکھ کر اجتماعی آبرو ریزی کی جاتی ہے اور پھر سڑک پر پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ کوئی غیر مسلم ملک نہیں مملکت خداداد پاکستان ہے جہاں نسائیت کی منزل سے بہت دور ایک معصوم بچی کو اغوا کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ زیادتی کی جاتی ہے اور پھر قتل کر کے گندے نالے میں پھینک دیا جاتا ہے۔

ایک حساس دل شخص یہ سب کچھ پڑھ کر اور سن کر تڑپ اٹھتا ہے۔ وہ ایسے مجرموں کی سر عام پھانسی کا مطالبہ کر کے دل کو مطمئن کرتا ہے۔ مگر لوگ یہ نہیں سوچتے کہ معاشرے کے دامن پر لگے یہ داغ اس گندگی سے پیدا ہو رہے ہیں جو میڈیا فحاشی اور عریانی کی شکل میں معاشرے میں پھیلا رہا ہے۔ آج کے ڈرامے اور فلمیں اپنے اندر سوائے شہوانیت اور تشدد کے انسان کو اور کوئی ذوق نہیں دیتے۔ یہ ذوق کچھ لوگوں کے ذہنوں تک محدود رہتا ہے۔ کچھ کی نگاہوں تک اور کچھ بدنصیب لوگوں میں یہ ایک ایسی وحشت میں تبدیل ہوتا ہے جہاں انسان، انسان نہیں رہتا، درندہ بن جاتا ہے۔

یہ درندگی بڑھتی رہے گی جب تک ہم اپنے اپنے بیڈ روم میں بیٹھ کر ٹی وی کے چینل بدلتے رہیں گے۔ تفریح کے نام پر گندگی سے خود کو آلودہ کرتے رہیں گے۔ ہم اخباروں میں ایسی خبریں پڑھ کر کانوں کو ہاتھ لگائیں گے اور ذہن کے تاریک گوشوں اور نظر کی بے حجاب گلیوں میں لذتِ نفس کی دکان سجاتے رہیں گے۔

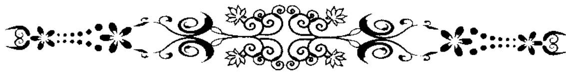
ہم معاشرے میں پھیلے ہوئے گند کو صاف نہیں کر سکتے۔ مگر اپنے آپ کو اس گند سے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ضرور بچا سکتے ہیں۔ہم معاشرے سے ایسے درندوں کا خاتمہ نہیں کر سکتے،مگر اپنے اندر موجود وحشی کو لگام ضرور دے سکتے ہیں۔

آیئے !اپنے جذبات کا رخ دائرہ احتجاج سے نکال کر دائرہ عمل کی طرف موڑتے ہیں۔جو ممکن نہیں اسے چھوڑ کر، اُس کی کوشش کرتے ہیں جو عین ممکن ہے۔اس لیے کہ عنقریب ہمارا واسطہ ایک ایسی ہستی سے پڑنے والا ہے جو نگاہوں کی خیانتوں کو بھی جانتی ہے اور سینوں میں چھپے خیالات کو بھی۔ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے اندر کے وحشی کو وہی سزا دے ڈالے، جو ہم دوسروں کو دینا چاہتے ہیں۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ، لَااِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ، خَلَقْتَنِیْ وَ اَنَا عَبْدُكَ وَ اَنَا عَلٰی عَھْدِكَ وَ وَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ، اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، اَبُوْءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَیَّ وَ اَبُوْءُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ، اِنَّهٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

''اے اللہ،تو میرا پرودگار ہے؛ تیرے سوا کوئی الہ نہیں؛ تو نے مجھے پیدا کیا ہے اور میں تیرا بندہ ہوں اور اپنی استطاعت کے مطابق تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں؛ میں اپنے اعمال کی برائی سے تیری پناہ مانگتا ہوں؛ اپنے اوپر تیری نعمتوں کا اعتراف اور اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں ؛تو مجھے بخش دے، اِس لیے کہ تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف نہیں کرتا۔''،(بخاری،رقم:6306)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دل کا قبرستان

ساون کی رت آئی اور آسمان نے بادلوں کی رداا وڑھ لی۔ ہوا کی خنکی نے پیاسی زمین کو پیام زندگی بھیجا اور ابر رحمت نے برسنا شروع کر دیا۔ تپتی ہوئی دھرتی کا آنچل تر ہو گیا۔ نرم زمین کا سینہ شق کر کے کونپلیں پھوٹنے لگیں۔ پھر یہ مٹیالا آنچل سبز ہو گیا۔ مردہ زمین زندہ ہو گئی۔

وہ کہتا ہے کہ میں ایسے ہی ایک روز ہر مردہ کو زندہ کر دوں گا۔ پھر ہر نفس کے ایک ایک لمحہ زندگی کا حساب کروں گا۔ وہ غلط نہیں کہتا۔ جو مردہ زمین کو زندہ کر سکتا ہے، وہ مردہ انسانوں کو بھی اٹھا سکتا ہے۔ جو بارش کے ہر قطرہ اور درخت کے ہر پتے کو گن سکتا ہے، وہ زندگی کے ہر لمحہ کا حساب بھی کر سکتا ہے۔

بندے نے سرسبز زمین کو دیکھا، نظر اٹھائی اور کہا، ''تجھے معلوم ہے کہ مردے صرف زمین ہی میں دفن نہیں ہوتے۔ ایک قبرستان اور بھی ہوتا ہے۔ یہ خواہشوں کا قبرستان ہے جو بندۂ مومن کے سینے میں جنم لیتا ہے۔ اس قبرستان میں کتنی امنگیں، کتنی خواہشیں، کتنے خواب اور کتنی رنگینیاں صرف تیرے لیے دفن کی جاتی ہیں۔ کیا تو اُس دن اِن کو بھی زندہ کرے گا؟''

''تمھارے سینے کی ہر خلش کو ہم کھینچ لیں گے'' (الاعراف 43:7)۔ آسمان کی جگہ قرآن نے جواب دیا۔ کیونکہ اب قیامت تک قرآن ہی نے بولنا ہے۔ شیطان نے دیکھا کہ بات بن رہی ہے تو وہ بات بگاڑنے آ گیا۔ سوالات کا ایک انبار اس کے سامنے رکھ دیا۔ بندہ پھر بندہ ہے۔ سوالات کے طوفان میں اس کی کشتی ڈولنے لگی۔ وہ سوچنے لگا کہ اس کی جنت خدا بنائے گا۔ بہت خوب بنائے گا، مگر اپنی خواہش اور اپنی مرضی سے بنائے گا۔ تو پھر میری مرضی اور میری خواہش کا کیا ہو گا۔ دیر تک جواب نہ ملا تو خاموشی سے سر جھکا کر آگے بڑھ گیا۔

> ''مگر اسی لمحے ایک جھونکا آیا اور اپنے نرم لمس میں یہ پیغام چھوڑ گیا۔ جنت ہماری ہوگی، مگر مرضی تمھاری ہوگی۔ ہمیں اپنے بندوں کو نہ کہنے کی عادت نہیں۔ اور ہماری راہ میں کسی اگر اور مگر کی دیوار بھی نہیں آسکتی۔ وہاں جو تمھارا جی چاہے گا، ملے گا اور جو مانگو گے، پاؤ گے''۔(29:89,32:41)۔

بندے نے سنا اور دل کے قبرستان میں مزید قبریں بنانے کا حوصلہ پیدا ہو گیا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بچہ اور ماں

موٹر سائیکل ایک بڑی خطرناک سواری ہے۔ یہ گاڑی کی طرح تیز رفتار ہوتی ہے مگر صرف دو پہیوں کی بنا پر اس کا توازن برقرار رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ موٹر سائیکل چلانے والے سے زیادہ اس کے پیچھے بیٹھی خواتین خطرے کی زد میں ہوتی ہیں۔ کیونکہ وہ موٹر سائیکل پر ایک طرف رخ کر کے بیٹھتی ہیں اور ہیلمٹ بھی نہیں پہنتیں۔ بعض اوقات خاتون کی گود میں کوئی شیر خوار بچہ بھی ہوتا ہے۔ خاتون ایک ہاتھ سے خود کو اور دوسرے ہاتھ سے اپنے معصوم بچے کو سنبھالتی ہے۔

سڑک پر جاتے ہوئے مجھے یہ منظر ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ ان تینوں میں سب سے زیادہ غیر محفوظ یہی بچہ ہوتا ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ یہی غیر محفوظ بچہ سب سے زیادہ بے فکر بھی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس کے باپ نے موٹر سائیکل کا اور اس کی ماں نے اس کا سارا بوجھ اپنے اوپر لے کر اسے ہر فکر سے آزاد کر رکھا ہوتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ جب یہ بچہ بڑا ہوگا تو اسے اپنے ماں باپ کی مہربانیوں کا احساس ہوگا اور وہ اپنی بساط کی حد تک ان کے احسانات کا جواب دینے کی کوشش کرے گا۔

اس منظر کو دیکھ کر ساتھ ہی مجھے یہ خیال بھی آتا ہے کہ تمام انسان ایک دوسری سواری پر بھی سوار ہیں۔ یہ زمین ہے جو بغیر پہیوں کے خلا میں معلق ہے اور موٹر سائیکل کی رفتار سے ہزاروں گنا زیادہ تیزی سے حرکت کر رہی ہے۔ مگر ایک تھامنے والا اس پر سوار انسانوں کو تھامے ہوئے ہے۔ لاکھوں برس سے یہ سواری اس طرح ہموار چلی جا رہی ہے کہ وہ نہ سواریوں کو جھٹکے دیتا اور نہ انہیں گرنے ہی دیتا ہے۔

مگر یہ انسان جو اخلاقی حس رکھتا ہے، ماں باپ کا حق پہچانتا ہے، اُس مہربان کی دیگر تمام نعمتوں کی طرح اِس نعمت سے بھی منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ زمین کی اس سواری کو اپنا حق سمجھتا ہے۔ اسے یہ کوئی احسان محسوس نہیں ہوتا۔ اسے بتا بھی دیا جائے کہ وہ ستر ماؤں سے بڑھ کر تمھیں چاہتا ہے۔ اس لیے تم پر لازم ہے کہ تم بھی ماں سے ستر گناہ زیادہ اس سے محبت کرو۔ اس کا شکر کرو۔ مگر انسان اس کے لیے صبح و شام شکریے کے دو لفظ کہنا گوارا نہیں کرتا۔ حالانکہ اس کا شکر یہ تو جان دے کر بھی ادا نہیں ہو سکتا۔

کتنا عجیب ہے وہ مہربان اور کتنا عجیب ہے یہ انسان۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اصل خبر

یہ حادثے کے شکار ایک ہوائی جہاز کی تصویر تھی۔طیارے کا ملبہ اور ہلاک شدگان کی لاشیں جائے حادثہ پر بکھری پڑیں تھیں۔آگ بجھانیوالا عملہ شاید کچھ جلدی آ گیا تھا۔اس لیے ان لاشوں کے جھلسنے کی نوبت نہیں آئی تھی۔لیکن آگ بجھنے سے قبل ان کے لباس کے علاوہ سر کے بال اور اور جسم کی کھال کو بھی چٹ کر چکی تھی۔

یہ ایک بہت بھیانک تصویر تھی۔مگر اس تصویر میں ایک یاددہانی بھی تھی۔یہ یاددہانی جہنم کی اُس آگ کی تھی جو اللہ تعالیٰ نے مجرموں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔سورہ معارج میں ہے کہ یہ وہ آگ ہے جس کی لپٹ ہی چمڑی ادھیڑ ڈالے گی۔وہ پکار پکار کر ان لوگوں کو بلائے گی جو حق کو نظر انداز کرتے اور مال کو جمع کرتے ہوں گے۔

عام طور پر جہاز میں آسودہ حال لوگ سفر کرتے ہیں۔عام لوگوں کے لیے مالداروں کے طبقے میں شامل ہونا زندگی کی سب سے بڑی خواہش ہوتی ہے۔چنانچہ وہ حلال وحرام کی پرواہ کیے بغیر مال جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ مال اور اس سے ملنے والی راحتیں اور آسانیاں ان کی کھال کو موٹا کرنا شروع کر دیتی ہیں۔وہ بے حس ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔انہیں خدا یاد رہتا ہے اور نہ روز قیامت۔وہ ان سے بے نیاز ظلم وعدوان کی زندگی گزارتے رہتے ہیں۔یہاں تک کہ زندگی کا جہاز ایک روز اچانک بغیر کسی اطلاع کے زمیں بوس ہو جاتا ہے۔

پھر انسان رہ جاتا ہے اور وہ آگ جس کی پسندیدہ غذا یہ موٹی کھال ہوتی ہے۔اور آج تو سائنس نے یہ بتا دیا ہے کہ آگ کی جلن کا سارا عذاب صرف یہ کھال محسوس کرتی ہے۔اسی لیے جب جب یہ کھال جھلس جائے گی اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ پیدا کر دیں گے۔(النساء 4 : 56)

قرآن نازل ہی اس لیے ہوا تھا کہ حرام کھا کر مال اکٹھا اور کھال کو موٹا کرنے والوں کو اس آگ کی خبر دیدے۔جب لوگ قرآن نہیں پڑھتے تو کوئی طیارہ گر جاتا ہے تا کہ یہ خبر اخبار میں آ جائے۔مگر افسوس کہ لوگ اخبار میں بھی سب کچھ پڑھتے ہیں، اصل خبر نہیں پڑھتے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گیلی لکڑیاں

ہوا، آگ، پانی اور مٹی زندگی کے بنیادی عناصر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام کیا ہے کہ کرہ ارض پر زندگی کے یہ تمام بنیادی عناصر کثرت سے موجود رہیں۔تاہم ان عناصر میں سے آگ ایک ایسا عنصر ہے جو حرارت کی شکل میں تو سورج سے تمام جانداروں کو براہِ راست ملتا رہتا ہے، مگر آگ کی شکل میں یہ عام دستیاب نہیں ہے۔البتہ اللہ تعالیٰ نے وہ ایندھن بافراط اس دھرتی پر رکھ دیا ہے جس سے انسان آگ حاصل کر سکتے ہیں۔

موجودہ دور میں قدرتی گیس آگ کے حصول کے لیے سب سے زیادہ سستے ایندھن کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔تاہم اس سے قبل انسانی تاریخ کے تمام عرصے میں آگ کے لیے ایندھن کے طور پر لکڑیاں ہی استعمال ہوتی رہی ہیں۔ ہزاروں سال تک انسان جنگلات اور درختوں سے لکڑیوں کو کاٹتے اور ان سے اپنے گھر اور چولہے گرم رکھتے رہے ہیں۔آج بھی ان علاقوں میں جہاں گیس موجود نہیں یہی ایندھن آگ کے حصول کا واحد ذریعہ ہے۔

جن لوگوں نے لکڑی کو ایندھن کے طور پر استعمال ہوتے دیکھا ہے، وہ جانتے ہیں کہ لکڑی پر پانی کا پڑنا اسے ایندھن کے طور پر استعمال کے قابل نہیں رہنے دیتا۔لکڑی جتنی خشک ہوگی، اتنی ہی جلدی اور تیز آگ پیدا کرنے کا سبب بنے گی۔لکڑی گیلی ہو جائے تو وہ جلتی نہیں۔جل بھی جائے تو آگ کم اور دھواں زیادہ دیتی ہے۔

دورِ جدید کے مسلمانوں کی دینداری کا معاملہ بھی گیلی لکڑیوں سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام کر رکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک گروہ اسلام کا علمبردار بن کر دنیا میں رہے۔اسلام کے چمن میں مسلمانوں کی فصل درختوں کی شکل میں پیدا ہوتی رہے۔ یہ لوگ اپنے وجود کو ایندھن کی طرح جلا کر ہدایت کی روشنی برقرار رکھیں۔مگر بدقسمتی سے آج کا مسلمان اپنا مقصدِ حیات بھول گیا ہے۔اس نے اپنے وجود میں خواہشات اور تعصّبات کی نمی کو اس طرح جذب کر لیا ہے کہ اب وہ خدا کے کام کے لیے ایک گیلی لکڑی بن چکا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے۔ اور ایسی لکڑی اول تو ایندھن کے طور پر استعمال ہونے کے قابل رہتی نہیں اور اگر کی بھی جائے تو اس سے آگ کے بجائے دھواں نکلتا ہے۔

ایمان کی آگ، عمل صالح کی حرارت اور اخلاقِ حسنہ کی روشنی صرف اس وجود سے پھوٹتی ہے جس نے مفادات، خواہشات اور تعصّبات کی ہر نمی سے خود کو پاک کرلیا ہو۔ یہ پاک وجود دنیا میں رہتا اور اس سے استفادہ کرتا ہے، مگر اسے اپنا مقصود نہیں بناتا۔ وہ خواہشات نفسانی کو اپنا معبود نہیں بناتا۔ وہ حیوانی جذبات کو زندگی کا محور نہیں بناتا۔ وہ مادی لذات کو زندگی کا مرکز نہیں بناتا۔

ایسا بندۂ مومن دنیا کو سرائے سمجھ کر زندگی بسر کرتا ہے۔ دنیا کی رنگینیاں اسے اپنی جانب کھینچتی ہیں، مگر وہ ان کے عارضی حسن کے لیے جنت کی ابدی بادشاہی کا نقصان اٹھانا گوارا نہیں کرتا۔ اس کے ہر لمحے، پیسے اور صلاحیت کا بہترین مصرف یہ ہوتا ہے کہ اس سے جنت حاصل کی جائے۔ ایسا شخص تارک الدنیا تو نہیں ہوتا۔ وہ شادی کرتا، گھر بناتا اور معاش کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ مگر وہ جانتا ہے کہ اسے حدود میں جینا ہے، ہوس میں نہیں۔ ضرورت میں جینا ہے خواہش میں نہیں۔ اسے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا ہی اس کے امتحان کا پرچہ ہے۔ یہ پرچہ اگر نہیں دیا تو آخرت کی کامیابی ممکن نہیں ہے۔ مگر وہ جانتا ہے کہ بہر حال یہ دنیا کمرۂ امتحان ہے، کمرۂ آرام نہیں۔ یہی یقین اسے خدا کے کام کے لیے خشک لکڑی بنا دیتا ہے۔

دوسری طرف جو لوگ آخرت کو مقصود کے مقام سے ہٹا دیں، وہ جتنی بھی دینداری اختیار کرلیں، ان کی دینداری سے آگ کے بجائے دھواں پیدا ہوتا ہے۔ وہ دھواں جس سے حرات پیدا ہوتی ہے نہ روشنی۔ یہ لوگ انفاق کرتے ہیں، مگر ریا کاری کے ساتھ، یہ لوگ عبادت کرتے ہیں، مگر غفلت کے ساتھ، یہ لوگ نصرت دین کے لیے اٹھتے ہیں، مگر تعصّبات کے ساتھ۔ ان کی تمام تر دینداری ان کی خواہشات اور جذبات کے تابع ہی ہوتی ہے۔

ایسی گیلی لکڑیاں دنیا میں ایندھن نہیں بن پاتیں۔ البتہ قیامت کے دن وہ ضرور ایندھن بنیں گی، مگر یہ ایندھن جہنم کا ہوگا۔ وہ جہنم جہاں انسان اور پتھر ایک ساتھ جلائے جائیں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نیا آدمی نئی قوم

"آج دنیا بھر میں مسلمانوں کے خلاف ظلم ہو رہا ہے۔ یہود و ہنود، امریکہ روس، مغربی میڈیا سب اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مشغول ہیں۔ آپ دیکھیے کہ کشمیر سے بوسنیا اور فلسطین سے چیچنیا تک ہر جگہ مسلمان جبر کی زد میں ہیں۔ ساری دنیا کی طاقتیں مسلمانوں کی دشمن بنی ہوئی ہیں۔ ہر جگہ وہ ظلم کا شکار ہیں۔ اس کا تازہ ترین نمونہ افغانستان اور پھر عراق پر امریکہ کے مظالم ہیں۔"

یہ صاحب بے تکان بول رہے تھے اور میں خاموشی سے بیٹھا سن رہا تھا۔ جب وہ بول چکے تو میں نے ان کی بارگاہ میں عرض کیا: کبھی آپ نے غور کیا کہ جتنے مظالم غیر مسلم کر رہے ہیں، مسلمان خود مسلمانوں کے ساتھ اس سے زیادہ ظلم کر رہے ہیں۔ ایران و عراق کی آٹھ سالہ جنگ آپ کے پڑوس میں لڑی گئی۔ قیام بنگلہ دیش کے وقت جان، مال اور آبرو کی بربادی کی داستانیں تاریخ کے خونی ورق پر آج بھی رقم ہیں۔ پھر یہ بتائیے کہ آپ کے جاگیردارانہ نظام میں جان مال اور آبرو کے خلاف ہونے والا کون سا ظلم ہے جو نہیں ہوتا۔ چوری، رہزنی، ڈاکہ، زنا بالجبر اور قتل کی وارداتیں آپ کے شہروں کے معمولات میں شامل ہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ آپ کے ہاں انسانوں کو زندگی گزارنے کی بنیادی انسانی ضروریات بھی میسر نہیں۔ صاف پانی، تعلیم، روزگار، علاج و معالجہ اور انصاف جیسی چیزیں جو معاشرے کے لیے ناگزیر ہیں، آپ کے ہاں ایک غریب آدمی کی پہنچ سے باہر ہیں۔ آپ غریب ہیں تو اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم نہیں دلا سکتے۔ سفارش نہیں ہے تو ملازمت نہیں مل سکتی۔ کوئی بڑی بیماری ہو جائے تو مرنے والا تو مرتا ہے مگر پورے خاندان کا دیوالیہ کرا دیتا ہے۔ کوئی پوچھنے نہیں آتا۔ آپ پر اگر کوئی ظلم ہو جائے تو پولیس کا تصور ہی دہشت زدہ کر دیتا ہے۔ برسوں کچہری عدالت کے چکر لگا کر بھی انصاف نہیں مل پاتا۔ پھر ان سب کے ساتھ رشوت، ملاوٹ، کرپشن اور ان جیسے کتنے ہی مسائل ہیں جنہوں نے ایک عام آدمی کی زندگی کو مسائل کا جہنم بنا رکھا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اگر آپ ایک کیلکو لیٹر اٹھائیں اور مسلمانوں کے مسائل کو شمار کرنا شروع کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ جو مسائل و مصائب ہم غیر مسلموں کے ہاتھوں جھیل رہے ہیں اس سے کہیں زیادہ مسائل وہ ہیں جو آج مسلمانوں نے خود اپنے لوگوں کے لیے پیدا کر رکھے ہیں۔

انہوں نے میری بات پوری نہیں ہونے دی اور کہنے لگے۔ یہ سارے مسائل جو تم نے گنوائے ہیں دراصل امریکی اور مغربی سازشوں کا نتیجہ ہیں۔امریکہ اور اس کے حواریوں کا صرف ایک علاج ہے۔ان کے خلاف جہاد ہونا چاہیے۔جب امریکہ کا ناپاک وجود مٹ جائے گا تو ہمارے سارے مسائل بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔

میں نے ان سے کہا کہ پہلے دنیا بھر کے مسلمانوں پر برطانیہ مسلط تھا۔اس کے خاتمے کے بعد بھی ہمارے مسائل ایسے ہی رہے۔پھر سوویت یونین مسلط ہوا۔اس کے خاتمے کے بعد بھی ہمارے مسائل ایسے ہی رہے۔اب اگر امریکہ بھی ختم ہو جاتا ہے تو ہمارے مسائل پھر بھی ختم نہیں ہوں گے۔

آپ سوچیے کہ آپ جن طاقتوں کی بات کر رہے ہیں اگر وہ ظلم کر بھی رہی ہیں تو تنہا آپ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ مجھے بتائیے کہ آپ امریکہ، روس، ہندوستان اور مغرب کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔جبکہ آپ اگر فیصلہ کر لیں کہ آپ اپنے معاشرے کی اصلاح کر لیں تو کم از کم اپنے اردگرد آپ کئی درجے اعلیٰ سیرت واخلاق کے لوگ پیدا کر سکتے ہیں جو نہ جانے کتنے بندگان خدا کی مشکلات دور کریں گے۔ کتنے معذوروں، بیواؤں، یتیموں، مسکینوں اور ضعیفوں کا سہارا بنیں گے۔ کتنے بیماروں کا علاج کرا کر ان کی زندگی بچائیں گے۔کتنی بے آسرا لڑکیوں کی شادیاں کرا کے ان کا خاندان بسائیں گے۔ کتنے نوجوانوں کو تعلیم دلا کر ان کی زندگی سنواریں گے۔ کتنے لوگوں کو جنت کے راستے تک پہنچا دیں گے۔

ہمیں اپنی تعمیر کرنی ہے۔یہ تعمیر نفرت اور تخریب کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔اٹھیے اور اپنے اردگرد محبت پھیلانا شروع کیجیے۔لوگوں کی اخلاقی تربیت کیجیے۔انہیں اچھا انسان بنائیے۔زندگی میں کم از کم ایک انسان کی زندگی میں اجالا کر دیجیے۔آپ دیکھیں گے کہ پھر اس چراغ سے کتنے چراغ جلیں گے۔

وہ کچھ نہ بولے اور سر جھکا دیا۔ایک نیا آدمی پیدا ہو گیا۔ایک نئی قوم پیدا ہو گئی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہر کرسی پر فرعون بیٹھا ہے

ہمارے ملک میں عرصے سے کرپشن کا شور ہے۔ بالخصوص سیاست دان اور اعلیٰ فوجی اور سول افسران اس حوالے سے کافی بدنام ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یہ لوگ ایسے نہیں ہوں گے۔ ان میں یقیناً ایک بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی ہے جو ہر اعتبار سے کرپٹ اور بے ایمان ہیں۔ انہوں نے ملک وقوم کو دونوں ہاتھوں سے لوٹا ہے۔ کچھ نے اس صفائی سے لوٹا کہ کوئی نشان تک نہیں چھوڑا اور کچھ نے اس دھڑلے سے لوٹا کہ بڑے بڑے بے ایمانوں نے کانوں کو ہاتھ لگا لیے۔

تاہم یہ کہنا کہ پوری قوم آج صرف ان لوگوں کی بداعمالیوں کو بھگت رہی ہے، صحیح نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے اور ناقابل تردید حقیقت ہے کہ یہاں جس کرسی پر جو شخص بیٹھا ہے، وقت پڑنے پر وہ اپنی جگہ ایک فرعون ثابت ہوتا ہے۔ یہ صرف کسی اونچی حیثیت کے حامل شخص کی بات نہیں، ہمارے ہاں ایک کلرک، ایک کانسٹیبل، ایک ٹھیلہ لگانے والا بھی درحقیقت وہی سب کچھ کرتا ہے، جس کی وجہ سے اعلیٰ عہدے دار بدنام ہیں۔ کرپشن، بددیانتی اور اپنے فرائض ادا کرنے میں کوتاہی جتنی بڑے لوگ کرتے ہیں اتنی ہی وہ لوگ بھی کرتے ہیں جو عوام الناس میں شامل سمجھے جاتے ہیں۔

ضروری نہیں کہ اس بات کو مثالوں اور دلیلوں سے واضح کیا جائے۔ ہم میں سے ہر شخص اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے اور دن رات ایسے تجربات سے گذرتا ہے جب اسے اسی کی طرح کا عام آدمی ستاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ جو آدمی جس جگہ صاحبِ اختیار ہے، وہ اس جگہ خود کو حاکمِ مطلق سمجھتا ہے۔ اپنے فرائض ایمان داری سے ادا نہیں کرتا اور حرام کھاتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عام لوگوں کا واسطہ زیادہ تر اپنے ہی جیسے عام لوگوں سے پڑتا ہے اور وہ انہی کے ہاتھوں ستائے جاتے ہیں۔ ہوتا صرف یہ ہے کہ ایک آدمی جو اپنے اختیار سے باہر کی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جگہ پر مظلوم ہوتا ہے، اپنے اختیار کے دائرے میں ظالم بن جاتا ہے۔ ایک کلرک ظالم اور خائن بن کر رشوت لیتا ہے اور پھر مظلوم بن کر یہ مال اس بد دیانت تاجر کو دے آتا ہے جو جھوٹ بول کر سستی چیز اسے مہنگے داموں بیچتا ہے۔ پھر یہ مظلوم تاجر حرام منافع کی رقم اس ظالم حکومتی عہدے دار کو دے دیتا ہے جو اس سے رشوت طلب کرتا ہے۔ اس طرح ایک چکر چل رہا ہے، جس میں سب ایک دوسرے کو تنگ کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے تنگ بھی ہوتے ہیں۔ اس نہ ختم ہونے والے چکر میں سب پریشان ہیں اور سب ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے ہیں۔

اس مسئلہ کا سبب یہ ہے کہ لوگوں نے دوسروں کی بے ایمانی کو اپنی بے ایمانی کا جواز بنالیا ہے۔ عام لوگوں میں یہ ذہن خود پیدا نہیں ہوا، اس ذہن کو پیدا کرنے والے ہمارے وہ قائدین ہیں جو ملت کو لاحق ہر مسئلے کا سبب اسلام دشمنوں کی سازشوں کو قرار دیتے ہیں۔ وہ سیاسی لیڈر ہیں جو ملک کو درپیش ہر پریشانی کا ذمہ دار مخالف سیاست دانوں کو ٹھیراتے ہیں۔ وہ اخباری دانشور ہیں جو قوم کے ہر مرض کی وجہ فوج، سیاستدان اور افسر شاہی کو قرار دیتے ہیں۔ وہ علما ہیں جو ہر برائی کے پیچھے مقتدر قوتوں کا ہاتھ دیکھتے اور لوگوں کو دکھاتے ہیں۔

جب ہر طرف سے یہی آواز اٹھ رہی ہو کہ ساری خرابی بس دوسروں میں ہے اور اصلاح بھی انہی کی ہونی چاہیے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ یہ باتیں جن لوگوں کو سنائی جا رہی ہیں ان میں اپنی اصلاح کا کوئی احساس پیدا ہو۔ الزام تراشی کا یہ طریقہ کار چونکہ اصلاً غلط ہے، اس لیے اس سے حالات سدھرنے کے بجائے بگڑتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے میں عوام الناس جن کی آنکھوں پر صرف دوسروں کی برائیاں دیکھنے والا چشمہ لگا ہوتا ہے، انہیں عذر بنا کر خود بھی برائی کا ارتکاب کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ پھر وہ نہ ختم ہونے والا چکر شروع ہو جاتا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔

بات یہیں پر نہیں رکتی بلکہ قومی زندگی کی ہر ناکامی کی ذمہ داری بھی دوسری اقوام پر ڈالنا ہمارا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وطیرہ بن گیا ہے۔ ہمارا دعویٰ یہ نہیں کہ دنیا میں کوئی ہمارا دشمن نہیں یا وہ ہمارے خلاف کوئی سازش نہیں کرتے۔ بلکہ ہم صرف اس بات کی طرف توجہ دلا رہے ہیں کہ اس طرح سوچتے رہنے سے انسان کا ذہن منفی رخ پر چل پڑتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ مسلمانوں کے ذہن کو مثبت سوچ اور عمل دینے کے لیے قرآنِ مجید دشمنوں کے ایسے رویے کے جواب میں مسلمانوں کو تلقین کرتا ہے کہ اگر تم صبر کرو گے اور خدا سے ڈرو گے تو دشمنوں کی کوئی چال تمہارے خلاف کارگر نہ ہوگی، (آل عمران 120:3)۔ لہٰذا دشمنوں کی سازش کا اعلان کرنا ہمارا کام نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارا کام صبر اور تقویٰ ہے۔ مگر یہ دونوں کام چونکہ بہت مشکل ہیں اس لیے ہم دشمنوں کو برا بھلا کہنے کے زیادہ آسان کام کو ترجیح دیتے ہیں۔

ہمارے حالات اُس وقت تک نہیں بدلیں گے جب تک ہم لوگوں کی آنکھوں سے یہ چشمہ نہیں اتاریں گے۔ اس سلسلے میں کرنے کے تین کام ہیں۔ اول ان لوگوں کی غلطی کو واضح کیا جائے جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہر بگاڑ کا الزام دوسروں پر رکھنے سے حالات میں کوئی بہتری پیدا ہو سکتی ہے۔ دوم یہ چیز بار بار واضح کی جائے کہ دوسرے کی برائی ہماری برائی کا جواز کبھی نہیں بن سکتی۔ یہ چیز ہماری آخرت بھی تباہ کرے گی اور دنیا بھی۔ سوم یہ واضح کیا جائے کہ برائی کے اس ماحول میں جو شخص برائی سے بچ گیا اسے عام حالات کے مقابلے میں خدا نہ صرف بہت زیادہ اجر دے گا بلکہ اس کی دیگر خطاؤں پر بھی درگذر سے کام لے گا۔ ہمارے لیے یہی راہِ عمل ہے اور یہی راہِ نجات۔



کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اپلائیڈ فار رجسٹریشن

بینکوں کی فائنس اسکیموں کی بنا پر آج کل نئی گاڑیوں کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے۔ جو شخص اپنی آمدنی میں سے چند ہزار بچا سکتا ہے، وہ اگلے دن ایک نئی گاڑی کا مالک بن سکتا ہے۔ یوں ہر روز شہر کی سڑکوں پر اَن گنت گاڑیاں چلتی ہوئی نظر آتی ہیں جن پر اپلائیڈ فار رجسٹریشن لکھا ہوتا ہے۔ یہ جملہ ایسی نئی گاڑیوں پر لکھا ہوتا ہے جن کی قیمت دے کر اس کا مالک اسے شوروم سے خرید چکا ہوتا ہے، مگر حکومت کے پاس رجسٹر ہونے سے قبل ہی، نئی گاڑی چلانے کے شوق میں، اسے سڑک پر لے آتا ہے۔

میں شہر کی سیاہ تارکول سڑکوں پر جب چمکتی دمکتی اپلائیڈ فار رجسٹریشن والی گاڑیوں کو دیکھتا ہوں تو سوچتا ہوں کہ کیا سبب ہے کہ لوگ نئی گاڑیاں اتنے شوق سے خریدتے ہیں۔ اس سوال کا جواب ان نئی گاڑیوں کے رنگ اور چمک، ان کے انجن کی کھنک اور ان کے اے سی کی ٹھنڈک سے واقف ہر آدمی جانتا ہے۔ انسان کا ذوقِ جمال، اس کی حسِ لطیف، سہولت و آسائش کی خواہش، آرام وسکون کی طلب، دوسروں سے آگے نکلنے کا جذبہ، ان سے داد سمیٹنے کا شوق یہ سب انسان کو مجبور کرتے ہیں اور وہ تھوڑے ہی عرصے میں ایک ایسی گاڑی میں بیٹھا ہوتا ہے جس کے پیچھے اپلائیڈ فار رجسٹریشن لکھا ہوتا ہے۔

آہ مگر یہی انسان خدا کی جنت کے حسن، اس کے سکون، اس کے عیش، اس کی لذت، اس کی خوشبو سے ایسا بے نیاز ہے کہ اس کی Wish List میں دور دور تک جنت کا کوئی نام ونشان نہیں۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر مسلمان اپنے کردار، اپنے اخلاق، اپنی شخصیت اور اپنے مال سے جنت کی بھرپور قیمت دیتا اور پھر بارگاہ خداوندی میں سراپا التجا بن کر دعا کرتا کہ رب کریم اسے جنت کے باسیوں میں رجسٹر کر لے۔ وہ رب سے محبت کرتا، اس کی اطاعت کرتا، لوگوں سے عدل کرتا، بندوں کی خدمت کرتا، محروموں پر احسان کرتا اور زبانِ حال سے اپنے وجود پر لکھ دیتا کہ میں جنت کی قیمت دے رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ جنت میں ابدی طور پر بسا دیا جاؤں۔ مگر افسوس کہ دنیا کی اپلائیڈ فار رجسٹریشن گاڑیوں کے اس دور میں، جنت کے اپلائیڈ فار رجسٹریشن انسان ڈھونڈے سے نہیں ملتے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گھوڑا، اژدھا اور رمضان

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی وجود کے دو بنیادی حصے ہیں۔ ایک اس کا روحانی وجود جس میں خیر وشر اور خدا اور آخرت کے تصورات ودیعت کیے گئے ہیں۔ دوسرا انسان کا حیوانی وجود جو انسان کے مادی جسم، شکل وصورت اور جبلی تقاضوں پر مشتمل ہے۔ یہی حیوانی وجود اور اس کے تقاضے ہیں، جن کے لیے عام زبان میں نفس کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس نفس کو ایک گھوڑے کی طرح بنایا ہے جو انسان کے لیے ہر طرح کی مشقت اٹھاتا ہے۔ جس طرح گھوڑا جنگ وامن ہر طرح کے حالات میں انسانوں کا سب سے کارآمد اور وفادار ساتھی رہا ہے، اسی طرح یہ نفس بھی انسان کی سواری ہے، جس کے ذریعے سے وہ مادی دنیا میں ہر طرح کی سعی وجہد کرتا ہے۔ تاہم یہ نفس اکثر حالات میں گھوڑا نہیں رہتا بلکہ ایک اژدھے میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب شیطان، جسے قدیم صحیفوں میں سانپ کہا گیا ہے، اپنا زہر اس میں منتقل کرتا ہے۔ ضروریات، خواہشات، جذبات اور شہوات کی وہ وادیاں جو نفس کے گھوڑے کی جولاں گاہ ہیں، ابلیسی سانپ کی پناہ گاہ بھی ہوتی ہیں۔ وہیں یہ اپنا نافرمانی کا زہر نفس میں انڈھیلتا ہے، جس کے بعد اس گھوڑے کی ٹانگیں ختم ہو جاتی ہیں، اور اس کا دھڑ ایک اژدھے میں بدل جاتا ہے۔ یہ اژدھا شیطان سے بڑھ کر انسان کو نقصان پہنچاتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ یہ انسان کے روحانی وجود کو سالم نگل جاتا ہے۔ رمضان کا مہینہ اسی اژدھے کو دوبارہ گھوڑا بنانے کا مہینہ ہے۔

اس مہینے میں اللہ تعالیٰ ایک طرف تو ابلیس کے تمام سانپوں کو بند کر دیتے ہیں اور دوسری طرف نفس پر زبردست مشقتیں ڈال کر اس کا آپریشن کیا جاتا ہے۔ اس گھوڑے کی ضروریات، خواہشات، جذبات اور شہوات پر پابندی لگا دی جاتی ہے۔ جس کے بعد یہ اژدھا دوبارہ گھوڑا بن جاتا ہے۔

تاہم بہت سے انسان اس آپریشن کی اہمیت کو نہیں سمجھتے۔ وہ روزے کی رسمی پابندیوں کو قبول تو کر لیتے ہیں، مگر دل سے بدلنا نہیں چاہتے۔ ایسے لوگوں کا نفس رمضان سے پہلے بھی اژدھا بنا رہتا ہے اور رمضان کے بعد بھی اس کی طاقت میں کوئی کمی نہیں آتی۔ قیامت کے دن ایسے اژدھوں کا مقام جنت کی پرفضا وادی نہیں ہوگی، بلکہ انہیں ان کے آقا ابلیس کے ساتھ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

زہریلا نشہ

کہتے ہیں کہ اخبار کے مطالعہ کی عادت ایک نشے کی طرح ہوتی ہے۔ جسے یہ لت ایک دفعہ لگ جائے وہ مرتے دم تک اس سے پیچھا نہیں چھڑا پاتا۔ بعض لوگ تو اس عادت کے ایسے اسیر ہو جاتے ہیں کہ بستر چھوڑنے سے قبل، حوائج ضروریہ سے فارغ ہوئے بغیر، ناشتہ کرنے سے پہلے ہی اخبار کو چاٹنا شروع کر دیتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ الیکٹرونک میڈیا کے اس دور میں بھی اخبارات اتنے ہی مقبول ہیں جتنے پہلے ہوا کرتے تھے۔

اخبارات کا بنیادی کام معلومات فراہم کرنا ہے اور لوگوں کو دنیا بھر کے حوادث و واقعات سے باخبر رکھنا ہوتا ہے۔ تاہم صحافت کا اصول ہے کہ خبر یہ نہیں کہ کتے نے آدمی کو کاٹ لیا ہے بلکہ خبر یہ ہے کہ آدمی نے کتے کو کاٹ لیا ہے۔ یعنی زندگی کے عام معاملات کے برعکس جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے وہی زیادہ اہم ہوتا ہے اور اسی سے وہ قارئین کو مطلع کرتے ہیں۔

اس کا سبب یہ ہے کہ انسان عام طور پر معمول کی باتوں کو اہمیت نہیں دیتے۔ ان کی توجہ صرف وہی چیزیں حاصل کر پاتی ہیں جن میں کوئی غیر معمولی بات ہو۔ جن کے ذریعے سے لوگوں میں زیادہ سے زیادہ سنسنی پھیلے۔ ہمارے ہاں اخبارات مکمل طور پر کمرشل مقاصد کے تحت چلتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ بک جانا ان کی کامیابی کی ضمانت ہوتا ہے، اس لیے اخبار والے زیادہ سے زیادہ سنسنی خیز انداز میں اخبار و واقعات کو بیان کرتے ہیں۔ جرائم، حادثات، اسکینڈلز اور اسی نوع کی دیگر منفی چیزیں چونکہ اپنے اندر اسی پس منظر کی نیوز ویلیو رکھتی ہیں، اس لیے اخبارات والے انہیں نمایاں کر کے شائع کرتے ہیں۔

ہمارے ہاں ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ سیاسی معاملات کو حد سے زیادہ اہمیت دے دی گئی ہے۔ چنانچہ اخبارات بھی سب سے بڑھ کر سیاسی نوعیت کی خبروں کو اہمیت دیتے ہیں۔ ہمارے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہاں سیاست چونکہ خود منفی نوعیت کی چیز ہے اس لیے اس کے حوالے سے بھی زیادہ تر خبریں منفی انداز میں سامنے آتی ہیں۔

اخبارات کے کالم نگار حضرات انہی چیزوں کو اٹھاتے ہیں اور انہی پر اپنے مضامین کی بنیاد رکھتے ہیں۔ یہ کالم نگار حضرات زیادہ تر صحافیانہ پس منظر ہی رکھتے ہیں، اس لیے جب یہ کالم لکھتے ہیں تو غیر محسوس طریقے پر یہ ٹھیک وہی منفی رپورٹنگ شروع کر دیتے ہیں جو اخبارات کا طریقہ ہوتا ہے۔ان کی دلچسپی کا موضوع سیاست کا وہ میدان ہوتا ہے جہاں سے اچھی خبریں نہیں آتیں یا پھر معاشرے کے وہ منفی واقعات جو تعداد کے اعتبار سے کم اور نیوز ویلیو کے اعتبار سے بہت زیادہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ یہ لوگ چن چن کر معاشرے کے تاریک اور منفی پہلوؤں کو اٹھاتے ہیں اور حال اور مستقبل کا ایسا بھیانک نقشہ کھینچتے ہیں کہ پڑھنے والا بے پناہ ذہنی دباؤ کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے دنیا میں صرف تاریکی اور اندھیرا نظر آتا ہے۔اس کی ہر امید ختم ہو جاتی ہے۔ یہ قاری ایک منفی انسان بن جاتا ہے اور عملی زندگی میں جب لوگوں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تو منفی سوچ ہی کے ساتھ کرتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ آج اخبار کا مطالعہ ایک زہریلا نشہ بن گیا ہے۔

حالانکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ تجربے کے طور پر ایک قاری اخبار پڑھنے کے بعد اپنے آپ سے سوال کرلے کہ جن منفی چیزوں کا اس نے اخبار میں ذکر پڑھا ہے، ان سے وہ خود کتنا متاثر ہوا ہے۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد وہ جان لے گا کہ وہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں گھرا ہوا ہے۔ وہ جان لے گا کہ وہ بیوی بچوں اور گھر والوں کے درمیان باسلامت بیٹھا ہے، اس کی جان ، مال اور آبرو محفوظ ہے۔ اس کے ہاتھ پاؤں اور آنکھیں سلامت ہیں۔ پھر یہ تنہا اس کا ہی معاملہ نہیں بلکہ اردگرد پھیلے ہوئے تمام لوگوں کا معاملہ ہے۔ یعنی ان کی غالب ترین اکثریت روزگار، تعلیم اور صحت کی حامل ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ سوچ اور یہ رویہ اسے رب کی شکر گزاری پر ابھارے گا۔شکر گزاری کی یہ سوچ اسے آمادہ کرے گی کہ وہ اپنے دائرے میں بندگان خدا کے لیے مفید بنے۔ان کے کام آئے۔ان کے دکھ درد میں شریک ہو۔اگر کسی کے لیے کچھ نہیں کرسکتا تو کم از کم دعا ہی کر دے۔وہ کسی کا مسئلہ حل نہیں کرسکتا تو کم از کم دوسرے کے لیے خود مسئلے پیدا نہ کرے۔

اس کے ساتھ اگر وہ صبح سویرے قرآن پاک کا مطالعہ کرلے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ اصل خبر اخبار میں نہیں بلکہ قرآن کریم میں موجود ہے۔وہ قیامت کے دن رب کے حضور پیشی اور حساب کتاب کی خبر ہے۔یہ خبر اسے دن بھر کے معمولات میں محتاط بنا دے گی۔اس سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہوگا جو خالق یا مخلوق کے حقوق تلف کرنے والا ہو۔

آج کے اخبارات کا غیر شعوری مطالعہ زہریلا نشہ بن گیا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ لوگ قرآن پڑھ کر اور فجر کی نماز میں اپنے اوپر ہونے والی نعمتوں کا شکر ادا کر کے اخبار کا مطالعہ کریں۔



''اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لیے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارے ماں باپ اور رشتہ داروں کا نقصان ہی ہو۔اگر کوئی امیر ہے یا فقیر تو خدا اُن کا خیر خواہ ہے۔تو تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔''،(نساء135:4)

''اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جایا کرو۔اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔''،(مائدہ8:5)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عذر اور اعتراف

قرآن کریم میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ بیان ہوا ہے۔ اس واقعے کی جو تفصیلات قرآن پاک کی مختلف سورتوں میں بیان ہوئی ہیں ان کے مطابق اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو زمین پر خلیفہ بنایا۔ پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت آدمؑ کو سجدہ کریں۔ فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر اس موقع پر موجود ایک جن نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ ابلیس تھا جو بعد میں شیطان کے نام سے مشہور ہوا۔

جب اللہ تعالیٰ نے شیطان سے پوچھا کہ کس چیز نے تجھے میرا حکم ماننے سے روکا تو اس نے ایک خوبصورت عذر پیش کر دیا۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود اسے ایک برتر حیثیت میں پیدا کیا ہے۔ یعنی اس کی پیدائش آگ سے ہوئی جبکہ جس ہستی کے سامنے اسے سجدے کا حکم دیا گیا ہے، اس کی پیدائش ایک کم تر مادے یعنی مٹی سے کی گئی ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو اسے برتر بنایا گیا اور دوسری طرف اسے ایک کم تر مخلوق کے سامنے جھکنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اس لیے خرابی اس کے انکار میں نہیں بلکہ اس حکم میں ہے جس میں بظاہر ایک غلط مطالبہ کیا گیا ہے۔

یہ شیطان کا مقدمہ تھا جو بظاہر بہت مضبوط اور مدلل تھا۔ مگر وہ کسی اور کے سامنے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے سامنے موجود تھا، جو دلوں کے بھید تک جانتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی اصل حالت کو بیان کر دیا کہ تو دراصل تکبر کا شکار ہو چکا ہے۔ اور اس تکبر نے تجھے اس طرح اندھا کیا ہے کہ تو میرے سامنے بغاوت پر تیار ہو گیا ہے۔ اس لیے اب تجھے راندۂ درگاہ کیا جاتا ہے۔

شیطان اس موقع پر بھی سرکشی سے باز نہ آیا۔ اس نے اپنی گمراہی کا الزام یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ پر ڈالنے کی کوشش کی کہ جس طرح تو نے مجھے گمراہ کیا ہے، میں آدم اور اس کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ اس طرح یہ ثابت ہو جائے گا کہ وہ اس عزت کے مستحق نہ تھے جو انہیں دی گئی ہے۔ بس تو مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دے دے۔ اللہ تعالیٰ شیطان سے سخت ناراض تھے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسے مہلت دے دی تاکہ اس کی بدی اس طرح واضح ہو جائے کہ خدا کی رحمت جیسی بلند صفت بھی اس کے کام نہ آ سکے۔

دوسری طرف حضرت آدم کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ اپنی بیگم کے ہمراہ ایک باغ میں قیام کریں۔ البتہ ایک

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خاص درخت سے دور رہیں۔ اور انہیں یہ بھی بتا دیا کہ یہ ابلیس ان کا دشمن ہے۔ لہٰذا وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں۔ حضرت آدم وحوا کچھ عرصہ تو اللہ کے حکم کے پابند رہے، مگر آہستہ آہستہ شیطان نے وسوسہ انگیزی شروع کر دی۔ اس نے ان دونوں کو قسم کھا کر یہ یقین دلا دیا کہ وہ اس درخت کا پھل کھالیں تو انہیں ہر طرح سے فائدہ ہوگا۔ وہ دونوں اس کی باتوں میں آ گئے اور اس درخت کا پھل کھا بیٹھے۔ مگر اس کے نتیجے میں فوراً وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ یوں بظاہر شیطان اپنے اس چیلنج میں کامیاب ہو گیا کہ وہ یہ ثابت کر کے رہے گا کہ آدم اس مقام کے مستحق نہیں ہیں جو انہیں دیا گیا ہے۔

مگر آدم وحوا کا کیس شیطان والا نہیں تھا۔ انہوں نے اس کا پہلا ثبوت یہ دیا کہ جیسے ہی انہیں احساس ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر قائم نہیں رہ سکے، دونوں رب کی بارگاہ میں معافی کے خواستگار ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ کیا میں نے تمھیں منع نہیں کیا تھا۔ یہ دوسرا موقع تھا جب حضرت آدم نے شیطان سے مختلف ہونے کا ثبوت دیا۔ انہوں نے شیطان کی طرح اپنے عمل کی کوئی تاویل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ وہ دونوں یہ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔ مگر انہوں نے کوئی عذر پیش نہ کیا اور یکطرفہ طور پر ساری غلطی قبول کر لی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف کر دیا۔

آج بھی ابن آدم اور ابن شیطان میں ایک ہی بنیادی فرق ہوتا ہے۔ آدم کے بیٹے اعتراف کی نفسیات میں جیتے ہیں جبکہ شیطان کے پیروکار عذر کی نفسیات میں۔ پہلوں سے جب کوئی غلطی ہوتی ہے تو وہ کسی توجہ دلانے سے قبل ہی غلطی مان لیتے ہیں۔ دوسروں سے جب کوئی غلطی ہوتی ہے تو وہ فوراً کوئی تاویل سوچتے ہیں۔ پہلوں سے کوئی بھول ہوتی ہے تو اپنے اس عذر کو بھی استعمال کرنے میں جھجکتے ہیں جو وہ بجا طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ دوسرے اپنے ہر جرم کا الزام دوسروں پر ڈال کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔

ان دو گروہوں کا رویہ اگر اپنے اپنے پیش رو جیسا ہے تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا رویہ بھی وہی ہے۔ ابن آدم کی ہر بھول اور ہر غلطی معاف کر دی جاتی ہے۔ جبکہ شیطان کا رویہ اختیار کرنے والے انسانوں سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتے ہیں۔ پہلوں کو جنت کی بادشاہی میں اعلیٰ مقام دیا جائے گا۔ دوسروں کو جہنم کی آگ کا ایندھن بنا دیا جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رمضان کا مہینہ......حاصل کیا کرنا ہے؟

رمضان قمری تقویم کا نواں مہینہ ہے۔ یہ مہینہ مسلمانوں ہی کے لیے نہیں، انسانوں کے لیے بھی بہت اہم ہے۔ یہ وہ مہینہ ہے جب گمراہی کے صحرا میں بھٹکتی انسانیت کی صدائے العطش، آسمان نے سنی اور باران ہدایت کو عرب کے بیابانوں پر برسنے کا حکم دیا۔ پھر اس سرزمین سے ہدایت کے وہ چشمے ابلے جن سے پوری انسانیت سیراب ہوگئی۔ یہ وہ مہینہ ہے جب ظلم کی چکی میں پستی اور سسکتی ہوئی انسانیت کی صدائے العدل کا جواب کائنات کے بادشاہ نے عدل سے نہیں، احسان سے دیا۔ اس طرح کہ قیامت تک کے لیے قرآن کو وہ فرقان بنا کر زمین پر اتارا کہ جس کی ہدایت نے دھرتی کو امن وسکون سے بھر دیا۔

ماہ رمضان ایک دفعہ پھر اہل زمین کے سروں پر سایہ فگن ہے۔ اس حال میں کہ آج ہر طرف ظلم اور گمراہی کا دور دورہ ہے۔ انسانیت کے مصائب کا علاج آج بھی یہی ہے کہ قرآن کی ہدایت لوگوں کے سامنے رکھی جائے اور لوگ اسے قبول کرلیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن اور رمضان کا تعلق اس طرح بیان کیا ہے۔

> ''رمضان کا مہینا ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا، لوگوں کے لیے رہنما بنا کر اور نہایت واضح دلیلوں کی صورت میں جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے سراسر ہدایت بھی ہیں اور حق وباطل کا فیصلہ بھی''۔ (البقرہ 2:185)

قرآن کی ہدایت کیا ہے؟ اگر اسے ایک جملے میں بیان کیا جائے تو یہ انسانوں کو اس مسئلے سے آگاہ کرنے آیا ہے جو انھیں ان کی موت کے بعد درپیش ہوگا۔ یعنی ان کے مالک کے حضور پیشی کا مسئلہ۔ اپنے اعمال کی جوابدہی کا مسئلہ۔ جنت سے محرومی اور جہنم کی آگ کا مسئلہ۔ ابدی ذلت یا دائمی عیش کا مسئلہ۔ مگر بڑی عجیب بات ہے کہ یہ ہدایت جس کا تعلق دنیا سے نہیں آخرت سے ہے؛ زندگی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سے نہیں موت سے ہے، انسانوں کی زندگی اوران کی دنیا کے سارے مسائل کا واحد ممکنہ حل ہے۔

اس دنیا میں انسان کا اصل مسئلہ کیا ہے؟ یہ کہ وہ ایک فانی دنیا میں ابدی قیام کے اسباب ڈھونڈتا ہے۔ یہ کہ وہ ایک سرائے میں رہ کر کسی دائمی مستقر کے آرام ڈھونڈتا ہے۔ اقبال نے جو بات فرنگ کے لیے کہی تھی وہ ہر فرزندِ زمیں کے بارے میں درست ہے۔

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیش جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام وائے تمنائے خام

اس عیش اور آرام کی تلاش میں انسان خدا و آخرت کو بھول جاتا ہے۔ وہ فانی دنیا کو اپنا مقصد بناتا اور ہر اخلاقی قدر کو فراموش کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان نوع انساں کا شکاری بن جاتا ہے۔ پھر ظلم اور گمراہی کی وہ ساری اقسام وجود میں آتی ہیں جن سے بحر و بر میں فساد پھیل جاتا ہے۔ انسانوں کی جان، مال، عزت و آبرو انھی جیسے انسانوں کے ہاتھوں پامال ہوتی ہے۔ انسان کا اخلاقی وجود اس کی حیوانی خواہشات کے سامنے ڈھیر ہو جاتا ہے۔

اس صورتحال کا واحد حل وہ قرآنی ہدایت ہے جو پوری قوت کے ساتھ قیامت کے ہولناک زلزلے سے انسانوں کو ڈراتی ہے۔ وہ اس روز سے انسانوں کو خبردار کرتی ہے جب زمین کوٹ کوٹ کر برابر کر دی جائے گی اور حسن و زینت کے تمام آثار مٹا کر زمین ایک چٹیل میدان بنا دی جائے گی۔ وہ دن کہ جب لوگ اپنے سوا ہر چیز کو بھول جائیں گے۔

”اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کی ہلچل بڑی ہی ہولناک چیز ہے۔ جس دن تم اسے دیکھو گے، اس دن ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے کو بھول جائے گی اور ہر حاملہ اپنا حمل ڈال دے گی اور تم لوگوں کو مدہوش دیکھو گے حالانکہ وہ مدہوش نہیں ہوں گے بلکہ اللہ کا عذاب ہے ہی بڑی ہولناک چیز“۔ (الحج 22:1 تا 2)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جو لوگ قرآن کی اس پکار پر توجہ دیتے ہیں اور آخرت کی کامیابی کو اپنی منزل بنا لیتے ہیں قرآن ان کے سامنے ایک واضح نصب العین رکھتا ہے۔ فرمایا۔

"بے شک فلاح پا گیا وہ شخص جس نے پاکیزگی اختیار کی"۔ (الاعلیٰ 87:14)

"اور نفس گواہی دیتا ہے، اور جیسا اسے سنوارا۔ پھر اس کی نیکی اور بدی اسے سجھا دی کہ فلاح پا گیا وہ، جس نے اس کو پاک کیا اور نامراد ہوا وہ جس نے اسے آلودہ کیا"۔ (الشمس 91:6 تا 10)

یہ آیات کھول کر بتاتی ہیں کہ آخرت کی کامیابی کا تمام تر انحصار اس بات پر ہے کہ انسان اس دنیا میں اپنا تزکیہ کرتا ہے یا نہیں۔ یہ تزکیہ رہبانیت جیسی کوئی چیز نہیں بلکہ ایمان و اخلاق کی آلائشوں سے خود کو بچانے کا عمل ہے۔ ان آیات سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ نفس انسانی میں خیر و شر کا پورا شعور شروع دن ہی سے موجود ہے اور اسی علم کی بنیاد پر انسان یہ جانتا ہے کہ اسے اپنے آپ کو کن آلائشوں سے بچانا اور کن چیزوں کو اختیار کرنا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ دنیا میں انسان اخلاق سے عاری نہیں بلکہ فطرت کا عطا کردہ پاکیزہ لباس پہن کر آتا ہے۔ اس لباس فطرت کے دامن میں شرک کا کوئی داغ اور الحاد کا کوئی دھبہ تک نہیں ہوتا۔ اس پر ظلم کا میل اور ہوس کی گندگی نہیں لگی ہوتی۔ مگر دنیا میں موجود شیطانی ترغیبات، حیوانی خواہشات اور ماحول کے اثرات انسان کو گمراہی کے راستوں پر ڈال دیتے ہیں۔ وہ فطرت میں موجود خیر و شر کے تصورات کو بھول کر خواہش نفس کی پیروی اختیار کرتا ہے۔ جیسے جیسے وہ اس راہ پر آگے بڑھتا ہے، یہ گرد آلود راستہ دامن دل اور لباس فطرت کو غلیظ سے غلیظ تر کرتا چلا جاتا ہے۔ غفلت کی دھول اور سرکشی کی کالک فطرت کے حسن کو نری غلاظت میں بدل دیتی ہے۔ انسان پہلے پہل خیر و شر کی تمیز کھوتا ہے اور پھر معاشرے میں ہر شر خیر اور ہر خیر شر بن جاتا ہے۔ فطرت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں پیدا ہو جانے والی اس کجی کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں پیغمبر بھیجے، کتابیں اتاریں، بھولا ہوا سبق یاد دلایا اور آخر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اتارا۔ قرآن نہ صرف تزکیہ کے نصب العین کو انسانوں کے سامنے رکھتا ہے بلکہ ایمان و اخلاق اور فکر و عمل کی آلائشوں کی بھی نشان دہی کرتا ہے۔

قرآن کی اس ہدایت کی روشنی میں ہر بندۂ مومن کی زندگی کا نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو فطرت میں موجود اور قرآن میں بیان کردہ ان آلائشوں سے بچائے۔ انسان جیسے ہی یہ عمل شروع کرتا ہے۔ اس کا براہِ راست نتیجہ اس کے اخلاقی وجود پر مرتب ہوتا ہے۔ شرک و الحاد کی گندگی کو دھونے کے بعد انسان اپنے جیسے انسانوں کو خدا بناتا ہے نہ خواہش نفس کو اپنا معبود ٹھہراتا ہے۔ آخرت کی کامیابی کا نصب العین تقاضا کرتا ہے کہ انسان کی جان، مال، وقت اور صلاحیت کا ایک حصہ لازماً ذاتی مفادات سے بلند ہو کر صرف کیا جائے۔ ایسے پاکیزہ لوگوں کے معاشرے میں نہ طاقتور کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں اور نہ اہل ثروت غربا سے بے نیاز اپنی خر مستیوں میں مگن رہتے ہیں۔ انسان اپنے ابنائے نوع کے ساتھ اس یقین کے ساتھ معاملہ کرتے ہیں کہ کل روزِ قیامت ہر معاملہ رب العالمین کی عدالت میں پیش کیا جائے گا۔ وہ عدالت جہاں فیصلے مادی نہیں بلکہ اخلاقی قانون کی بنیاد پر ہوں گے۔ چنانچہ دھوکہ، فریب، بددیانتی، خیانت، جھوٹ اور معاشرے میں پائی جانے والی ان جیسی تمام اخلاقی گندگیاں اوصاف حمیدہ کے لیے جگہ چھوڑ دیتی ہیں۔ یوں دھرتی نور ایمان سے چمک اٹھتی ہے۔

فلاح آخرت اور اس کے لیے پاکیزگی کے حصول پر انسان کو متحرک کرنے والی سب سے بڑی چیز خدا کے حضور پیشی کا خوف، اس کی پکڑ کا اندیشہ، اس کے عذاب کا ڈر اور اس کا تقویٰ ہے۔ یہ تقویٰ ہی وہ چیز ہے جو روزوں کی فرضیت کا اصل مقصود ہے۔ ارشاد ہوا:

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

''ایمان والو، تم پر روزے فرض کیے گئے تھے، جس طرح تم سے پہلوں پر فرض کیے گئے تھے تا کہ تم اللہ سے ڈرنے والے بن جاؤ۔''، (البقرہ 183:2)

یہ تقویٰ کیسے پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح کہ رمضان میں قرآن کی بار بار تلاوت انسان کو جہنم کے عذاب اور خدا کی پکڑ سے بے خوف نہیں رہنے دیتی۔ دوسری طرف روزے میں کھانے پینے سے رکنا انسان کو نہ صرف پرہیز گاری کے آداب سکھاتا ہے بلکہ اسے اس مضبوط قوت ارادی سے آگاہ کرتا ہے جسے استعمال کر کے وہ ہر اخلاقی ناپاکی سے بچ سکتا ہے۔

سو اب جب کہ رمضان آچکا ہے، آیئے...... رمضان کے صحیح مصرف کا عزم کرتے ہیں۔ ایک ایسے معاشرے میں جہاں قرآن صرف ثواب کے لیے پڑھا جاتا ہے، آیئے...... قرآن کو ہدایت کے لیے پڑھنے کا عزم کرتے ہیں۔ یہ عزم کہ قرآن کو سمجھ کر پڑھیں گے۔ یہ جاننے کے لیے پڑھیں گے کہ قرآن جس دن کی مصیبت سے خبردار کرنے آیا ہے وہ کون سا دن ہے۔ فکر و عمل اور اخلاق و عقیدہ کی ان گندگیوں کو جاننے کے لیے پڑھیں گے جن سے بچے بغیر جہنم کی آگ سے نہیں بچا جاسکتا۔

رمضان ثواب کا مہینہ ہے۔ آیئے...... اسے ہدایت کا مہینہ بنادیں۔ یہ بھوک پیاس سے رکنے کا مہینہ ہے۔ آیئے...... اسے تقویٰ حاصل کرنے کا مہینہ بنادیں۔ یہ قمری تقویم کا نواں مہینہ ہے۔ آیئے...... اسے ایمانی تقویم کا پہلا مہینہ بنادیں۔



کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اپنا چراغ جلالیں

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ اگر قیامت آ جائے اور کسی کے ہاتھ درخت کی ایک قلم ہو اور اسے مہلت ہو تو وہ ضرور یہ قلم لگا دے''۔ (مسند احمد۔83:3)۔

یہ روایت ہمیں ایک تعمیری سوچ دیتی ہے۔ اس سوچ کا حامل انسان بدترین حالات میں بھی مایوسی اور بے عملی کا شکار نہیں ہوتا۔

یہ بات بالکل واضح ہے کہ قیامت ایک ایسی تباہی کا نام ہے جس میں درخت لگانا بظاہر بے فائدہ کام ہے۔ کیوں کہ درخت لگانا ایک ایسا عمل ہے جس کی نفع بخشی کے لیے کئی برس چاہییں۔ جبکہ قیامت کا زلزلہ لمحہ بھر میں ہر چیز کو تباہ کر دے گا۔ لیکن یہ روایت بتاتی ہے کہ انسان کو مثبت ذہن کے ساتھ کام کرنا چاہیے، چاہے اسے یقین ہو کہ اس کے کسی کام کا کوئی نتیجہ نہیں نکلنے والا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ایک بندہ مومن آخرت کے اجر کے لیے کام کرتا ہے اور یہ اجر اصلاً اس کی نیت کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ جیسے ہی وہ کسی کام کا ارادہ کر لیتا ہے، اس کے لیے ایک اجر ثابت ہو جاتا ہے۔ وہ اس کام کو کر دیتا ہے تو دوسرا اجر ثابت ہو جاتا ہے۔ اس کام سے کوئی نفع ہونا شروع ہوتا ہے تو تیسرے اجر کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہے کہ انسان کے کسی عمل کا نتیجہ اگر نہیں بھی نکلتا تب بھی تین میں سے دو اجر تو بہر حال انسان کو مل جاتے ہیں۔ وہ صرف ایک اجر سے محروم رہتا ہے۔

عام حالات میں لوگ معاشرے کے بگاڑ سے پریشان ہو کر مایوس ہو جاتے ہیں اور مایوسی کی بنا پر صرف منفی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور پھر وہ ان چھوٹے چھوٹے اچھے کاموں کو بھی چھوڑ دیتے ہیں جنھیں وہ با آسانی کر سکتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر معاشرے میں بگاڑ بڑھتا رہتا ہے۔ مگر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جب لوگ حالات کی خرابی سے بے پرواہ ہوکر اپنے حصے کا اچھا کام کرتے رہتے ہیں تو آہستہ آہستہ برائی کم ہونا اور خیر پھیلنا شروع ہوجاتا ہے۔ ہر آدمی اپنے حصے کا درخت لگاتا ہے اور کچھ عرصے میں ایک چمنستان وجود میں آجاتا ہے۔

اس بات کو ایک اور مثال سے یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ جب رات آتی ہے تو سورج کی روشنی ختم ہوجاتی ہے۔ ہر طرف اندھیرا پھیل جاتا ہے۔ ایسے میں کسی ایک فرد کا چراغ جلانا سارے اندھیرے کو دور نہیں کرسکتا اور نہ اس کا چراغ ہی سورج کا نعم البدل ہوسکتا ہے۔ مگر لوگ ان چیزوں سے بے پرواہ ہوکر اپنا اپنا چراغ جلاتے ہیں۔ دنیا بھر سے قطع نظر ان کے اردگرد روشنی پھیلنا شروع ہوجاتی ہے۔ اور جب سارے لوگ اپنے اپنے چراغ جلاتے ہیں تو ہر جگہ روشنی پھیل جاتی ہے۔ اندھیرے دور ہوجاتے ہیں۔

تو اب آیئے، ماحول کے اندھیرے سے بے پرواہ ہوکر ہم اپنا چراغ جلالیں۔ ہم اپنا درخت لگالیں۔

''خدا تم کو انصاف اور احسان کرنے اور رشتہ داروں کو (خرچ سے مدد) دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور نامعقول کاموں سے اور سرکشی سے منع کرتا ہے (اور) تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم یاد رکھو''، (سورۂ نحل 90:16)

''اے ایمان والو! خدا کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہوجایا کرو۔ اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیز گاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے سب اعمال سے خبردار ہے''، (سورۂ مائدہ 8:5)

''مؤمنو! خدا سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو''، (سورۂ احزاب 70:33)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خدا کی محفل

خدا کی طرف بلانے والے نے اردگرد نظر کی، اپنی تنہائی کو دیکھا اور پھر خدا سے کہا۔ یہاں کسی کو تیری ضرورت نہیں۔ یہاں لوگوں کو اپنی مشکلات کے حل کے لیے وظیفے چاہئیں۔ سیاسی تحریکیں برپا کرنے والے لیڈر چاہییں۔قوم پرستانہ جذبات بھڑکا کر غیر مسلموں کے خلاف نفرت پیدا کرنے والے مقرر چاہییں۔ چند ظاہری اعمال کی بنیاد پر جنت دلانے والے اہل علم چاہییں۔ تیری طرف بلانے والے، ربانی انسان بنانے والے، جس طرح پہلے تنہا تھے، آج بھی تنہا ہیں۔ یہاں کوئی ان کا ہم نفس نہیں۔ یہاں کوئی ان کا ہم سخن نہیں۔

یہاں کے لوگوں کے لیے دنیا اور اس کے مسائل اہم ہیں۔ وہ انہی کے لیے روتے اور انہی کے لیے ہنستے ہیں۔ شادی بیاہ، تنگدستی و بیماری، اولاد اور روزگار، گھر اور خاندان، یہی لوگوں کی جنت اور یہی لوگوں کی جہنم ہیں۔ تیری جنت کے لیے تڑپنے والا کوئی نہیں۔ تیری جہنم کے خوف میں لرزنے والا کوئی نہیں۔ لوگوں کی مجلسوں میں، ان کی باتوں میں، تیری فردوس اور تیری سعیر ناقابل تذکرہ ہیں۔

مالک! جس طرح تو کافروں میں تنہا تھا، آج مسلمانوں کی بھیڑ میں بھی تنہا ہے۔ کوئی نہیں جو تیرے شوق میں روئے، جو تیرے خوف میں لرزے۔ کوئی نہیں جو تیری جنت کے لیے زندگی کی ہر آزمائش پر صبر کرے۔ کوئی نہیں جو تیری امید پر خواہشات، مفادات اور تعصّبات کی دیواروں سے ٹکرا جائے۔ ہاں تیرے نام پر دھوم مچانے والے، تیرے دین سے دنیا کمانے والے بہت ہیں۔ کیا اسی فصل کے لیے تو نے یہ کھیتی اگائی تھی؟

پکارنے والا جب پکار چکا تو اس نے اردگرد نظر کی اور دیکھا کہ وہ خدا کی دنیا میں کھڑا ہے۔ یہ وہ محفل ہے جہاں کائنات کا ذرہ ذرہ پروردگار کی تسبیح کر رہا ہے۔ کتابِ زندگی کے ہر ورق اور صفحہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہستی کی ہر سطر پر خدائے ذوالجلال کی حمد لکھی جارہی ہے۔ وقت کے ہر ہر لمحے میں رب کائنات کی کبریائی کی صدا بلند ہورہی ہے۔ اس محفل کی رونق دیکھ کر وہ اپنی تنہائی کا غم بھول گیا۔ اسے معلوم تھا کہ یہی وہ محفل ہے جو کل فردوس کی ابدی بادشاہی میں بدل جائے گی۔ مگر اُس روز اِس بادشاہی میں صرف وہی داخل ہوگا جو آج ہی اس محفل میں شامل ہوگیا۔ آج ہی تنہا ہوگیا۔

اس نے سوچا کہ اگر لوگ نہیں آتے تو کیا ہوا میں نے تو اس راز کو پالیا ہے۔ کیوں نہ جینے کے لیے اسی محفل کا انتخاب کرلیا جائے۔ اس نے قدم اٹھائے اور پھر تیزی سے انسانوں کی دنیا سے نکل کر خدا کی محفل میں داخل ہوگیا، اس بات سے بے پرواہ کہ کون اس کے پیچھے آرہا ہے اور کون نہیں۔ مگر وہ اس سے بے خبر رہا کہ وہ تنہا نہیں، بہت سے لوگ اس کے نقش قدم پر چلتے ہوئے، اس کے پیچھے پیچھے آرہے ہیں۔

''اور (متقین) وہ (لوگ ہیں) کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے۔''، (آل عمران 135:3)

''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کرلے پھر خدا سے بخشش مانگے تو خدا کو بخشنے والا (اور) مہربان پائے گا۔''، (النساء 110:4)

''اگر تم بڑے ممنوعہ گناہوں سے پرہیز کرتے رہو تو ہم تمھاری (چھوٹی) کوتاہیوں کو مٹا دیں گے اور ایک عزت والی جگہ میں داخل کردیں گے۔''، (النساء 31:4)

''اور دن کے دونوں سروں (یعنی صبح و شام) کے اوقات میں اور رات کی چند (پہلی) ساعات میں نماز پڑھا کرو۔ کچھ شک نہیں کہ نیکیاں گناہوں کو دور کردیتی ہیں۔ یہ ان کے لیے نصیحت ہے جو نصیحت قبول کرنے والے ہیں۔''، (ھود 114:11)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کھوئی ہوئی بھیڑ

حضرت داؤد علیہ السلام بنی اسرائیل کے مشہور پیغمبر ہیں۔ان کا شمار ان چند پیغمبروں میں ہوتا ہے جو صاحب کتاب بھی تھے اور صاحب اقتدار بھی۔ان پر نازل ہونے والی کتاب زبور کو الہامی کتابوں میں ایک غیر معمولی حیثیت حاصل ہے۔ یہ کتاب دعا کی زبان میں نازل ہوئی جو بندے اور رب کے تعلق کا ایک بہت اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ پروردگار سے بندوں کی دعا و مناجات، اس کے حضور فریاد وزاری اور اس کی حمد و تسبیح کا ایسا خوبصورت مجموعہ ہے، جس کی مثال مذہبی ادب میں کم ہی ملتی ہے۔زبور کی عظمت یہ ہے کہ قرآن کی سورہ فاتحہ جو ہر مسلمان کو زبانی یاد ہوتی ہے اور جس کے بغیر نماز ادا نہیں ہوسکتی، زبور ہی کے اسلوب میں نازل ہوئی ہے۔زبور کی ایک عبارت اس طرح سے ہے:

''میں کھوئی ہوئی بھیڑ کی مانند بھٹک گیا ہوں، اپنے بندے کو تلاش کر۔''،(176:119)

اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی جنت تک پہنچنے کا واحد راستہ اللہ کی عطا کردہ صراط مستقیم ہے۔مگر زندگی میں بارہا ایسا ہوتا ہے کہ انسان اس صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔نفس انسانی کی کمزوریاں، شیطانی طاقتوں کے حملے، ماحول کے تقاضے اور دیگر عناصر انسان کے لیے یہ ناممکن بنادیتے ہیں کہ وہ صراط مستقیم کی طرف لوٹ جائے۔

ایسے مرحلے پر بعض اوقات بندہ یہ محسوس کرلیتا ہے کہ وہ غلط راستے پر جارہا ہے، مگر وہ خود میں اتنی طاقت نہیں پاتا کہ وہ اپنے آپ کو غلط راہ پر چلنے سے روک سکے۔ ایسے میں زبور کی یہ دعا انسان کو ایک مکمل لائحہ عمل دیتی ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ بندہ کمزور ہے بھٹک سکتا ہے مگر خدا کی رحمت جب چاہے اسے دوبارہ صراط مستقیم پر لاسکتی ہے۔انسان گناہ کے راستے پر پڑسکتا ہے مگر رب کی مغفرت انسان کے ہر گناہ کو ڈھانک سکتی ہے۔شرط یہ ہے کہ بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرکے رب کو پکارتا رہے۔ایسے شخص کے لیے رب کی رحمت اور ہدایت کے دروازے کبھی بند نہیں ہوتے۔ایسے بھٹکے ہوئے شخص کو اللہ تعالیٰ خود تلاش کرلیتے ہیں۔

خدا کو ہدایت کے لیے سچے دل سے پکارنا کوئی معمولی بات نہیں۔اس پکار پر آقا خود بندے کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔اور جسے حاضر و غائب کا جاننے والا ڈھونڈنے نکل آئے، وہ کبھی گمراہی کے اندھیروں میں نہیں بھٹک سکتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

الحمد للہ رب العالمین

میرے ایک شناسا کی دعا کا پہلا جملہ کچھ اس طرح ہوتا ہے:

''یا اللہ! جس طرح مجھے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر نعمت جو مجھے یا کسی کو بھی ملی، اس کا دینے والا صرف تو ہے، اسی طرح مجھے اس بات کا بھی کامل یقین ہے کہ جس کو جو ملا وہ اس کی کسی خوبی کی بنا پر نہیں ملا بلکہ صرف تیری خوبیوں کی بنا پر ملا ہے۔ میں تیری ہر نعمت پر تیرا شکر ادا کرتا ہوں اور تیری ہر خوبی پر تیری حمد بیان کرتا ہوں۔''

بلاشبہ یہ الفاظ معرفت کے الفاظ ہیں۔ یہ اس عظیم حقیقت کا اعتراف ہیں جو عالم میں چار سو پھیلی ہے۔ یہ توحید کی مکمل تعریف ہے۔ خدا کو ایک ماننا جتنا اہم ہے اتنا ہی اہم یہ ہے کہ اسے ہر نعمت، خوبی اور بھلائی کا سرچشمہ مانا جائے۔ پہلی بات سے پہلو تہی کے نتیجے میں شرک پیدا ہوتا ہے تو دوسری بات کو فراموش کر کے انکارِ خدا یا کم از کم اعراضِ خدا کا ذہن جنم لیتا ہے۔ شرک والی بات سے تو اکثر لوگ واقف ہیں مگر دوسری بات کا شعور عام نہیں اس لیے آج کل اکثر لوگ اس میں مبتلا نظر آتے ہیں۔

انسان جب اس دنیا میں آنکھ کھولتا ہے تو وہ خود کو ان گنت نعمتوں کے درمیان پاتا ہے۔ یہ نعمتیں اس قدر ہیں کہ انسان ساری زندگی انہیں گنتا رہے تو زندگی ختم ہو جائیگی مگر نعمتیں ختم نہیں ہونگی۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ اس کی زبان سے مذکورہ بالا الفاظ نکلیں۔ مگر انسان کا معاملہ بڑا عجیب ہے۔ وہ صرف ان نعمتوں کو نعمت شمار کرتا ہے جو اس کے پاس نہیں ہوتی۔ گویا نعمت کا مفہوم اس کے نزدیک یہ ہے کہ وہ بھلائی جو دوسروں کو پہنچی مگر اسے نہ پہنچی۔ یہ سوچ لازماً ایسے اعمال کو جنم دے گی جن کی توقع کسی خدا پرست سے نہیں کی جا سکتی۔ بلاشبہ یہ رویہ اختیار کرنا انسان کی بدقسمتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان کے پاس ہر حال میں کھونے کے لیے اتنا کچھ ہوتا ہے جس کے مقابلے میں نہ ملی ہوئی یا مل کر چھن جانے والی چیزوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہوتی۔

مثال کے طور پر آج کل کا اہم ترین مسئلہ مالی تنگی ہے۔ لوگوں کے اخراجات آمدنی کے مقابلے میں اتنے زیادہ ہو گئے ہیں کہ زندگی گزارنا مشکل ہو چکا ہے۔ ایسے میں لوگ شکوے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شکایات کرنا شروع ہو جاتے ہیں۔ مزاج میں چڑچڑا پن آ جاتا ہے۔ دوسروں اور خصوصاً زیردستوں سے وہ بداخلاقی سے پیش آنے لگتے ہیں۔ آسمان والے سے بھی انہیں رنجش ہو جاتی ہے۔ ان کے مطابق اس نے انہیں دیا ہی کیا ہوتا ہے۔ وہ اس سے بے پرواہ ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس کی شکرگزاری سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس کی بندگی سے بے رغبت ہو جاتے ہیں۔

ایسے میں کوئی ان سے دریافت کرے کہ اگر آسمان والا انہیں ساری دنیا کے خزانے دیدے اور صرف ان کی آنکھیں چھین لے۔ کیا وہ یہ سودا پسند کریں گے؟ کیا وہ چاہیں گے کہ گاڑیوں میں بیٹھیں لیکن بیساکھیوں کے سہارے؟ کیا وہ لاکھوں روپے کے ایسے بینک اکاؤنٹ رکھنا پسند کریں گے جن کی چیک بکس تو ان کے پاس ہوں مگر ان پر سائن کرنے والے ہاتھ نہ ہوں؟ کیا وہ چاہیں گے کہ انہیں محل و جائیداد مل جائے لیکن اولاد لے لی جائے؟ کوئی یہ نہیں چاہے گا۔ پھر لوگوں سے یہ پوچھنا چاہیے کہ کیا وہ پچاس سال تک عیش و عشرت کی ایسی زندگی گزارنا پسند کریں گے جس کے بعد، زیادہ نہیں صرف پچاس ہزار سال تک جو آخرت کے ایک دن کے برابر ہیں، آگ میں جلنا پڑے؟

اگر جواب ''نہیں'' میں ہے تو پھر ایسے لوگوں کی خدمت میں یہ عرض کیا جائے گا کہ آپ ایک مہربان کی ناقدری مت کیجیے۔ اس کریم کی احسان فراموشی مت کریں جو آپ کو ستر ماؤں سے بھی زیادہ چاہتا ہے۔ جس نے بلا جبر اور بلا استحقاق ہمیں اتنا کچھ دیا ہے جو کسی نے دیا ہے نہ دے سکتا ہے۔ اس دنیا میں جس کو اچھی اولاد ملے وہ خوش نصیب گنا جاتا ہے۔ جسے اچھا شوہر یا بیوی ملے، اچھا استاد ملے، اچھا دوست ملے، اچھا افسر ملے، اچھا ہمسایہ ملے وہ خوش قسمت شمار ہوتا ہے۔ قرآن کی پہلی آیت بتاتی ہے کہ انسان بڑا خوش نصیب ہے کہ اسے اچھا رب مل گیا ہے۔ یہ بتاتی ہے کہ انسانوں کا واسطہ ایک ایسی ہستی سے ہے جس کی طرف سے انہیں ہر حال میں بھلائی ہی پہنچے گی۔ اور یہ بھلائی وہ لوگوں کو ان کی خوبیوں کی بنا پر نہیں دیتا، اپنی خوبیوں کی بنا پر دیتا ہے۔

زندگی میں اور کچھ نہیں کیا تو قرآن کی صرف اس ایک آیت کو سمجھ لیں۔ یہی ایک آیت ہدایت کے لیے کافی ہے۔ یہی ایک آیت نجات کے لیے کافی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ کیسی بری قناعت ہے

قناعت اعلیٰ ترین انسانی صفات میں سے ہے۔قناعت کرنے والا شخص اپنی خواہشات کو اپنی ضروریات اور حالات کے تابع کر دیتا ہے۔وہ زیادہ کی دوڑ میں شامل ہونے کے بجائے صبر کے دامن میں پناہ لیتا ہے۔وہ لوگوں سے مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے آپ سے مقابلہ کرنا پسند کرتا ہے۔بلاشبہ ایک قانع شخص بڑا ہی قابل تحسین ہوتا ہے۔

مگر قناعت کی ایک اور قسم ہے جو بہت بری ہوتی ہے۔اس قناعت میں بھی آدمی کم پر صابر وشاکر ہونا پسند کرتا ہے۔وہ دولت وثروت،شان وشوکت اور مقام ومرتبے میں دوسروں سے پیچھے رہنا گوارا کر لیتا ہے۔وہ نعمت وعزت کی اس سطح کو پسند کرتا ہے جو بلاشبہ ایک کم تر سطح ہے۔قناعت کی یہ قسم انسان اس دنیا اور اس کی نعمتوں کے لیے نہیں، بلکہ رب کی بنائی ہوئی جنت کے لیے اختیار کر لیتے ہیں۔

انسان کا وجود خواہشات کا اتھاہ سمندر ہے۔یہ سمندر اس قدر بڑا ہے کہ زمین وآسمان کی وسعت اس کے سامنے ہیچ ہے۔خواہشات کے اس اس لامحدود صحرا اور اس بحر ناپید کنار کی سمائی اگر کہیں ہے تو فردوس کی وہ حسین و بے مثل بستی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام تر قدرت کے ساتھ بنایا ہے۔کوئی شخص اگر خدا اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتا تو دوسری بات ہے، وگرنہ جس نے جنت کو مان لیا، اسے پہچان لیا، اس کے لیے ممکن نہیں کہ وہ اس بستی میں بلند مرتبے کی خواہش نہ کرے۔

جنت چونکہ آخرت میں آنے والی چیز ہے اس لیے اس کی حقیقی نوعیت کو سمجھانا اس دنیا میں ممکن نہیں ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تصورات کے پس منظر ہی میں اس کی وضاحت کی ہے .جس کے مطابق اس جنت میں کوئی دوسری اور تیسرے درجے کی چیز نہیں ہوگی۔اس میں صرف اور صرف دو مقامات ہیں۔ایک وہ مقام ہے جس میں اس دنیا اور انسانی تصور میں آنے والی بہترین نعمتیں اللہ تعالیٰ نے اکٹھی کر دیں ہیں۔ان نعمتوں پر کسی قسم کی روک ٹوک ہوگی اور نہ کبھی اللہ تعالیٰ ان کو منقطع کریں گے۔

دوسرا مقام وہ ہے جہاں مندرجہ بالا تمام نعمتوں کے ساتھ وہ نعمتیں بھی جمع کر دی جائیں گی جو نہ اس دنیا میں دستیاب ہیں اور نہ جن کا خیال بھی کبھی کسی انسان کے دل میں گزرا ہوگا۔اس میں خواہش کی تسکین کا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سامان بھی ہوگا اور لطف وسرور کی ان نئی سطحوں سے بھی انسان کو متعارف کرایا جائے گا، جس کا اس نے کبھی تصور بھی نہیں کیا ہوگا۔ اس مقام میں نعمتوں کی اس سطح کے ساتھ اللہ تعالیٰ بادشاہی کا عنصر جمع کر دیں گے۔

اس کو دنیا کے لحاظ سے اس طرح سمجھیں کہ ہر معاشرے میں ایک طبقہ امرا ہوتا ہے۔ جن کے پاس اس معاشرے میں دستیاب ہر نعمت میسر ہوتی ہے۔ تاہم اسی سوسائٹی میں ایک محدود طبقہ حکمرانوں کا بھی ہوتا ہے۔ جن کے پاس نہ صرف یہ تمام نعمتیں بھی ہوتی ہیں بلکہ وہ اپنے اختیارات اور طاقت کی بنا پر دنیا بھر سے اپنے لیے سہولت جمع کر لیتے ہیں۔ پھر حکمرانی کی انسانی جبلت کی تسکین بہر حال انہی میں سب سے زیادہ پوری ہوتی ہے۔

اس سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی جنت میں کوئی مقام حقیر اور کمتر نہیں۔ یہاں یا تو اعلیٰ مقام ہے یا پھر بہت اعلیٰ مقام۔ اسی لیے وہ قرآن میں اس جنت کے متعلق کہتے ہیں کہ محنت کرنے والو تمھیں اگر محنت کرنی ہے تو اس جنت کے لیے کرو۔ مقابلہ کرنے والو اگر مقابلہ کرنا ہے تو میرے اس شاہکار کے لیے کرو۔ قرآن تو آیا ہی اسی لیے ہے کہ دنیا کی حقیر پونجی کے پیچھے بھاگنے والوں کو جنت کی خبر دے۔ فانی دنیا کی فانی نعمتوں سے نکال کر جنت کی ابدی بادشاہی کی خبر دے۔ مگر بدقسمتی سے لوگوں نے اپنی قناعت کے اظہار کے لیے کوئی مقام چنا ہے تو وہ جنت کا مقام ہے، جہاں کوئی درجہ کمتر نہیں ہوتا۔

اصل بات یہ ہے کہ لوگ جنت کے لیے محنت نہیں کرنا چاہتے۔ وہ اس کو اپنی زندگی کا مقصود نہیں بنانا چاہتے۔ وہ اس کی قیمت نہیں دینا چاہتے۔ چنانچہ وہ بغیر محنت کے جنت میں کوئی چھوٹا موٹا مقام چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو جان لینا چاہیے کہ بغیر محنت کے آدمی کو اگر کچھ ملے گا تو وہ جہنم کی آگ ہوگی، جنت میں چھوٹا موٹا مقام نہیں۔

جنت کا وعدہ حقیقت ہے کوئی قصہ کہانی نہیں۔ اس کے لیے انسان کو سر توڑ جدوجہد کرنی ہوگی۔ قربانی کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔ اعلیٰ ترین اخلاقی اعمال کرنے ہوں گے۔ یہ نہ ہو سکے تو رب کے حضور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے اپنی غلطیوں کی تلافی کرنی ہوگی۔ عمل صالح کی کوشش کرنا ہوگی۔ جنت کے دو مقامات میں جانے کے یہی دو راستے ہیں، تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پاکستان کے امکانات

مغربی تہذیب کے موجودہ غلبہ سے قبل دنیا بھر میں مسلمان ایک غالب تہذیب کے طور پر موجود تھے۔ اس وقت مسلمانوں کی تین بڑی سلطنتیں قائم تھیں۔ ایران کی صفوی، ہندوستان کی مغلیہ اور ترکی کی عثمانی حکومت۔ انہوں نے دنیا کے تینوں متمدن براعظموں پر اپنا اقتدار قائم کر رکھا تھا۔

بیسویں صدی کے آغاز تک مغربی طاقتیں دنیا بھر پر غالب ہو گئیں۔ دیگر مسلم حکومتوں کی طرح انہوں نے مغلیہ سلطنت اور اس کے زیر نگین اس پورے علاقے پر قبضہ کر لیا جو آج دنیا میں جنوبی ایشیا کے نام سے جانا جاتا ہے۔ دیگر اسلامی ریاستوں کے برعکس مغلیہ سلطنت میں مسلمان ایک اقلیت میں تھے۔ مغلیہ حکمران مسلمان ضرور تھے مگر ان کی سلطنت میں ہندو مسلمان سب شامل تھے۔ جب انگریزوں نے یہاں کے لوگوں کو شکست دی تو یہ محض مسلمانوں کی شکست نہیں تھی بلکہ اس علاقے کے تمام لوگوں کو شکست دے کر اپنا اقتدار قائم کیا تھا۔

تاریخ میں یہ سوال بڑا اہم رہا ہے کہ ہزاروں میل دور سے آئے ہوئے گنتی کے غیر ملکی تاجر، اس وسیع و عریض ملک پر کس طرح قابض ہو گئے۔ خاص کر اگر یہ ذہن میں رہے کہ مقامی آبادی بہت زیادہ تھی اور دولت و ثروت کی کوئی کمی نہ تھی۔

اس سوال کے بہت سے جوابات دیے گئے ہیں۔ مگر غالباً تاریخی اعتبار سے سب سے زیادہ درست جواب یہ ہے کہ ہندوستان کی دولت و ثروت، وسائل کی فراوانی اور اسباب کی بہتات مقامی لوگوں کی سب سے بڑی کمزوری ثابت ہوئے۔ یہ پانچ ہزار سال تک نہ صرف غیر ملکی حملہ آوروں کو دعوت دیتے رہے بلکہ مقامی لوگوں کو بھی اتنا کمزور کر دیا کہ زمانہ قبل از تاریخ کے آریوں سے لے کر دور جدید کے انگریزوں تک ہر غیر ملکی حملہ آور کے مقابلے میں مقامی لوگوں کو شکست ہوئی۔

اناج، سبزیاں، پھل، کپاس، کپڑا، شکر، سونا چاندی، لوہا، مصالحہ جات اور دیگر اسباب زندگی ہندوستان میں کثرت کے ساتھ پیدا ہوتی تھیں۔ ملک کی وسعت، معتدل اور متنوع آب و ہوا، زرخیز زمین سونے چاندی کی فراوانی اور ہر طرح کے ہنرمندوں کی کثرت کی بنا پر یہ ملک ہمیشہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سونے کی ایک چڑیا بنا رہا۔ غیر ملکی حملہ آور ان کے لیے یہاں آتے اور ان کے اسیر ہو کر یہیں کے ہو جاتے۔ یہ نعمتیں چند نسلوں میں ان کی طاقت سلب کر لیتیں۔ زندگی میں ان کے لیے کوئی چیلنج نہیں رہتا، اس لیے اس کا مقابلہ کرنے کی عادت بھی ختم ہو جاتی۔ وہ کمزور ہونے لگتے اور جب کوئی نیا حملہ آور یہاں آتا تو سامان اور فوج کی کثرت کے باجود وہ سخت جان اور جفاکش دشمن کا سامنا نہ کر پاتے۔

آج اہل پاکستان، جو اس خطے میں عظیم مسلم اقتدار کے وارث ہیں، طرح طرح کے مسائل کا شکار ہیں۔ عظیم امکانات کی سرزمین ہونے کے باجود یہاں کا عام آدمی مسلسل تکلیف کے عالم میں ہے۔ یقیناً اس صورتحال کے بہت سے داخلی اور خارجی اسباب ہیں اور بلاشبہ یہ ایک انتہائی ناپسندیدہ صورتحال ہے۔ مگر اس کے نتیجے میں اہل پاکستان کی کو مسلسل چیلنجز کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ یہ چیلنجز دراصل اہل پاکستان کے لیے قدرت کی طرف سے طاقت کا بیش بہا خزانہ ثابت ہو رہے ہیں۔ انہی کی وجہ سے پاکستانی قوم اپنی صلاحیتوں میں دنیا کی دیگر اقوام سے بہت بہتر ہے۔

اقوام عالم میں پاکستانی قوم اگر پیچھے ہے تو اس کا سبب صلاحیتوں یا وسائل کی کمی نہیں بلکہ اس لیڈرشپ کا نہ ہونا ہے جو صحیح رخ پر ان صلاحیتوں کو موڑ سکے۔ ہماری لیڈرشپ اس وقت قوم کو صرف اور صرف ٹکراؤ کا سبق دے رہی ہے۔ وہ انہیں صرف اور صرف نفرت کی زبان سکھائی رہی ہے۔ ان کے نزدیک ہر مسئلہ صرف بندوق کی گولی سے یا سیاست کے میدان میں ٹھیک ہوتا ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ آج کے دور میں قوموں کی زندگی کا فیصلہ تعلیم کرتی ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ اخلاقی تربیت کے بغیر قومیں بام عروج کی سیڑھیاں طے نہیں کرتیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ صبر و اعراض کے بغیر کبھی طاقت حاصل نہیں کی جا سکتی۔

آج اگر اہل پاکستان صرف اپنی قیادت کا درست انتخاب کر لیں تو ان کے لیے ترقی اور عزت و سرفرازی کی نئی راہیں کھل جائیں گی۔ آج اہل پاکستان کے پاس سب کچھ ہے، صرف اچھے قائدین نہیں۔ اہل پاکستان اپنے قائدین بدل لیں، خدا ان کی تقدیر بدل دے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

زندگی کا سفر

ہوائی جہاز میں سفر کرنے والے مسافروں کی نشستوں کو عام طور پر دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ایک Economy Class اور دوسری First Class۔اکانومی کلاس میں سفر کرنے والوں کو جو سہولیات دی جاتی ہیں وہ بہت محدود ہوتی ہیں۔انہیں سہولیات سے زیادہ ضروریات کہنا مناسب ہوگا۔بیٹھنے کی نشستوں سے لے کر کھانے پینے کی اشیا تک ہر چیز ''کام چلاؤ'' کے اصول پر فراہم کی جاتی ہے۔

جبکہ فرسٹ کلاس میں ہر ضرورت، سہولت اور لگژری کے ساتھ فراہم کی جاتی ہے۔فرسٹ کلاس کی نشستیں وسیع اور کشادہ ہوتی ہیں۔بعض اوقات ان میں لیٹ کر سو جانے تک کی سہولت ہوتی ہے۔یہ جہاز کے اگلے حصے میں واقع ہوتی ہیں تاکہ اترنے اور چڑھنے میں مسافروں کو اولیت اور سہولت حاصل رہے۔ان کی خدمت کے لیے مقرر کردہ اسٹاف عموماً خوش شکل ہوتا ہے اور بہت پر جوش رویے کا مظاہرہ کرتا ہے۔انہیں کھانے پینے کی اشیا زیادہ مقدار میں اور زیادہ تنوع کے ساتھ دی جاتی ہیں۔یہ ساری سہولتیں فرسٹ کلاس والوں کا سفر بہتر بنانے کے لیے دی جاتی ہیں۔لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ سفر اکانومی کلاس میں ہو یا فرسٹ کلاس میں بہر حال گزر جاتا ہے۔دونوں قسم کے مسافر اپنی منزل پر پہنچ جاتے ہیں اور یہ سفر ماضی کی ایک یاد بن جاتا ہے۔

زندگی کا سفر بھی جہاز کے سفر سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔یہ سفر اکانومی کلاس میں بھی کیا جاسکتا ہے اور فرسٹ کلاس میں بھی۔دنیا میں ہر شخص یہ سفر فرسٹ کلاس میں کرنا چاہتا ہے۔اس میں کوئی حرج نہیں کہ یہ سفر فرسٹ کلاس میں کیا جائے، مگر زندگی میں اکثر اوقات فرسٹ کلاس میں سفر کی قیمت رزق حرام سے مال کما کر دی جاتی ہے۔یہ نہ بھی ہو تب بھی یہ فرسٹ کلاس زندگی آخرت کی ابدی نعمتوں سے انسان کو غافل کر دیتی ہے۔وہ یہ بات بھول جاتا ہے کہ زندگی بہر حال ایک سفر ہے، جسے کچھ دیر بعد ختم ہو جانا ہے۔اس سفر کی ہر خوشگوار بات عنقریب ماضی کی ایک یاد بن کر رہ جائے گی۔اصل زندگی تو موت کی منزل کے بعد شروع ہوگی۔مزہ یہ ہے کہ آدمی اس زندگی میں فرسٹ کلاس مقام حاصل کرے۔کیونکہ آخرت کی زندگی کسی سفر کا نہیں ابدی قیام کا نام ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

درخت اور انسان

قرآن پاک کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک اعلیٰ اخلاقی کردار ہی دین کا مطلوب و مقصود ہے۔کوئی انسان اگر اس کردار کے مطابق زندگی گزارنا چاہتا ہے تو اسے درخت کو اپنا آئیڈیل بنانا چاہیے۔درخت کے دو پہلو اس معاملے میں انسان کے لیے بہترین رہنما ہیں۔

ایک درخت کی زندگی کا سب سے نمایاں پہلو ہر قسم کے تعصب سے خالی ہونا ہوتا ہے۔ درخت ایک آفاقی پروڈکٹ ہے جس کی نشو ونما میں پوری کائنات حصہ لیتی ہے۔ درخت اپنے وجود کو بڑھاتا ہے اور اس عمل میں وہ کسی سے تعصب نہیں برتتا۔وہ ایک دوسرے درخت کے بیج سے جنم لیتا ہے، مگر اس کے بعد وہ بلا تعصب سورج سے روشنی قبول کرتا ہے۔ وہ بغیر کسی تعصب کے آسمان اور بادلوں سے پانی وصول کرتا ہے۔ وہ بغیر کسی تعصب کے فضا سے ہوا کو جذب کرتا ہے وہ بغیر کسی تعصب کے زمین سے اس کی زرخیزی اور مٹی اخذ کرتا ہے۔ان سب چیزوں کی مدد سے وہ اپنے وجود کو بڑھاتا ہے اور ایک چھوٹے سے بیج سے، ایک طاقتور اور سایہ دار درخت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔اگر وہ تعصب کا مظاہرہ کرتا تو کبھی کوئی بیج درخت نہ بن پاتا۔

درخت کی زندگی میں ہمارے لیے ایک دوسرا نمونہ اس اعتبار سے ہے کہ جب اس کے ساتھ برائی کا معاملہ ہوتا ہے، تب بھی وہ بھلائی کا معاملہ ہی کرتا ہے۔اس کی زندگی کے آغاز ہی پر اسے زمین میں دبا دیا جاتا ہے، لیکن وہ شکایت نہیں کرتا۔ بلکہ شکایت کیے بغیر وہ کوشش اور جدو جہد کرتا ہے اور زمین سے باہر نکل آتا ہے۔ جب وہ باہر نکلتا ہے تو یہ فضا اسے کاربن ڈائی آکسائیڈ دیتی ہے، لیکن وہ انسانوں کو پلٹ کر آکسیجن دیتا ہے۔اس کے وجود کو زمین بدشکل جڑ اور بے روپ تنے کی شکل میں جنم دیتی ہے۔ لیکن وہ پلٹ کر لوگوں کو سبزے، پھول اور پھل کی بہاریں دیتا ہے۔لوگ اسے پتھر مارتے ہیں، لیکن وہ اپنے پھل ان پر نچھاور کر دیتا ہے۔اسے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دھوپ ملتی ہے، لیکن وہ انسانوں کو سایہ دیتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک وقت آتا ہے کہ اسے کاٹ دیا جاتا ہے۔ مگر پھر بھی یہ لوگوں کے فائدے کے لیے ان کے گھر کا فرنیچر، ان کے بیٹھنے کا صوفہ اور ان کے لیٹنے کی مسہری بن جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب اسے آگ میں جلا دیا جاتا ہے تب بھی وہ لوگوں کو روشنی اور حرارت دیتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ درخت کی طرح جو انسان ہر طرح کے تعصب سے پاک ہو اور یکطرفہ طور پر مخلوق خدا کا خیر خواہ ہو، کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے اس کے صبر کا بہترین بدلہ دینگے اور اسے جنت کے ابدی باغوں میں ہمیشہ کے لیے بسا دیا جائے گا۔

حلال وحرام اور مشتبہ امور

"حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے۔ لیکن ان دونوں کے درمیان کچھ امور مشتبہ ہیں (یعنی جن کا حلال یا حرام ہونا صاف واضح نہیں ہے)۔ تو جس شخص نے اس چیز کو ترک کر دیا جس میں اس کو گناہ (حرام ہونے) کا شبہ ہو تو وہ اس چیز کو بھی چھوڑ دے گا جو صاف، صریح اور کھلا ہوا گناہ ہو۔ اور جو شخص ایسے مشتبہ امر (کو ترک کرنے کے بجائے اس) پر جری ہوگا (یعنی اس کا ارتکاب کرے گا) تو عنقریب وہ صریح اور واضح گناہ میں بھی مبتلا ہو جائے گا۔ اور معاصی (گناہ) اللہ تعالیٰ کی چراہ گاہیں ہیں جو جانور اس چراگاہ (گناہ ومعصیت) کے گرد چرے گا تو عنقریب وہ اس چراہ گاہ میں بھی پہنچ جائے گا (یعنی بالآخر گناہوں میں مبتلا ہو کر رہے گا)۔ (بخاری، کتاب البیوع)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بڑی بی کا مسئلہ

اسحاق ناگی صاحب ہمارے بزرگوں میں سے ہیں۔ پچھلے دنوں انہوں نے مجھے فون کر کے ایک مسئلہ میرے سامنے رکھا۔ وہ مسئلہ صرف ان کا یا میرا مسئلہ نہیں ہے، ہم سب کا مسئلہ ہے۔ اس لیے میں اسے اپنے قارئین کے سامنے رکھ رہا ہوں۔

ایک بزرگ خاتون ناگی صاحب کے پاس تشریف لائیں۔ انہوں نے ناگی صاحب سے کہا کہ وہ دودھ بیچنے کا کام کرتی تھیں۔ انہوں نے کبھی اپنے کام میں کسی قسم کی ملاوٹ نہیں کی۔ لوگوں سے اگر دودھ کے پیسے لیے تو انہیں خالص دودھ ہی بیچا۔ لیکن اب انہیں یہ خیال ہوتا ہے کہ لوگوں کو دودھ دیتے وقت ناپ تول میں جو کمی بیشی ان سے ہوگئی ہوگی۔ اور ایسا ہونا ناممکن نہیں ہے تو اس کا کیا ہوگا۔ کہیں خدا کے ہاں اس کا حساب کتاب تو نہیں ہوگا۔ یہ کہہ کر وہ بزرگ خاتون بہت روئیں۔ یہاں تک کہ ناگی صاحب کو بھی اس نے رلا دیا۔

جس وقت ناگی صاحب نے مجھے لاہور سے فون کر کے یہ بات بتائی میں اپنی اہلیہ کے ہمراہ ہسپتال میں موجود تھا۔ ایک مہینے سے میں ہسپتال، لیبارٹریوں اور ڈاکٹروں کو بھگت رہا تھا۔ میں نے ان میں سے ہر شخص کو پیسے لینے کے معاملے میں اتنا حساس پایا کہ اس کی کوئی حد نہیں ہے۔ مگر اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے معاملے میں بیشتر لوگوں کا معاملہ یہ تھا کہ گویا مفت میں اس سے کوئی بیگار لیا جارہا ہے۔

ہماری سوسائٹی میں برسوں سے صرف حقوق کی نفسیات پیدا کی جارہی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص صرف لینے کے معاملے میں حساس ہو چکا ہے۔ دینے کے معاملے میں کم ہی لوگ حساس رہ گئے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں اپنا فیصلہ اس طرح سنا دیا ہے۔

”تباہی ہے ڈنڈی مارنے والوں کے لیے، یہ جو دوسروں سے لیتے، تو پورا لیتے ہیں، اور جب ان کے لیے ناپتے یا تولتے ہیں تو اس میں ڈنڈی مارتے ہیں۔ کیا یہ گمان نہیں رکھتے کہ ایک دن اٹھائے جائیں گے؟ ایک بڑے دن کی حاضری کے لیے۔ اس دن جب لوگ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

رب العالمین کے حضور پیشی کے لیے اٹھیں گے۔'' (المطفّفین 83:6-1)

قرآن پاک کی یہ آیت صاف طور پر بتاتی ہے کہ قرآن ناپ تول میں ڈنڈی مارنے والوں کے لیے ہلاکت کا فیصلہ سناتا ہے۔ ناپ تول میں یہ ڈنڈی عام سوچ کے مطابق صرف دکان داروں تک محدود نہیں، بلکہ اس کا اطلاق ہر ایسے معاملے پر ہوتا ہے جہاں لوگ، اس معاہدے پر دوسروں سے کچھ لیتے ہیں، کہ وہ اس کے عوض لوگوں کو کچھ دیں گے بھی۔ چاہے دینے والا کوئی دکان دار ہو جو لوگوں کو سامان ضرورت دیتا ہو، چاہے دینے والا اپنا وقت دینے کا پابند ہو یا دفتروں میں ڈیوٹی کرنے والا کوئی ملازم۔ جس شخص نے پورا لینے کے بعد پورا نہ دیا وہ بلاشبہ ہلاک ہوگا۔

ناپ تول میں کمی اگر انسان سے ہو جائے، جیسا کہ ان بڑی بی سے زندگی میں کبھی ہوئی ہوگی، تو قرآن پاک کے مطابق (الانعام 6:153) یہ قابل معافی ہے۔ مگر جہاں لوگ لینے اور دینے کے پیمانے مکمل طور پر بدل دیں۔ جہاں یہ طے ہو جائے کہ دودھ بہر حال خالص نہیں دیا جا سکتا، پیٹرول بہر حال پورا نہیں دیا جا سکتا، دفتر میں پورا کام کرنا بہر حال ممکن نہیں ہے تو ایسی قوم کی ہلاکت کے لیے خدا کو قیامت کا انتظار کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

ہماری سوسائٹی میں بدقسمتی سے ایک سانحہ اور ہو گیا ہے کہ اب یہاں لینے کے بعد پورا نہ دینا، کچھ افراد کا معاملہ نہیں رہا ہے، بلکہ اب یہ سوسائٹی کا معروف طریقہ بن گیا ہے۔ جو شخص دفتر میں اپنا کام محنت سے کرتا ہے وہ بے وقوف سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا کرنے والا سب سے زیادہ عقلمند ہوتا ہے۔ کیونکہ قیامت کے دن وہ بالیقین اپنے آپ کو خدا کے احتساب سے بچا رہا ہوتا ہے۔ کیونکہ لینے کے بعد دینا تو ہر حال میں پڑے گا۔ دنیا میں نہیں دیا تو کوئی بات نہیں خدا قیامت کے دن دلوا دے گا۔ مگر اس روز انسان کے پاس دینے کے لیے سوائے اپنی نیکیوں کے اور کچھ نہیں ہوگا۔ اس روز اپنی غلطی پر رونے والی بڑی بی کو تو جنت میں بلند درجات مل جائیں گے، مگر جان بوجھ کر دھوکہ دینے والوں کے لیے جہنم کی وہ وادی ہوگی جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لیجیے انقلاب آ گیا

ہمارے ہاں ایک طویل عرصے سے انقلاب کا انتظار جاری ہے۔اس انتظار کا پس منظر یہ ہے کہ ہمارے ملک کے ذرائع وسائل پر، دیگر بہت سے ترقی پذیر ممالک کی طرح، استحصالی طبقات کا قبضہ ہے۔ فوج، جاگیردار، سیاستدان، سرمایہ دار اور بیوروکریسی میں پایا جانے والا استحصالی عنصر اس ملک کی سیاسی اور معاشی شہہ رگ پر قابض ہے۔ دوسری طرف عوام کو بنیادی سہولیات بھی میسر نہیں ہیں۔ غریب ہر دور میں چاہے وہ فوجی دور ہو یا عوامی سیاسی دور، یکساں طور پر پستا رہا ہے۔ حکومتیں بدلنے سے عوام کی تقدیر کبھی نہیں بدلی۔ ہر آنے والا پچھلے پر لعنت کرتا ہے، نئی روشنی اور ترقی کی نوید دیتا ہے اور جب جاتا ہے تو صورتحال پہلے سے زیادہ خراب ہو چکی ہوتی ہے۔ عوام کے کچلے جانے کا یہ عمل کئی دہائیوں سے جاری ہے۔

اس عرصے میں ہمارے مذہبی اور غیر مذہبی دانشور قوم کو ایک عظیم انقلاب کی نوید دیتے رہے ہیں۔ ان کا یہ خیال ہے کہ جس طرح روس، فرانس اور ایران میں انقلاب آیا تھا، اسی طرح پاکستان میں بھی عوامی انقلاب کی لہر استحصالی طاقتوں کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائے گی۔ انقلاب کی لہر کو پیدا کرنے کا جو طریقہ انہوں نے ٹھیک سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ وہ استحصالی طبقات کے خلاف غصے کی وہ آگ بھڑکائیں کہ لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والی تپش آتش فشاں بن کر دہکنے لگے۔ قلم کے جوش اور لہجے کی گرمی سے عوامی جذبات کو برانگیختہ کریں۔ اپنے فکر و نظر کے ہر سوتے کو صرف لوگوں میں ردعمل کی نفسیات کے فروغ کے لیے وقف کر دیں۔

چنانچہ اس پس منظر میں ہر قلمکار اور ہر مقرر کوشش کرتا ہے کہ وہ ان طبقات کے خلاف لوگوں کے ذہن میں نفرت کا زہر انڈیلتا رہے۔ ان کے ظلم، بدعنوانیوں، ریشہ دوانیوں سے عوام کو لمحہ بہ لمحہ آگاہ کرتا رہے۔ اس مقصد کے لیے صاحب اقتدار شخص کو عام طور پر ان استحصالی طبقات کا نمائندہ بنا کر سامنے لایا جاتا ہے۔ پھر یہ لوگ عوام کو بتاتے ہیں کہ ان کا ہر حکمران اصل میں حکمران نہیں بلکہ شیطان ہے۔ اس کے دور میں کوئی خیر نہیں اور اس کی ذات سے کسی کا بھلا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس قوم کی تاریخ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہی ہے کہ جو شخص حکومت میں آ جاتا ہے اس کی برائیاں لوگوں کو ازبر ہو جاتی ہیں اور اس کا ہر اچھا کام اس کا ذاتی مفاد ہی لگنے لگتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ عوام ہر سیاسی اور فوجی حکومت سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ سن ستتر تک عوامی تحریک کی مدد سے اور اس کے بعد عوام کی خاموش رضامندی کے ساتھ ہر حکومت بدل جاتی ہے۔ لیکن حکومتی تبدیلی چونکہ عوامی انقلاب کے مترادف نہیں ہوتی اس لیے وہ ایک دفعہ پھر نئے آنے والے پر اپنی توپوں کے دہانے کھول دیتے ہیں۔

لیکن ان مفکرین اور دانشوروں کو یہ نہیں معلوم کہ لوگوں کے ذہنوں میں منفی سوچ کا جو بیج انہوں نے لگایا تھا، وہ اب برگ وبار لانے لگا ہے۔ انقلاب آ گیا ہے۔ مگر یہ ایک بہت برا انقلاب ہے۔ لوگوں نے اپنے معاملات خود ٹھیک کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ مگر اس کا طریقہ یہ نہیں کہ استحصالی طبقات کے خلاف وہ اٹھیں، بلکہ وہ خود استحصالی طبقات میں شامل ہو گئے ہیں۔ ملازمت پیشہ لوگوں نے رشوت اور بدعنوانی کے ذریعے سے جبکہ تاجروں نے ملاوٹ اور گرانی کے ذریعے سے اپنے مسائل کا حل ڈھونڈ لیا ہے۔ مڈل کلاس کے ان دو نمایاں طبقات کے بعد جو غریب غربا رہ گئے تھے، انہوں نے اسٹریٹ کرائم کو اپنے ہر مسئلے کا حل بنا لیا ہے۔ سوسائٹی کے باقی لوگوں کے پاس سوائے صبر اور خودکشی کے کوئی اور چارہ نہیں بچا۔ سو سارے مفکرین اور دانشوروں کو مبارک ہو، انقلاب آ گیا ہے۔

مگر یہ راستہ تباہی کا راستہ ہے۔ ہم اس راستے کے ہر موڑ اور ہر رہگذر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو یہ بتائیں گے کہ یہ غلط راستہ ہے۔ نفرت نہیں بلکہ محبت، بدلہ نہیں بلکہ درگزر، برائی نہیں بلکہ بھلائی، یہی طریقہ ہے جو قوم کی نجات کا راستہ ہے۔ ساری دنیا میں اگر برائی پھیل جائے تب بھی ہمیں نیکی کرنی ہوگی اس لیے کہ ہمیں اپنا بدلہ اپنے رب سے لینا ہے، انسانوں سے نہیں۔ ہمیں آخرت چاہیے، دنیا نہیں۔ ہمیں حبیب خداؐ کے راستے پر چلنا ہے، کمیونسٹوں کے طریقے پر نہیں۔

اسی سے اصل انقلاب آئے گا۔ اسی سے اصل خیر پھوٹے گی۔ اسی سے صبح طلوع ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شام کا پیغام

یہ سردیوں کی ایک ٹھٹھرتی ہوئی شام تھی۔میں مغرب کی نماز پڑھ کر مسجد سے نکلا تو سرد ہوا کے جھونکوں نے میرا استقبال کیا۔میں نے سر اٹھایا۔آسمان پر ایک ایسا منظر تھا جس کے حسن نے مجھے مسحور کر کے رکھ دیا۔سردیوں کی اس گلابی شام میں آسمان کے مغربی افق پر گویا شعلے بھڑک رہے تھے۔سورج تو ڈوب چکا تھا مگر اپنے پیچھے شفق کی وہ لالی چھوڑ گیا،جس نے نیلے آسمان کو دلہن کے سرخ لباس کی طرح سجا دیا تھا۔

سرد ہوا میں انگاروں کی طرح دہکتے آسمان کا یہ منظر اتنا حسین تھا کہ پوری کائنات اس کے مشاہدے میں مصروف تھی۔پرندے اس آسمانی دلہن کی بارات کا دیدار کرتے ہوئے اپنے گھروں کو لوٹ رہے تھے۔فضا میں بکھرے بادلوں کو کوئی جلدی نہ تھی۔وہ اپنی جگہ ٹھہر کر اس حسین منظر سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔بلند قامت درخت بھی بادلوں کی دیکھا دیکھی،حسن فطرت کے اس نظارہ سے محظوظ ہونے لگے۔حد تو یہ ہے کہ شب کی سیاہی بھی اس منظر کو دیکھنے نکل آئی تھی۔

میں نے دیکھا کہ فطرت کی ہر شے اس بے حد حسین منظر کو دیکھ کر خالق کائنات کی حمد و تسبیح کرنے لگی ہے۔مگر جس ہستی کو زمین کا بادشاہ بنایا گیا تھا،وہ بالکل بے پروا اپنے دھندوں میں لگا تھا۔شاپنگ سنٹر سے نکلتے،گاڑیوں میں بیٹھتے،سڑکوں پر چلتے یہ لوگ سب سے بڑھ کر اس کے اہل تھے کہ یہ منظر دیکھتے اور خدا کی حمد اور تعریف کے نغمے گاتے۔مگر آہ یہ انسان،اس کے پاس ہر چیز کا وقت ہے۔خدا کی صناعی کو دیکھ اس کی ثنا اور تعریف کا وقت نہیں ہے۔

وہ جو اپنی ذات میں محمود ہے اس سے بالکل بے نیاز ہے کہ اس کی حمد کی جائے۔وہ تو اس جیسے نہ جانے کتنے جلوے صبح و شام ویرانوں میں بکھیرتا رہتا ہے۔جبریل و اسرافیل جس کی حمد کرتے ہوں ،اسے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ جن و انس میں سے کون اس کی شکر گزاری کرتا ہے اور کون نہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

افق پر سیاہی بڑھتی جا رہی تھی اور شام کی سرخی، گزرتی عمر کی طرح تیزی سے ڈھل رہی تھی۔ مجھے خیال آیا کہ یہ ڈوبتی شام ایک پیغام دے رہی ہے۔ وقت کم ہے۔ خدا کی حمد کر کے، اس شام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنے نام کر لو۔ خدا کی بادشاہی قائم ہونے کو ہے۔ جنت دلہن کی طرح سجائی جا رہی ہے۔ اُس کی ہر شام، اِس شام سے زیادہ حسین و دل نشین ہوگی۔ اسے مانگ لو۔ خدا اپنی حمد کے ساتھ کی گئی دعا رد نہیں کرتا۔ اس سے فردوس کی ابدی بادشاہی مانگ لو۔ جو جبریل و اسرافیل کو نہیں مل سکتا، وہ مانگ لو۔

اس شام کا یہ پیغام، باقی انسانوں کا مجھ پر قرض تھا، جو یہ تحریر لکھ کر میں نے اتار دیا۔

اسلام کے ستون اور ایمان کی شاخیں

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمارتِ اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر اٹھائی گئی ہے: اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکوۃ دینا، حج کرنا اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔''

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایمان کی ساٹھ سے اوپر کچھ شاخیں ہیں اور حیا (شرم ولحاظ) ان میں سے ایک (اہم ترین) شاخ ہے۔''

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنھما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھلاؤ اور جان پہچان رکھنے والوں اور نہ رکھنے والوں سب کو سلام کرو۔''

(بخاری)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دو قسم کی مکھیاں

شہد انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت ہے۔ انسان ہر دور میں اسے دوا، غذا اور ذائقے کے لیے استعمال کرتے رہے ہیں۔ شہد جس طرح انسانوں کو ملتا ہے وہ بھی ایک بڑی دلچسپ و عجیب شے ہے۔ شہد فطرت کی دیگر نعمتوں کے برعکس قدرتی طور پر دستیاب نہیں ہوتا بلکہ ایک خاص قسم کی مکھی کی ذہانت، صلاحیت اور محنت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ عمل اتنا غیر معمولی ہے کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ بیان کیا ہے کہ:

''ہم نے شہد کی مکھی پر اس پورے عمل کو وحی کیا ہے''۔ (النحل 16:67)۔

اس عمل میں شہد کی مکھی فطرت کے دسترخوان سے ان گنت پھولوں کا رس چوستی ہے اور پھر اسے شہد میں تبدیل کر کے انسانوں کے لیے فراہم کرتی ہے۔

شہد کی مکھی کے برعکس گھروں وغیرہ میں پائے جانے والی ایک دوسری مکھی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔ یہ مکھی عام طور پر گندی اور غلیظ چیزوں پر بیٹھتی ہے اور وہیں سے مختلف جراثیم انسانوں کے کھانے پینے کی اشیا میں منتقل کر دیتی ہے۔ یوں یہ انسانوں کو شہد کے بجائے بیماری کا تحفہ دیتی ہے۔

مکھیوں کی ان دو اقسام کی طرح انسانوں کی بھی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک انسان وہ ہوتے ہیں جو شہد کی مکھی کی طرح پھولوں اور ان کے رس میں دلچسپی لیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انسانوں سے حسن ظن رکھتے ہیں۔ ان کے متعلق برا گمان کرنے سے پرہیز کرتے ہیں۔ محض ظن و گمان کی بنیاد پر لوگوں کے متعلق رائے دینے سے پرہیز کرتے ہیں۔

اس کے برعکس دوسرے قسم کے لوگ گندگی کی مکھی بننا پسند کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو انسانوں سے ہمیشہ بدگمانی کرتے ہیں۔ وہ چن چن کر اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہر بات کے منفی پہلو تلاش کرتے ہیں۔ وہ بلا تحقیق رائے قائم کرتے اور بلا ثبوت الزام دھرتے ہیں۔ ان کی دلچسپی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

انسانوں کے نقائص، عیوب، کمزوریوں اور خامیوں تک رہتی ہے۔ یہ کبھی انہیں نہ ملیں تو بدگمانی کر کے انہیں دریافت کر لیتے ہیں اور پھر اطمینان سے ہر جگہ پھیلاتے ہیں۔

پہلی قسم کے لوگ اپنے حسن ظن کی وجہ سے معاشرے کو حسن نظر اور حسن عمل کا شہد دیتے ہیں۔ مگر دوسری قسم کے لوگ معاشرے کو صرف اور صرف بیماریاں دیتے ہیں۔ معاشرے میں الزام، بہتان، غیبت، تضحیک اور انسانوں کے تمسخر و تذلیل کی بیماریاں ان کی بدگمانی ہی سے جنم لیتی ہیں۔

ہر انسان کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ دیکھے کہ آیا اس نے زندگی شہد کی مکھی کے اصول پر گزاری ہے یا گندگی کی مکھی کی طرح وہ غلاظتوں کا اسیر بن کر رہ گیا ہے۔



رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ایک ذکر

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

''اللہ کے سوا کوئی الہٰ نہیں؛ وہ تنہا ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں؛ بادشاہی اُس کی ہے اور حمد بھی اُسی کے لیے ہے، اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔''

ان کلمات کے حوالے سے ارشاد گرامی ہے: ''جس نے دن میں سو مرتبہ یہ ذکر کیا، اُس کے لیے دس غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر اجر ہے، اِس کے علاوہ سو نیکیاں اُس کے نامۂ اعمال میں لکھ دی جاتی ہیں اور سو گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اور شام تک وہ شیطان سے پناہ میں ہوتا ہے۔ (بخاری، رقم: 3293)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جعلی نوٹ

پچھلے دنوں اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ پانچ ہزار کا جعلی نوٹ مارکیٹ میں پھیل رہا ہے۔ یہ نوٹ بظاہر بالکل اصلی نوٹ جیسا ہے۔ جب تک بہت غور سے نہ دیکھا جائے اصلی اور جعلی نوٹ کا فرق واضح نہیں ہو پاتا۔

تاہم حقیقت یہ ہے کہ کوئی جعلی نوٹ کبھی سو فیصد اصلی نوٹ جیسا نہیں ہوتا۔ اصلی نوٹ حکومت کی اس ضمانت کے ساتھ جاری ہوتا ہے کہ جب کبھی کوئی شخص یہ نوٹ لے کر حکومت کے پاس جائے گا تو وہ اس کے عوض، نوٹ پر لکھی ہوئی رقم کے مساوی قیمت اسے دے گی۔ یہ قیمت سونے کی شکل میں بھی ہوسکتی ہے اور فارن کرنسی کی شکل میں بھی۔ نوٹ حکومت پر ایک بہت بڑی ذمہ داری ہوتا ہے، اس لیے وہ اہتمام کرتی ہے کہ اس کی نقل تیار نہ ہوسکے اور اس کے لیے بہت سے اقدامات کیے جاتے ہیں۔

نوٹ کا مخصوص کاغذ، اس کا رنگ، اس میں ڈلا ہوا دھاگہ، ابھری ہوئی تحریر اور پوشیدہ تصویر وغیرہ سب مل کر اس کو یقینی بناتے ہیں کہ جعلی نوٹ کسی نہ کسی طرح پہچان میں آجاتا ہے۔ تاہم اس کے باوجود جعلی نوٹ چھپتے ہیں اور لوگوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ لین دین کرتے ہوئے نوٹ کو غور سے نہیں دیکھتے اور نہ اسے جانچتے ہیں۔

جس طرح جعل ساز لوگ جعلی نوٹ بناتے ہیں اسی طرح شیاطین اور گمراہ لوگ جعلی عقائد اور مصنوعی شریعت بھی گھڑ کر لوگوں کے سامنے ہر دور میں پیش کرتے رہے ہیں۔ یہ جعلی عقائد اصل میں توہمات اور جعلی شریعت لوگوں کے دین میں اپنے اضافے اور بدعتیں ہوتی ہیں۔ توہمات اور بدعات بلاشبہ کبھی ایمان اور شریعت کی جگہ نہیں لے سکتے۔ ایمان اور شریعت پر جنت کی ضمانت ہے جبکہ توہم پرستی اور بدعات کا انجام جہنم کا جیل خانہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود لوگ ان میں پھنس جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ جعلی نوٹ کی طرح ان چیزوں کو بھی نہیں پرکھتے۔ حالانکہ جعلی نوٹ سے کہیں زیادہ آسان پہچان ان کی ہے۔ ہر عقیدہ اور عمل کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھنے سے اصلی و جعلی کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

ایک مومن پر یہ لازم ہے کہ وہ ہر عقیدہ اور عمل کو اس کسوٹی پر پرکھے۔ جس نے یہ کیا وہ جنت میں جائے گا اور جس نے یہ نہ کیا اس کی کل کمائی کل قیامت کے دن جعلی نوٹ ثابت ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

چوہا اور انسان

جینیاتی طور پر چوہا ایک ایسا جانور ہے جو انسانوں سے بہت قریب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سائنسدان جب انسانی بیماریوں پر تحقیق کرتے ہیں تو بالعموم چوہوں کو تختۂ مشق بناتے ہیں۔ ان میں بیماریوں کے جراثیم داخل کیے جاتے ہیں اور پھر مختلف تجرباتی دوائیں اور ویکسین دے کر ان کے نتائج دیکھے جاتے ہیں۔ اگر یہ تجربات کامیاب رہتے ہیں تو پھر انسانوں کو یہ دوائیں دی جاتی ہیں، تا کہ حتمی نتائج کی جانچ کی جا سکے۔ شاید یہ اسی جنیاتی مماثلت کا نتیجہ ہے کہ چوہے گھروں میں گھس کر انسانی غذائیں مثلاً روٹی وغیرہ شوق سے کھاتے ہیں اور دیگر کار آمد اشیا بھی کتر جاتے ہیں۔ اس لیے انسان انہیں سخت ناپسند کرتے ہیں اور ان سے پیچھا چھڑانے کے لیے مختلف حربے استعمال کرتے ہیں۔

آج کل چوہوں سے نجات حاصل کرنے کے لیے ایک نئی قسم کا ٹریپ استعمال ہو رہا ہے۔ اس میں سے انسانی غذا مثلاً روٹی چاول وغیرہ کی انتہائی تیز خوشبو اٹھ رہی ہوتی ہے۔ اس کی ایک سائیڈ خالی ہوتی ہے اور دوسری سائیڈ پر ایک انتہائی طاقت ور گلو (ایک اچھی قسم کا گوند) لگا ہوتا ہے۔ رات کے وقت اسے چوہوں کی آمد و رفت کے راستے میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اندھیرا ہوتے ہی چوہے خوشبو کے پیچھے دوڑتے ہوئے آتے ہیں اور اس پر چڑھ جاتے ہیں، مگر پھر انہیں اس سے اترنا نصیب نہیں ہوتا، کیونکہ انتہائی طاقت ور گلو ان کے پاؤں جکڑ لیتا ہے۔

عام چوہے دان ایک چوہے کو پکڑ کر غیر مؤثر ہو جاتا ہے، مگر یہ ٹریپ خوراک کی خوشبو کے پیچھے آنے والے مزید چوہوں کا شکار کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ ٹریپ کی جگہ ختم ہو جائے یا چوہے ختم ہو جائیں یا رات ختم ہو جائے۔ پھر صبح اس قید خانے کو چیختے چلاتے قیدیوں کے ساتھ اٹھا کر کوڑے دان میں پھینک دیا جاتا ہے۔ جہاں وہ جان سے چلے جاتے ہیں، مگر اپنی جگہ سے ہل نہیں پاتے۔

یہ عجیب سانحہ ہے یا شاید یہ بھی جنیاتی مماثلت کا اثر ہے کہ اتنی ہوشیاری سے چوہوں کا شکار کرنے والا انسان خود بھی اکثر ایک "چوہا" ثابت ہوتا ہے۔ جنس اور پیٹ کے تقاضے، اولاد کی محبت، مال کی حرص، شہرت کا نشہ، اقتدار کی ہوس، معاشرے میں بلند اسٹیٹس کی تمنا، وسیع بینک بیلنس، بڑی بڑی جائدادیں، ترقی کرتے ہوئے کاروبار، چلتے ہوئے کارخانے، نئے ماڈل کی چمکتی دمکتی گاڑیاں، عالیشان گھر، فارن ٹرپس اور نہ جانے کیا کچھ، یہ سب آدمی کے لیے اکثر اوقات چوہے دان ثابت

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہوتے ہیں، جنھیں اس کا شکاری، ابلیس، اس کی راہ میں رکھ دیتا ہے۔ ان کی کشش میں انسان پیغمبروں سے انگلی چھڑا کر دیوانہ وار ان کی طرف بھاگتا ہے۔ قرآن پیچھے سے آوازیں دیتا رہ جاتا ہے کہ "یہ تو دنیا کی زندگی کا سازوسامان ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ بہتر ٹھکانہ ہے" مگر کون پلٹ کر دیکھتا ہے۔

انسان خواہشات کی ایک فہرست بناتا ہے اور ان کے پیچھے دوڑ لگا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو پالیتا ہے، مگر عین اسی لمحے حالات کا "گلو" اسے جکڑ لیتا ہے۔ خواہشات کی محدود فہرست ایک لامحدود چکر میں بدل جاتی ہے۔ وہ لاکھ سر پٹخ لے، اس کے لیے ناممکن ہوتا ہے کہ وہ اس چکر سے نکل جائے۔ اس کے بعد صرف موت اس کا مقدر ہوتی ہے، پھر جو بچتا ہے، وہ درحقیقت صرف ایک چلتی پھرتی زندہ لاش ہوتی ہے، جس سے اٹھنے والے تعفن کو ہم جیسے لوگ شاید محسوس نہ کرسکیں، مگر خدا کے فرشتے وہاں سے ناک بند کر کے گذرتے ہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ نیکی کے فرشتے تو وہاں سے گذرتے ہی نہیں، ہاں صرف وہ فرشتے گذرتے ہیں جن کا کام ایسے "چوہوں" کو وقت آنے پر اٹھا کر جہنم کے کوڑے دان میں پھینکنا ہوتا ہے۔

انسانوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک کے بعد ایک اس ''ٹریپ'' میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ پہلا ''چوہا'' بھی وہاں مزے کر رہا ہے۔ اس کے دیکھا دیکھی وہ بھی اپنا حصہ وصول کرنے کے لیے اس دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ بالآخر سب کا ایک ہی انجام ہوتا ہے۔ البتہ جو لوگ خواہشات کے اس جال سے بچ کر نکل جائیں، ان کا استقبال عالم کا پروردگار خود یوں کرے گا:

''اے نفس مطمئنہ، لوٹ چل اپنے رب کی طرف اس طرح کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ پھر داخل ہو جا میرے بندوں میں اور داخل ہو جا میری جنت میں''۔

چوہوں کو پکڑنے والو! اپنے چوہے دان کو پہچانو۔ تمہارے شکاری ابلیس نے اس دور میں نت نئے چوہے دان بنا لیے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کسی روز تم بھی کسی جال میں جکڑے جاؤ اور تمہیں خبر تک نہ ہو۔

اپنے حصے کی روٹی کی تلاش میں پیغمبر سے انگلی مت چھڑاؤ۔ کبھی خدا کی اس کتاب کو بھی پلٹ کر دیکھ لو جس کے لیے دنیا کی کامیابی اتنی ہی غیر اہم ہے جتنی تمہارے لیے آخرت، زندگی کی شام ڈھلنے کو ہے۔ کیوں فانی دنیا کے لیے ابدی آخرت کو کھوتے ہو، کیوں عارضی لذتوں کے لیے بے مثل جنت کو کھوتے ہو۔

دو چار روز اور ہے خوابوں کا سلسلہ
پھر ابد تک رہے گا عذابوں کا سلسلہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہمارا صاحب

خاتون نے فون اٹھایا، مخاطب کی بات سنی اور کہا، ''سر میٹنگ میں ہیں، آپ کچھ دیر بعد فون کرلیں''۔ مخاطب نے مزید کچھ کہا، مگر خاتون اپنے اصرار پر قائم رہیں کہ اس وقت صاحب سے بات نہیں ہوسکتی۔

میں نے یہ گفتگو سنی اور خدا کی عظمت کا ایک نیا در مجھ پر وا ہوگیا۔ خدا کتنی عظیم ہستی ہے۔ کروڑوں اور اربوں کہکشاؤں کا انتظام کرنے والا رب، لاکھوں قسم کی کھربوں مخلوقات کو رزق فراہم کرنے والا رب، ختم نہ ہونے والی اور سمجھ میں نہ آنے والی دنیا کے معاملات چلانے والا رب۔ اس رب سے، اس بادشاہ سے، اس مالک سے اگر کبھی کوئی بندۂ ناچیز ملنا چاہے، اس سے بات کرنا چاہے، فریاد کرنا چاہے تو اسے کسی سیکرٹری سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ اسے کسی کمرہ انتظار میں بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔ اسے کسی فون لائن پر ہولڈ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا فون انگیج اور موبائل کبھی بند نہیں ہوتا۔

انسان جب جب رب کو پکارتا ہے تو وہ سنتا اور بلا تاخیر جواب دیتا ہے۔ مگر انسان امتحان میں ہے۔ اس لیے وہ جو کرتا ہے، غیر محسوس طریقے پر کرتا ہے۔ تاکہ لوگ بن دیکھے اس کی عظمت کو مانیں اور اس کی جنت کے حقدار بنیں۔

مگر آہ! یہ بدنصیب انسان، خدا کے بجائے انسانوں کی عظمت میں جیتا ہے۔ خالق کے بجائے مخلوق کا در کھٹکھٹاتا ہے۔ رب کے بجائے بندوں پر بھروسہ کرتا ہے۔ اصل ''صاحب'' کے بجائے عارضی اور فانی صاحبوں کے پیچھے دوڑتا ہے۔

مگر سچ یہ ہے کہ یہاں سارا اختیار اور سارا اقتدار صرف اور صرف ایک ہی ''صاحب'' کے لیے ہے۔ اسی کی شان سب سے اونچی اور اسی کی ذات سب سے بلند ہے۔ جس خوش نصیب نے اس بات کو دریافت کرلیا، اس کی نظر میں خدا کے سوا کوئی جچ نہیں سکتا۔ اس کا سر خدا کے سوا کسی کے سامنے جھک نہیں سکتا۔ اس کی ہر چاہت اور ساری حمد رب العالمین کے لیے خاص ہو جاتی ہے۔

آج اگر لوگوں نے خدا کو نظر انداز کردیا ہے تو یہ ان کی بدنصیبی ہے۔ لوگوں کو بہر حال خدا کے سامنے جھکنا ہے۔ آج عقل کی آنکھ سے پہچان کر نہیں جھکے تو کل سر کی آنکھوں سے دیکھ کر جھکنا پڑے گا۔ مگر اس روز کا جھکنا سوائے ندامت اور خسارے کے کسی اور چیز میں اضافہ نہیں کرے گا۔

انسان کو خدا کے سامنے ڈھیر ہونا ہی ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ جو آج ہی خدا کی عظمت کے سامنے ڈھیر ہوگئے۔ بدنصیب ہیں وہ جو کل خدا کی عظمت کے سامنے ڈھیر ہوں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جلد بازی

میں سگنل کے قریب پہنچا تو سرخ بتی روشن ہوگئی۔ میں نے گھڑی دیکھی اور وقت کا شمار کرنے لگا۔ پینتالیس سیکنڈ بعد سگنل کھلا اور میں آگے بڑھ گیا۔ میں نے حساب لگایا کہ وہ گاڑی والا جو میرے ساتھ تھا اور سرخ اشارے کے باجودر کے بغیر آگے بڑھتا چلا گیا وہ اپنی منزل تک کتنا جلدی پہنچا ہوگا۔ اگر راستے میں چار سگنل بند ملیں تو پینتالیس سیکنڈ فی سگنل کے حساب سے کل تین منٹ کی تاخیر اسے پیش آئی ہوگی۔ پھر میں نے سوچا کہ کیا ہماری قوم وقت کی اتنی پابند ہے کہ سیکنڈ اور منٹ کے حساب سے اپنی ملاقاتوں اور دفتری اوقات کی پابندی کرتی ہے؟

اس سوال کا جواب ہر شخص جانتا ہے۔ پھر کیا سبب ہے کہ اپنی اور دوسروں کی جان خطرے میں ڈال کر سگنل توڑ دینا ہمارے معمولات میں شامل ہے۔ بے اختیار میرے ذہن میں قرآن پاک کی وہ آیت گونجی، ''خلق الانسان من عجل''۔ انسانی مشین کو بنانے والے نے بڑے باکمال انداز میں مشین کا مسئلہ بیان کردیا۔ انسان طبعاً جلد باز واقع ہوا ہے۔ جلد بازی کے اس رویے کو اچھی تربیت سے قابو میں نہ کیا جائے تو یہ انسان کے اوپر مسلط ہوجاتا ہے۔ ہماری قوم میں تربیت کے تمام ادارے کم وبیش تباہ ہو چکے ہیں، اس لیے جلد بازی جیسی منفی عادت کو ایک حد میں رکھنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آتی۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آئے دن سڑکوں پر موت کا رقص ہوتا رہتا ہے۔ سگنل توڑنے کے علاوہ، حد رفتار سے زیادہ تیز گاڑی چلانا، آپس میں ریس لگانا، غلط اوورٹیک کرنا، یہ اسی طبیعت انسانی کے وہ مظاہر ہیں جن کو ہر روز ہم اپنی سڑکوں پر دیکھتے ہیں اور جس کے نتیجے میں ہر روز ان گنت بوڑھے جوان، چھوٹے بڑے، مرد وعورت، معمولی سی جلد بازی کی وجہ سے موت کی آغوش میں چلے جاتے ہیں۔

ہم میں سے ہر شخص کی یہ مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ اگر اپنی شخصیت کو بہتر بنانا چاہتا ہے تو اپنی طبیعت میں موجود جلد بازی کے عنصر پر قابو پانے کی کوشش کرے۔ جلد بازی کا رویہ صرف سڑکوں ہی پر نہیں بلکہ زندگی کے عام معمولات میں بھی ہمیں بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ اسی لیے بڑوں میں یہ محاورہ مشہور تھا کہ جلدی کا کام شیطان کا ہوتا ہے۔ شیطان بلاشبہ انسان کا دشمن ہے۔ وہ ہمیں جلدی میں مبتلا کرکے ہماری دنیا اور آخرت دونوں کو بدترین نقصان پہنچاتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گالی کا جواب

ہمارے ادارے سے کچھ عرصہ قبل ایک بزرگ متعارف ہوئے تھے۔پچھلے دنوں وہ میرے دفتر تشریف لائے۔گفتگو کے دوران انہوں نے مجھے بتایا کہ ہمارے ادارے سے متعلق ہونے کے بعد ان میں ایک بڑی تبدیلی آئی ہے۔وہ یہ کہ پہلے گاڑی چلاتے ہوئے جب کوئی شخص غلط حرکت کرتا ہوا نظر آتا تھا تو بے اختیار ان کے منہ سے گالی نکلتی تھی۔مگر اب ایسا نہیں ہوتا۔اب وہ اس طرح کا کوئی مسئلہ پیش آنے پر یہ خیال کرتے ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہے۔اس لیے وہ خاموشی سے صبر کرتے ہیں۔

اس دنیا میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ انسانوں کو انسانوں کے ذریعے سے تلخ تجربات پیش آتے ہیں۔ لوگ انہیں انسانوں کی طرف سے خیال کر کے انتہائی منفی ردعمل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔اس کی ایک مثال مذکورہ بزرگ کا دوسرے کے لیے سخت الفاظ کا استعمال ہے۔ظاہر ہے کہ اس طرح کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد دوسرے آدمی سے آپ کسی اچھے رویے کی توقع نہیں کر سکتے۔گالی کا جواب گالی ہی ہوا کرتا ہے۔

تاہم جب کوئی انسان اس طرح کے واقعات کو خدا کی آزمائش تصور کر کے صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے بہترین اجر لکھ دیا جاتا ہے۔خدا کے فرشتے زمین پر اتر کر اس کے قلب پر سکینت نازل کرتے ہیں۔وہ پریشانیوں اور ذہنی دباؤ سے محفوظ رہتا ہے۔ساتھ ہی وہ دوسروں کو اپنے شر سے بچا لیتا ہے۔اس کے نتیجے میں مجموعی طور پر معاشرے میں خیر بڑھتا ہے اور شر کم ہوتا ہے۔

ہمارے معاشرے میں لوگوں کی تربیت اس طرح ہو رہی ہے کہ وہ فوری طور پر اشتعال میں آجاتے ہیں۔وہ صبر کی اعلیٰ ترین انسانی صفت سے محروم ہو چکے ہیں۔جس معاشرے سے یہ صفت ختم ہو جائے وہاں تھوڑے عرصے میں جان، مال اور آبرو کا تحفظ ختم ہو جاتا ہے۔

صبر کی نفسیات کا فروغ اس وقت ہماری سب سے بڑی ضرورت ہے۔اس نفسیات کے حصول کا ذریعہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ ہم منفی واقعات کو خدا کی آزمائش سمجھیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گر چہ میں راکھ ہوں، گر چہ میں خاک ہوں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنا دوست قرار دیا ہے۔ان کی جتنی تعریف قرآن پاک میں کی گئی ہے، اتنی تعریف کم ہی کسی نبی کی گئی ہے۔ غالباً یہی سبب ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے درود کے الفاظ سیکھنا چاہے تو آپ نے انہیں درود ابراہیمی سکھایا، جس میں حضورؐ پر اسی طرح رحمت اور برکت کی دعا ہے جس طرح حضرت ابراہیم پر رحمت اور برکت کی گئی۔

قرآن ایک مقام پر ان کے متعلق یہ کہتا ہے کہ وہ بڑے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔ یہ وہ موقع تھا جب آپ نے حضرت لوطؑ کی قوم کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی تھی۔ یہ بدبخت قوم بدترین فحاشی میں مبتلا تھی اور اپنی بدبختی اور جرائم کی بنا پر رحم وکرم کے ہر دروازے کو بند کر چکی تھی۔ فرشتے اس قوم کو سزا دینے سے پہلے حضرت ابراہیم کے پاس آئے اور انہیں حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب کی خوش خبری دی۔ پھر قوم لوط پر عذاب کے فیصلے کا ذکر کیا۔اس پر حضرت ابراہیم نے اس قوم کے لیے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست انتہائی موثر اسلوب میں بڑے اصرار سے کی۔

بائبل میں اس اصرار کی تفصیل آئی ہے۔ بائبل کے مطابق اس موقع پر آپ نے عرض کیا کہ اے رب اگر قوم میں پچاس نیک لوگ ہیں تو ان کی وجہ سے قوم کو معاف کر دے، جواب ملتا ہے کہ اس قوم میں پچاس نیکوکار بھی نہیں ہیں، پھر وہ کہتے ہیں کہ اگر پینتالیس راستباز ہوں تو قوم کو معاف کر دے، مگر یہی جواب ملتا کہ پینتالیس بھی نہیں۔ پھر وہ گنتی کم کرتے ہوئے دس آدمیوں تک آجاتے ہیں مگر ہر دفعہ ایک ہی جواب ملتا ہے کہ اتنے لوگ بھی نہیں۔اس گفتگو میں جو چیز سب سے زیادہ پر اثر ہے وہ سیدنا ابراہیم کا انداز گفتگو ہے جو وہ پروردگار عالم کی بارگاہ میں اختیار کرتے ہیں۔ان کے الفاظ بائبل میں یوں نقل ہوئے ہیں:

”دیکھیے! میں نے خداوند سے بات کرنے کی جرات کی، اگرچہ میں راکھ اور خاک ہوں۔“،(پیدائش 20:18)

حضرت ابراہیم کے یہ الفاظ بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گفتگو کرنے کا ادب کیا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کائنات کے خالق اور مالک ہیں۔ان کی عظمت کا عالم یہ ہے کہ ان کی بادشاہی میں یہ ختم

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نہ ہونے والی کائنات ایک ذرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتی۔ان کی مرضی اور علم کے بغیر ایک پتہ بھی نہیں گر سکتا۔ان کی ہیبت سے بڑے بڑے فرشتے لرزتے اور کانپتے ہیں۔وہ اگر اشارہ کر دیں تو ساری مخلوقات لمحہ بھر میں ختم ہو جائیں۔ان کا کرم نہ ہو تو انسانیت بغیر ہوا اور پانی کے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائے۔آسمان و زمین کی ہر شے ہر لمحہ ان کی حمد، تسبیح اور تعریف کرتی اور ان کی عظمت کے ترانے پڑھتی رہتی ہے۔آج ہر چند کہ اس نے اپنے جلال پر غیب کا پردہ ڈال رکھا ہے، مگر روز قیامت جب وہ یہ نقاب اتارے گا تو اس کے جلال کی تاب نہ لا کر یہ پہاڑ، سمندر، آسمان سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔

ایسی ہستی کے حضور گفتگو کا ادب وہی ہونا چاہیے جو حضرت ابراہیم نے اختیار کیا تھا۔یہی سارے انبیا کا طریقہ ہے۔اسی کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان دعاؤں سے ہوتا ہے جو مختلف کتب احادیث میں ملتی ہیں۔تاہم حضرت ابراہیم کے واقعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ خدا اگرچہ بہت بلند، عظیم، صاحب قدرت اور صاحب جلال ہے، مگر اس کے ساتھ وہ بے حد محبت کرنے والا، رحمدل اور کریم بھی ہے۔وہ جس طرح مجرموں کو سزا دینے میں سخت ہے اسی طرح وہ اپنے محبت کرنے والوں اور فرمانبرداروں پر بیحد مہربان ہے۔

اس محبت اور مہربانی کا اندازہ اس تبصرے سے ہوتا ہے جو قرآن نے قوم لوط پر عذاب کے وقت حضرت ابراہیم کی اوپر بیان کردہ گفتگو کے بارے میں کیا۔ عدل کے تقاضوں کے مطابق قوم لوط کو معاف نہیں کیا جا سکتا تھا، اس لیے ان کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ نہیں بدلا، مگر اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیم کا رویہ ایسا پسند آیا کہ حضرت ابراہیم کے اصرار کو قرآن نے یوں بیان کیا ہے کہ:

”ابراہیم ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑا کرنے لگا۔وہ بڑا نرم دل اور رجوع کرنے والا تھا“۔

اللہ سے جھگڑا کرنے کے پیرایۂ بیان سے جو محبت ٹپکتی ہے اس کا اندازہ کوئی صاحبِ دل ہی کر سکتا ہے۔مگر اللہ تعالیٰ کا یہ تبصرہ بتاتا ہے کہ جو شخص خود کو رب کے لیے مٹا دے، خدا اسے عظمت کی آخری بلندیوں تک اٹھا کر لے جاتا ہے۔وہ خدا کے مقابلے میں خود کو راکھ کہے اور خدا اسے اس مقام پر پہنچا دے جہاں وہ خدا کا دوست اور اس سے ’جھگڑا‘ کرنے والا بن جاتا ہے۔وہ خود کو خاک کہے اور خدا اسے وہ رحمتیں اور برکتیں عطا کرے جن کی خواہش خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم بھی کرتے ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قیادت کا مسئلہ

ہمارے ہاں آئے دن اخبارات میں ایسے حادثات کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں، جن میں کوئی تیز رفتار ویگن یا بس کسی موٹر سائیکل سوار کو کچل دیتی ہے۔ ان حادثات کا سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو اس وقت سامنے آتا ہے جب موٹر سائیکل سوار کے ہمراہ اس کے بچے بھی ہوں۔ ایسے میں یہ معصوم بچے بھی حادثات کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان حادثات کا سبب ایک طرف تو پبلک ٹرانسپورٹ چلانے والے ڈرائیوروں کا غیر تربیت یافتہ ہونا ہے تو دوسری طرف موٹر سائیکل سواروں کا کئی کئی بچوں کو اسکوٹر پر بٹھانا ہوتا ہے۔ تاہم ہمارے ہاں کے معاشی بحران کے اس دور میں ایک مڈل کلاس آدمی کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ اپنے کئی بچوں اور بیوی کو اسکوٹر پر بٹھا کر نکلے۔ کیونکہ رکشہ ٹیکسیاں بہت مہنگی اور بس، ویگن کا سفر انتہائی غیر معیاری ہوتا ہے۔

دنیا کے ہر مہذب ملک میں پبلک ٹرانسپورٹ کی اعلیٰ ترین سہولتیں فراہم کرنا حکومت کی بنیادی ذمہ داری ہوتی ہے۔ امریکہ یورپ اور فار ایسٹ کے ممالک میں یہ سہولتیں اس پیمانے کی ہیں کہ لوگ اپنی گاڑیاں چھوڑ کر ان میں سفر کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ مگر ہمارے ہاں دیگر بنیادی سہولیات کی طرح یہ سہولت فراہم کرنا بھی حکومت کی ترجیحات میں دور دور تک شامل نہیں۔ اس کا سبب کوئی اور نہیں خود عوام ہیں جو بدترین اور کرپٹ قیادت کو محض ان کے جذباتی نعروں کی بنیاد پر اپنے اوپر سوار رکھتے ہیں۔ اگر عوام یہ طے کرلیں کہ وہ نعروں اور جذباتی باتوں کے فریب میں نہیں آئیں گے اور ہر اس قیادت کو رد کر دیں گے جو ان کے بنیادی حقوق پورا کرنے کی جدوجہد نہ کرے تو بتدریج معاملات میں بہتری آجائے گی۔

معاملات کی خرابی کی زیادہ بڑی خرابی اس فکری قیادت کی ہے جس نے ہمیشہ عوام کو غیر متعلقہ باتوں میں الجھا کر رکھا ہے۔ یہ لوگ بین الاقوامی تنازعات، ملی مسائل، غیر مسلموں کی سازشوں اور غیر اہم مذہبی معاملات کو اس طرح بڑھا چڑھا کر بیان کرتے ہیں کہ اصل مسائل نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں۔ یہ لوگ کشمیر، فلسطین، چیچنیا، افغانستان اور عراق کے معاملات پر عوام کے جذبات کو بھڑکاتے ہیں، حالانکہ اتنے لوگ ان تمام ممالک میں غیر مسلموں کے ہاتھوں سے نہیں مرتے جتنے لوگ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پاکستان میں روزانہ ٹریفک کے حادثات کا شکار ہوکر مرجاتے ہیں۔ یہ لوگ غیر مسلم طاقتوں کی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافی کا رونا روتے ہیں حالانکہ دنیا کا مشکل ترین کام پاکستانی عدالتوں میں انصاف کا حصول ہے۔ یہ لوگ مسلمان ممالک پر امریکہ اور اسرائیل، بھارت اور دیگر ممالک کے قبضے کو ہمارا سب سے بڑا مسئلہ بتاتے ہیں حالانکہ ہمارا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ملک کے وسائل چند فیصد کرپٹ اور مفاد پرست طبقات کے قبضے میں جاچکے ہیں۔

جس شخص کے بچے بھوک سے مر رہے ہوں اور وہ ان کی دال روٹی کی فکر کرنے کے بجائے دوسروں کے جھگڑے نمٹاتا پھرے، اسے کون اچھا کہے گا۔ جس شخص کی بیوی جاں کنی میں مبتلا ہو اور وہ اس کی فکر کرنے کے بجائے معاشرتی مسائل کی اصلاح کے لیے اٹھے، اسے کون درست کہے گا۔ مگر عجیب بات ہے کہ اجتماعی طور پر ہم نے یہی روش اختیار کر رکھی ہے۔

اگر ہمیں اپنی تقدیر بدلنی ہے تو ہمیں ہر حال میں اپنی قیادت بدلنی ہوگی۔ سیاسی لوگ اگر کرپٹ ہیں تو وہ ہماری لیڈرشپ کے مستحق نہیں ہونے چاہییں۔ جو لوگ ہمارے بنیادی مسائل پر بات نہیں کرتے، انہیں ہماری سوسائٹی میں فکری قیادت کے مقام سے ہٹادینا ضروری ہوچکا ہے۔

ہمیں ہر حال میں یہ طے کرنا ہوگا کہ ہمارا اصل مسئلہ کیا ہے؟ ہمارا اصل مسئلہ وہ ہے جو ہمیں اپنے گھر میں درپیش ہے۔ یہ مسئلہ بنیادی حقوق اور جمہوریت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ مفت تعلیم اور علاج کی سہولت کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ روزگار کی فراہمی اور امن و امان کی بحالی کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ پینے کے صاف پانی اور ملاوٹ سے پاک غذا کی دستیابی کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ ٹریفک کی بہترین سہولیات اور آلودگی سے پاک ماحول کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ معاشی ناہمواری اور دولت کی غیر مساوی تقسیم کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ انصاف کی فراہمی اور عدالتی نظام میں بہتری کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ غربت اور جہالت سے چھٹکارے کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ کرپشن کے خاتمے اور بددیانت لیڈرشپ سے نجات کا مسئلہ ہے۔

یہ ہیں ہمارے اصل مسائل۔ جو ان پر بات کرے گا، ان کے حل کی کوشش کرے گا، اسی کو ہمارا لیڈر ہونا چاہیے۔ جو ان پر بات نہیں کرے گا وہ قوم کا لیڈر نہیں ہے، بلکہ قوم کا مجرم ہے۔ اور جو قوم ایسے مجرموں کو لیڈر بناتی ہے وہ کبھی دنیا میں کوئی باعزت مقام حاصل نہیں کرسکتی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قیامت کا اے ٹی ایم

''کیا یہاں سے پیسے ملتے ہیں؟''، یہ آواز سن کر میں ٹھٹکا اور سر گھما کر آواز کی سمت دیکھا۔ یہ ایک چھوٹی سی بچی کی آواز تھی جس کے چہرے اور لباس پر اس کی غربت کی خاموش داستان تحریر تھی۔ اس بچی نے مجھے ATM مشین بوتھ سے پیسے نکالتے ہوئے دیکھا اور اس کے معصوم ذہن میں وہ سوال پیدا ہو گیا جو ابھی اس نے مجھ سے کیا تھا۔

میں نے کہا کہ ہاں بیٹا یہاں سے پیسے ملتے ہیں۔ اس نے فوراً اگلا سوال بڑی معصومیت کے ساتھ داغ دیا، ''کیا سب کو یہاں سے پیسے مل سکتے ہیں؟''۔ میں نے جواب دیا کہ نہیں، جس کے پیسے بینک میں ہوتے ہیں، صرف اسی کو ملتے ہیں۔ اس مختصر سے مکالمے کے بعد میں آگے بڑھ گیا۔ مگر میں سوچ رہا تھا کہ طارق روڈ کے اس بازار میں جہاں فیشن اور ضرورت کی ہر چیز خریدنے لوگ آتے ہیں، اس معصوم بچی کی قسمت میں سوائے حسرت کے، کچھ نہیں۔

اس دنیا میں پیسہ انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ دنیا میں ہر چیز پیسے سے ملتی ہے۔ یہ پیسہ انسان کو بڑی مشقت اٹھا کر کمانا پڑتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جب قیامت کے بعد اصل زندگی شروع ہوگی تو وہاں کی ہر نعمت نیکی کی کرنسی سے مل سکے گی۔ مگر یہ کرنسی ہر کسی کو دستیاب نہیں ہوگی بلکہ صرف انہی لوگوں کو ملے گی جنھوں نے اس دنیا میں اعمال صالح کرنے کی مشقت جھیلی ہوگی۔ ان کی نیکیاں اللہ تعالیٰ اپنے 'بینک' میں جمع کر لیتے ہیں اور قیامت کے دن وہ جب چاہیں گے انہیں یہ نیکیاں لوٹا دی جائیں گے۔

مگر قیامت کے دن یہ صالحین جب خدائی 'بینک' سے نیکیوں کی کرنسی لے کر نکل رہے ہوں گے تو کچھ لوگ اسی طرح ان سے سوالات کریں گے اور انہیں وہی جواب ملے گا جو اوپر بیان ہوا کہ جس کے پیسے ہوتے ہیں اسی کو ملتے ہیں۔

خوش نصیب ہے وہ جس کے حصے میں اس روز 'پیسے' آئیں گے۔ بدنصیب ہے وہ جس کے حصے میں اس روز حسرت آئے گی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ریورس گیئر

یہ روڈ One Way تھا اور سڑک پر سناٹا تھا اس لیے میں اطمینان سے آگے بڑھ رہا تھا۔ اچانک میں نے اس گاڑی کو دیکھا جو ریورس میں بہت تیزی سے میری طرف آرہی تھی۔ میں نے بریک لگا کر اپنی رفتار کم کی اور ایک کونے میں ہوگیا اور وہ صاحب One Way پر اپنی گاڑی ریورس کرتے ہوئے تیزی سے میرے پاس سے گزر گئے۔ ان کے گزرنے کے بعد میں نے توجہ کے ساتھ آگے دیکھا تو سامنے کچھ دور سڑک پر لوگوں کی بھیڑ نظر آئی۔ اس بھیڑ کے درمیان وسط سڑک پر ایک پولیس کی گاڑی بھی کھڑی ہوئی تھی۔

میں نے رفتار بڑھائی اور اس مجمع کے قریب پہنچ گیا اور آہستہ آہستہ مجمع کے بیچ سے گزر گیا۔ اس دوران میں جو کچھ میں نے دیکھا اس سے مجھے یہ اندازہ ہوا کہ غالباً کچھ ڈاکو تھے جنہیں پکڑ پر پولیس والوں نے اپنی گاڑی میں بٹھایا تھا اور اب وہ لوگ وہاں سے روانہ ہونے والے تھے۔ یہ مجمع اسی تماشے کو دیکھنے کھڑا ہوا تھا۔ کچھ دیر قبل میرے سامنے سے الٹے پاؤں دوڑنے کی تصویر بنے جو صاحب اپنی نئی ٹویوٹا کرولا میں گزرے تھے، وہ اس مجمعے اور پولیس کو دیکھ کر خوف زدہ ہوگئے تھے اور کسی ضرر کے اندیشے سے بچنے کے لیے ریورس میں گاڑی چلا کر یہاں سے بھاگے تھے۔

میں نے سوچا کہ دنیا کے اندیشے نے انسان کا یہ حال کر دیا ہے تو جس شخص کو آخرت کا اندیشہ لاحق ہو جائے اس کا کیا حال ہوگا۔ لیکن آخرت کے اندیشے کو عقل کی آنکھ سے پہچاننا اور ایمان کی آنکھ سے ماننا پڑتا ہے۔ جبکہ آج لوگوں نے عقل کی آنکھ کو صرف دنیا کے نفع نقصان کو دیکھنے کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس لیے ان کی ایمان کی بینائی اتنی کمزور ہو چکی ہے کہ انہیں جنت کی نعمتیں نظر آتی ہیں نہ جہنم کی آگ۔ مگر ایک حقیقی مومن خدا کی ہر نافرمانی کی جگہ سے اسی طرح ریورس گیئر لگاتا ہے، جس طرح اس نئی ٹویوٹا کرولا والے نے لگایا تھا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اصول پسندی

کراچی کی شہری انتظامیہ نے پچھلے دنوں پلاسٹک بیگ کے استعمال پر پابندی لگادی۔اس پابندی کے بعد شہریوں کی قانون کی پاسداری کا عجیب نمونہ دیکھا۔حیرت انگیز طور پر تمام تاجروں نے اپنی دکانوں سے پلاسٹک کی تھیلیاں ہٹادیں اور ہر خریدار کو یہی جواب ملنے لگا کہ تھیلیوں پر پابندی لگادی گئی ہے اس لیے آپ کو سبزی، پھل، دودھ وغیرہ جو کچھ بھی چاہیے ہاتھ میں لے کر جائیں۔سب سے زیادہ قانون پسندی کا ثبوت دودھ والوں نے دیا جنھوں نے اپنی دکانوں پر باقاعدہ حکومت کا جاری کردہ حکمنامہ لگا رکھا تھا اور ہر خریدار کو یہ بتارہے تھے کہ حکومت نے تھیلی پر پابندی لگا رکھی ہے اس لیے ہم بھی نہیں دے رہے۔

پلاسٹک بیگ کیا مسائل پیدا کررہے تھے؟ان پر پابندی کتنی درست ہے؟مسئلے کا حل کیا ہے؟ ان سوالات سے قطع نظر اس واقعے میں ہماری قوم کی ایک خاص نفسیات کا ظہور ہوا ہے۔وہ یہ کہ ان کی تمام تر قانون پسندی اور اصول پسندی اپنے مفادات کی تابع ہوتی ہے۔یہی وہ تاجر ہیں جن کی ایک بہت بڑی تعداد حکومت کی مقرر کردہ قیمتوں سے کہیں زیادہ مہنگی قیمت پر اشیا فروخت کرتی ہے۔یہ جب چاہتے ہیں اپنے منافع کا خود تعین کر کے قیمتیں بڑھادیتے ہیں۔جس چیز کے دام لیتے ہیں، کم ہی وہ چیز خالص ملتی ہے۔رمضان میں پھلوں کی قیمتوں کو آگ لگ جاتی ہے اور محرم اور عید کے مواقع پر زیادہ طلب کی بنا پر دودھ کی شکل میں پانی ملتا ہے۔

ایسے مواقعوں پر ان لوگوں کو کبھی قانون کی حکمرانی اور حکومت کا ضابطہ یاد نہیں آتا۔یہ صرف اس وقت یاد آتا ہے جب تھیلیوں کے پیسے بچ رہے ہوں۔ایسی قوم کو اور ایسے لوگوں کبھی اپنے حکمرانوں کی شکایت نہیں کرنی چاہیے۔یہ حکمران ان کے اعمال کا نتیجہ ہیں جو ان پر مسلط کیے گئے ہیں۔جب تک لوگ نہیں بدلیں گے ان کے حکمران بھی نہیں بدلیں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لو لاك......

مجھ سے بہت سے لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی بڑائی پر تو بہت کچھ لکھتا ہوں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں مضامین کیوں نہیں لکھتا۔حتی کہ ربیع الاول کے مہینے میں بھی نہیں۔میں اس کے سوال میں دو باتیں کہتا ہوں۔ایک یہ کہ معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اعلیٰ ترین سطح پر مدحت رسول کا کام کرر ہے ہیں۔ان کے کام ہی کا اثر ہے کہ اس معاشرے میں عشق رسول کی گرمی کمزور ترین ایمان کے مسلمان کے لہو میں بھی خون بن کر دوڑتی ہے۔بڑے سے بڑا سیکولر اور غیر مذہبی اور عقلی آدمی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کے معاملے میں بے پناہ جذباتی ہوتا ہے۔ایسے میں کچھ لکھ کر میں کسی کمی کو پورا نہیں کروں گا۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ خود جو کام رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر کرتے رہے، جو دین کا بنیادی مطالبہ ہے، اس کے حوالے سے ایک عمومی غفلت پائی جاتی ہے۔یعنی اللہ کا ذکر، اس کا شوق، اس کی تسبیح، اس کی تعریف، اس کی حمد اور اس کے کبر کا بیان۔اس معاملے میں ہمارا معاملہ یہ ہے کہ ہم اپنی ہر تقریر کے آغاز پر بلا سوچے سمجھے نحمده کہتے ہیں اور اختتام پر الحمد الله رب العالمين کہ دیتے ہیں۔ہمارے شعرا اور ادیب، مقرر اور خطیب، عالم و واعظ سب کا معاملہ کم وبیش یہی ہے۔لیکن کبھی خدا کے نام سے ہماری زبان میں مٹھاس نہیں گھلتی، کبھی اس کی یاد میں دل نہیں تڑپتا، کبھی اس کی محبت میں آنکھوں سے آنسو نہیں ٹپکتے، کبھی اس کی ملاقات کے شوق میں موت کی تمنا پیدا نہیں ہوتی۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارا رواں رواں، زندگی کے ایک ایک لمحے میں، ہر ایک لمحے میں اس کے احسانوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہے۔اس بات کو سب سے بڑھ کر اگر کسی نے جانا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے۔آپ ﷺ کی پوری زندگی خدا کے عشق اور اس کی یاد کے سوا کچھ نہیں تھی۔آپ کی حیات الذين امنوا اشد حبا لله

(اہل ایمان تو سب سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں، البقرة 165:2)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

کا عملی نمونہ تھی۔ نہ صرف یہ آپ کی عملی زندگی تھی بلکہ یہی آپ کی دعوت بھی تھی۔ میں نے اگر یہ راستہ اختیار کیا ہے تو صرف اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں اختیار کیا ہے۔

میں جب اس مضمون کے بارے میں سوچ رہا تھا تو میں عین دوپہر کے وقت سڑک پر موجود تھا۔ سورج سر پر تھا اور اس کی تیز روشنی نے ہر شے کو منور کر رکھا تھا۔ مگر روشنی کے اس سیلاب کے باوجود جاتی سردی اور آتی بہار کے اس سورج میں کوئی تپش نہ تھی۔ مجھے محسوس ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شخصیت کی اس سے اچھی کوئی مثال اس دنیا میں نہیں مل سکتی۔ آپ کی ذات موسم بہار کا وہ سورج ہے جس میں بہت چمک ہے، مگر دھوپ نہیں۔ آپ ہدایت کی وہ روشنی ہیں جس کے بعد کوئی اندھیرا باقی نہیں رہ سکتا مگر آپ کی سیرت میں تپش کا کوئی ایسا عنصر نہیں جو ہم گنہ گاروں کے وجود کو جھلسا دے۔ مگر کتنی عجیب بات ہے کہ لوگ آپ کی ذات اور سیرت سے وہ سبق حاصل نہیں کرتے جس کا پیغام لے کر آپ آئے تھے بلکہ خود کو اپنی خواہشات کے اندھیروں کے حوالے کر دیتے ہیں۔

میں ظہر کی نماز ادا کرنے کے لیے مسجد میں داخل ہوا۔ ابھی جماعت میں کچھ دیر باقی تھی۔ کچھ لوگ مسجد کی عمارت کے اندر نوافل پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ مسجد کے صحن میں۔ میں نے گھڑی دیکھی اور پھر ایک نظر موسم بہار کے ٹھنڈے سورج کو دیکھ کر کہا۔

لولاك يا رسول الله مادريت الكتاب ولاالايمان

پھر میں سایہ میں کھڑے ہونے کے بجائے صحن میں پھیلی ہوئی سورج کی ٹھنڈی روشنی میں کھڑے ہو کر نوافل پڑھنے لگا۔



کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہزارارب ڈالر

معروف امریکی میگزین فارچون (Fortune) نے مارچ 2007 کی اپنی اشاعت میں ابو ظہبی کو دنیا کا امیر ترین ملک قرار دیا ہے۔ ابوظہبی متحدہ عرب امارات کی سات ریاستوں میں سے سب سے بڑی ریاست اور ملک کا دارالحکومت کا درجہ بھی رکھتی ہے۔ اس کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے جس میں سے صرف ۲ لاکھ مقامی ہیں جبکہ باقی لوگ تیل کی دولت نکلنے کے بعد روزگار کی تلاش میں یہاں آ بسے ہیں۔ اس جریدے کے مطابق تیل میں تیل کے کل ذخیرے کا دس فیصد حصہ متحدہ عرب امارات میں پایا جاتا ہے اور اس میں سے 94 فیصد ابوظہبی میں ہے۔ تیل سے جو دولت حاصل ہورہی ہے اس کا اندازہ صرف اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ابوظہبی انوسٹمنٹ اتھارٹی نے ایک ہزار ارب ڈالر کی خطیر رقم دنیا بھر میں انویسٹ کر رکھی ہے۔

یہ رقم یقیناً بہت زیادہ ہے۔ اس کو انویسٹ کرنے والے اس سے مزید منافع کمانا چاہ رہے ہیں۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس پیسہ سے مزید پیسہ کما کر کیا کیا جائے گا۔ کیونکہ اسی جریدے کے مطابق متحدہ عرب عمارات کی کل دولت اتنی ہے کہ ہر شہری کے حصے میں 17 ملین ڈالر کی رقم آتی ہے۔ یعنی پاکستانی حساب سے ایک ارب روپے سے زائد رقم ہر آدمی کے حصے میں آتی ہے۔ جب اتنی دولت پہلے سے موجود ہے جو زندگی کی ہر بنیادی اور ثانوی ضروریات کے لیے کافی ہے تو مزید دولت سے سوائے ایک احساس دولت کے سوا کیا حاصل ہوگا؟

آج سے کچھ عرصہ قبل تک یہ لوگ صحراؤں میں گلہ بانی کرتے، اونٹ چراتے اور کھجوریں اگاتے تھے۔ ان کے امیر ترین لوگوں کی بساط مٹی کے گھروں تک تھی۔ مگر پھر اللہ تعالیٰ نے اس خطے کے باشندوں پر دولت کے دروازے کھول دیے۔ بدوؤں کے قدموں سے سیال سونا بہہ نکلا۔ دولت کے انبار لگ گئے۔ ننگے پاؤں بکریاں چرانے والے اونچی اونچی عمارتیں بنانے لگے۔ دنیا کا ہر سامان تعیش اس خطے میں ملنے لگا اور عیش وعشرت کی ہر جگہ پر عرب نظر آنے لگے۔ اس دولت کے اثرات عربوں کے ساتھ دیگر مسلم ممالک پر بھی پڑے۔ مثلاً ستر کی دہائی سے لے کر آج تک لاکھوں پاکستانیوں نے خلیجی ممالک میں روزگار حاصل کیا اور بلا مبالغہ کھربوں روپے پاکستان کما کر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بھیجے۔جس کے نتیجے میں پاکستان میں بھی دولت کی ریل پیل ہوگئی ۔ ساٹھ کی دہائی میں 22 خاندانوں والا پاکستان اب وہ جگہ ہے جہاں ہزاروں بلکہ لاکھوں ارب پتی پائے جاتے ہیں۔

تیل سے حاصل ہونے والی یہ دولت مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔اس کو دینے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ مسلمانوں میں لاکھوں ارب پتی پیدا کیے جائیں اوراپنی دولت سے داد عیش دیں۔ بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ قیامت کے آنے سے قبل انسانیت کا پیغام دنیا بھر میں پھیلنے لگے۔ یہ کام اب کسی نبی نے نہیں کرنا بلکہ امت مسلمہ کے ذریعے ہی سے سرانجام پانا تھا۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے سامراجی طاقتوں کے شکنجے سے تمام مسلم دنیا کو آزاد کرایا اور پھر مسلمانوں کے قدموں میں دولت کے ڈھیر لگادیے تاکہ وہ دور جدید میں دوسری اقوام کا مقابلہ کرسکیں۔

مسلمان اگر اللہ تعالیٰ کے اس منصوبے کو سمجھتے تو وہ ہزار ارب ڈالر مغربی ممالک میں انویسٹ کرنے کے بجائے اسے مسلمانوں کی جہالت اور غربت دور کرنے پر خرچ کرتے۔ یہ ہزار ارب ڈالر کی رقم اتنی زیادہ ہے کہ پاکستان جیسے 50 ملکوں کا سالانہ بجٹ اس میں بن سکتا ہے۔اس رقم سے جب لوگوں کو تعلیم ملتی، بنیادی ضروریاتِ زندگی حاصل ہوتیں، روزگار ملتا تو ان میں اتنا شعور بھی پیدا ہوجاتا کہ دین کے حوالے سے دنیا میں ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں۔ جہالت ختم ہونے سے تعصّبات ختم ہوتے۔قرآن کا اصل پیغام عام ہوتا۔تحمل اور برداشت پیدا ہوجاتی۔

آج بھی اس معاملے میں دیر نہیں ہوئی ہے۔عرب نہ سہی اگر پاکستان کے امیر افراد کی ایک قابل ذکر تعداد یہ طے کرلے کہ اسے اپنی اضافی دولت خدا کے دین اور امت کی بہبود کے لیے وقف کرنی ہے تو صرف ایک نسل میں سب کچھ تبدیل ہوجائے گا۔لیکن لوگ اگر اپنی دولت سے مزید دولت کے انبار جمع کرنے کی روش پر قائم رہے تو بلاشک وشبہ ایک دفعہ پھر مسلمانوں پر وہی ذلت ورسوائی اور غلامی وبیکسی مسلط ہوجائے گی جس کا وہ پچھلی صدی کے آغاز پر شکار تھے۔

مسلمانوں اور عربوں کے پاس اس آنے والی ذلت سے بچنے کا صرف ایک راستہ ہے۔وہ یہ کہ ہزار ارب ڈالر کی رقم کو اللہ تعالیٰ کے لیے انویسٹ کردیں۔اس کے نتیجے میں دولت کے ساتھ انہیں دنیا کا اقتدار اور عزت بھی مل جائے گی۔وگرنہ جو کچھ ہے، جلد ہی وہ اس سے بھی ہاتھ دھولیں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پولن کا درخت

پولن کا درخت جسے عام طور پر جنگلی شہتوت کا درخت بھی کہتے ہیں، اسلام آباد کی پہچان ہے۔ یہ درخت جنگلات کی صورت میں اس شہر میں جگہ جگہ پھیلا ہوا ہے۔ اس درخت کی بنا پر شہر نہ صرف سرسبز ہوگیا ہے بلکہ گرمیوں میں ماحول کو ٹھنڈا رکھنے کا سبب بھی بنتا ہے۔

پولن (Pollen) دراصل ایک سفوف نما شے ہے جو اس درخت پر پیدا ہوتا ہے۔ ہوا کے ذریعے سے یہ سفوف دوسرے درختوں تک پہنچتا ہے اور ان کی زرخیزی کا سبب بنتا ہے۔ اس عمل کو پولینیشن (Pollination) کہتے ہیں۔ اس درخت سے نکلنے والا یہ پولن انسانوں کے لیے بڑے مسائل پیدا کرنے کا سبب بن رہا ہے۔ یہ سانس کی نالی میں الرجی پیدا کر کے متاثرہ شخص کو نزلہ، زکام اور دیگر امراض میں مبتلا کر دیتا ہے۔ خاص کر دمے کے مریضوں کو اس کی وجہ سے بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بہت سے لوگ تو اس قابل ہی نہیں رہتے کہ شہر میں رہ سکیں۔ جب یہ مسئلہ شدت سے سامنے آیا تو اس درخت کو کاٹنے کا فیصلہ کیا گیا اور اب بڑے پیمانے پر اس درخت کو کاٹ کر ہٹایا جا رہا ہے۔

پولن کے درخت کی مثال یہ بتاتی ہے کہ خدا نے اپنی اس دنیا میں قیام و بقا کا کیا قانون بنا رکھا ہے۔ یہ قانون نفع بخشی ہے۔ جب تک کوئی وجود نفع بخش رہتا ہے وہ فطرت کے قانون کے تحت دنیا میں اپنا وجود باقی رکھتا ہے۔ جب اس کا نفع نقصان میں بدل جاتا ہے تو قدرت کے قانون کے تحت اس کا وجود مٹ جاتا ہے۔

انسانوں کو بھی اس اصول سے کوئی استثنا حاصل نہیں ہے۔ اس دنیا میں وہی شخص ترقی کرتا اور کامیاب رہتا ہے جو دوسرے لوگوں کے لیے نفع بخش ہو۔ جس کی محنت اور صلاحیت دوسروں کو اس بات کا یقین دلا دے کہ اس کی موجودگی ہمارے لیے مفید ہے۔ اس کے برعکس جو شخص لوگوں کے لیے تکلیف اور نقصان کا باعث بن جائے، وہ کبھی ترقی نہیں کر سکتا۔ اس کا مزاج، اس کی گفتگو اور اس کا عمل بار بار لوگوں کے لیے مسئلہ پیدا کرے گا اور لوگ اسے اپنے درمیان سے نکال باہر کریں گے۔

نفع بخشی اس دنیا میں ترقی اور کامیابی کا راز ہے۔ جب کوئی شخص ترقی کے میدان میں پیچھے رہ جائے تو اسے دوسروں کو الزام دینے کے بجائے یہ دیکھنا چاہیے کہ کہیں اس کی نفع بخشی کی صلاحیت کم یا ختم تو نہیں ہوگئی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دوسرارخ

صلح حدیبیہ اسلامی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے۔ 6ہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ چودہ سو صحابہ عمرہ کی غرض سے روانہ ہوئے۔ مگر قریش نے آپ کو حدیبیہ کے مقام پر روک دیا۔ کافی گفت وشنید کے بعد وہ معاہدہ طے پایا جسے صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے اور جس کی رو سے مسلمانوں کو اگلے سال عمرے کی اجازت مل گئی، لیکن اس سال انہیں واپس لوٹ جانا تھا۔ اس صلح نامہ میں بعض دیگر ایسی شرائط بھی تھیں جن کو مسلمان اپنے لیے باعث عار سمجھ رہے تھے۔

جب مسلمان اس واقعے کو اپنی شکست سمجھ کر مایوسی کے عالم میں لوٹ رہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سورہ فتح کی وہ آیات نازل فرمائیں جن میں اس صلح کو 'کھلی ہوئی فتح' قرار دیا گیا تھا۔ آنے والے وقت میں یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ کی یہ بات سو فیصد درست تھی۔ اس واقعے کے دو برسوں بعد مسلمان پورے عرب اور صرف دو دہائیوں کے بعد پوری متمدن دنیا کے حکمران بن چکے تھے۔

صلح حدیبیہ کے اس واقعے میں جہاں اور بہت سے اسباق پوشیدہ ہیں وہیں اس سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ زندگی میں ہر معاملے کو دیکھنے کے دو رخ ہوتے ہیں۔ اسی صلح حدیبیہ کو مسلمانوں نے چند شرائط کی بنا پر اپنی ذلت اور شکست سمجھا تھا۔ لیکن اس واقعے کا ایک دوسرا پہلو یہ تھا کہ قریش جو مسلمانوں کو زندہ رہنے کا حق بھی نہیں دینا چاہتے تھے، انہوں نے پہلی دفعہ مسلمانوں کو عرب میں اپنے برابر کی ایک طاقت قرار دے دیا۔ وہ لوگ جو ابھی تک حرم میں مسلمانوں کے داخلہ کا سوچ بھی نہیں سکتے تھے، اب خود مسلمانوں کو عمرے کی اجازت دینے پر مجبور ہوگئے۔ قریش نے یہ سب مسلمانوں کی محبت میں نہیں کیا بلکہ یہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے مقابلے میں ان کی شکست کا سب سے بڑا اعتراف تھا۔ مسلمان جذبات کی شدت میں یہ سب نہ دیکھ سکے، مگر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اللہ تعالیٰ کی ہستی جو ہر کمزوری سے بلند ہے، اس نے اسی صورتحال کو ''فتح مبین'' قرار دے دیا۔

زندگی کے ہر مسئلے کا ایک مثبت رخ بھی ہوتا ہے ۔انسان کو ہمیشہ یہی مثبت رخ دیکھنا چاہیے۔حال کی مشقت جھیل کر مستقبل کی تعمیر، صبر کی کلفت جھیل کر جنت کا حصول، لوگوں کی برائیوں کو معاف کر کے رب کی معافی کا استحقاق، چھوٹے فائدوں کا شارٹ کٹ چھوڑ کر بڑی کامیابی کی راہ پر استقامت، یہ اور ان جیسے بہت سے دوسرے رخ ہیں جو فرد اور قوم کے سامنے آتے ہیں، مگر ہم انہیں نہیں دیکھ پاتے۔

کامیاب انسان وہ نہیں جسے زندگی میں مصائب، شکستوں، مایوسیوں اور پریشانیوں کا سامنا نہ کرنا پڑے۔کامیاب انسان وہ ہے جو ان سب میں چھپا دوسرا پہلو اور دوسرا رخ دیکھ لے۔

افضل اسلام اور کامل ایمان

''سیدنا ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ (ایک دفعہ) صحابۂ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کون سا اسلام افضل ہے؟ فرمایا: (اُس شخص کا اسلام) جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں (یعنی ہر طرح کی تکلیف واذیت سے بچے رہیں)۔''

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک (کامل) مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔''

(بخاری)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نماز اور گناہ

اکثر لوگ یہ سوال کرتے ہیں کہ ہماری نماز ہمیں گناہ سے نہیں روکتی۔ حالانکہ قرآن پاک کی سورہ عنکبوت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''بے شک نماز فحش اور منکر کاموں سے روکتی ہے''۔ یہ ایک اہم مسئلہ ہے جسے تفصیل سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔

قرآن کریم نے گناہوں کی تین نمایاں اقسام بیان کی ہیں۔

۱) فحاشی، عریانی اور جنسی بے راہروی پر مبنی گناہ

۲) حق تلفی کی نوعیت کے وہ گناہ جنھیں سب انسان برا سمجھتے ہیں

۳) خدا کی سرکشی اور بغاوت کی نوعیت کے گناہ

ایک شخص انہی تین بنیادوں پر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر کے گناہ کا مرتکب ہوسکتا ہے۔ نماز ان تمام اقسام کے گناہوں سے انسان کو بچاتی ہے۔ تاہم سورہ عنکبوت کی آیت میں صرف فحش اور منکر یعنی پہلی اور دوسری قسم کے گناہوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ نماز پڑھنے والا شخص جیسے ہی نماز میں رب کے حضور سر جھکاتا ہے وہ تیسری قسم کے گناہ یعنی رب سے سرکشی اور بغاوت سے دور ہوجاتا ہے۔ اس لیے اس طرح کے جرائم کو اس آیت میں بیان نہیں کیا گیا ہے۔

اس کے بعد پہلی اور دوسری قسم کے گناہ رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ اس آیت میں یہی بات بیان کی گئی ہے کہ نماز ان دونوں اقسام کے گناہوں یعنی فحش اور منکر سے روکتی ہے۔ اب رہی یہ بات کہ ہماری نماز ہمیں ان دونوں اقسام کے گناہوں سے نہیں روک پاتی تو اس کے لیے پوری آیت کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ اس آیت کا ابتدائی حصہ تو ہم نے اوپر نقل کر دیا ہے باقی حصہ اس طرح ہے جو عام طور پر بیان نہیں کیا جاتا اور نہ اس پر توجہ کی جاتی ہے۔ حالانکہ یہیں وہ بات بیان ہوئی ہے جو اہم ہے۔ فرمایا:

''بے شک نماز فحش اور منکر کاموں سے روکتی ہے۔ اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔''

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے وہ پوری بات جو اللہ تعالیٰ نے کہی ہے۔ مطلب اس بات کا یہ ہے کہ نماز اصل میں اللہ کی یاد کا نام ہے۔ یہ انسانوں میں رہتے ہوئے خدا میں جینے کا نام ہے۔ یہ غیب میں رہتے ہوئے خدا کی عظمت کو تسلیم کر لینے کا نام ہے۔ یہ خدا کی پکڑ میں آنے سے پہلے خود کو رب کے حوالے کر دینے کا نام ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یاد کی یہ کیفیت، یہ احساس بہت بڑی چیز ہے۔ اتنی بڑی کہ انسان ہر لمحہ خود کو رب کی نگرانی میں پاتا ہے اور پھر اس کا کوئی قدم خدا کی نافرمانی میں نہیں اٹھ سکتا۔ اس کا نفس تقاضا کرتا ہے کہ وہ اپنی لگام اس کے اندر سے اٹھنے والے حیوانی جذبوں کے حوالے کر دے، مگر خدا کی یاد اسے آتی ہے اور اس کے نفس کے پاؤں میں زنجیریں ڈال دیتی ہے۔ اس کے جبلی تقاضے سر اٹھاتے ہیں اور اس کے جذبات کو بے قابو اور قلب ونظر کو بے ایمان بنانے کی کوشش کرتے ہیں مگر خدا کی یہی یاد آتی ہے اور ہر بھکی نظر اور امڈتے جذبے کو حدود آشنا بنا دیتی ہے۔

اس کے مفادات اسے حلال وحرام سے بے نیاز ہونے کی تلقین کرتے ہیں، اس کی خواہشات اسے اخلاقی تقاضوں کی پاسداری سے روکتی ہیں، اس کے تعصبات اسے حق کی پیروی سے باز رکھنا چاہتے ہیں، بیوی بچوں کی محبت اسے حدود پامال کرنے پر اکساتی ہے، دنیا کی محبت اسے عارضی فائدوں کے پیچھے بھگاتی ہے، مال ومقام کی محبت اسے ظلم وعصیان پر آمادہ کرتی ہے مگر ہر ہر موقع پر یہ زندہ نماز، یہ خدا کی یاد والی نماز ایک چٹان بن کر اس کے سامنے آ کھڑی ہوتی ہے اور اس کے بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں۔ کسی مرحلے پر اگر وہ جذبات سے مغلوب اور حالات سے مجبور ہو بھی جائے تو بھی اس کا معاملہ ایک سرکش انسان کا نہیں بنتا بلکہ اگلی نماز میں اسے احساس ہو جاتا ہے کہ خدا زندہ اور اس پر نگران ہے۔ چنانچہ وہ رب کی طرف پلٹتا اور توبہ کرتا ہے۔

اس طرح نماز زندگی کے ہر موڑ پر انسان کو گناہوں سے دور رکھتی ہے۔ کیونکہ نماز جب ٹھیک طرح پڑھی جاتی ہے تو انسان کو ہمیشہ خدا یاد رہتا ہے اور یاد آ جاتا ہے۔ یہی وہ یاد ہے جو انسان کو گناہ سے بچاتی ہے نہ کہ بے روح قیام وسجود۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

موبائل فون

موبائل فون دورِ جدید کی ایک بڑی مفید ایجاد ہے۔ اس کی مدد سے کسی شخص سے مستقل رابطے میں رہا جا سکتا ہے۔ میرے پاس جو موبائل فون ہے، اس میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے ذریعے سے اپنی آواز ریکارڈ کی جا سکتی ہے۔ پچھلے دنوں مجھے اپنے موبائل فون کی ایک اور خصوصیت کا علم ہوا۔ وہ یہ کہ اس پر فون کال بھی ریکارڈ ہو سکتی ہے۔

ہوا یہ کہ میں اپنے بعض ریکارڈ شدہ خیالات موبائل پر سن رہا تھا۔ اسی عمل میں مجھے یہ معلوم ہوا کہ میری بعض فون کالز ساؤنڈ ریکارڈر میں موجود تھیں۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ کیسے ہوا، لیکن جب میں نے انہیں سننا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ بعض دوست احباب سے کی ہوئی گفتگو بعینہٖ وہاں موجود تھی۔ میں اس گفتگو کو، اس میں کہے ہوئے الفاظ کو بالکل بھول چکا تھا۔ مگر جب سنا تو سب یاد آ گیا۔

اپنی ریکارڈ شدہ آواز کو سننا میرے لیے کوئی نیا تجربہ نہ تھا، مگر یہ جس طرح اچانک اور غیر متوقع طور پر ہوا تھا اس نے مجھ پر سکتہ طاری کر دیا۔ مجھے فوراً یہ خیال آیا کہ نامعلوم طریقے پر ریکارڈ ہونے والی اس فون کال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ بتایا ہے کہ وہ انسانوں کے ایک ایک عمل کی وڈیو بنا رہا ہے۔ وہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے ایک ایک لفظ کو ریکارڈ کر رہا ہے۔ انسان کہہ کر اور بول کر بھول جاتے ہیں۔ مگر خدا انہیں بھولتا۔ وہ سب محفوظ کر لیتا ہے اور قیامت کے دن انسان کے سامنے اس کے ہر ایک قول و فعل کی آڈیو اور وڈیو پیش کر دی جائے گی، (مجادلہ 6:58)۔

میں نے یہ بات قرآن میں بارہا پڑھی تھی۔ لیکن اس روز جو تجربہ ہوا۔ اس نے روزِ قیامت کی پیشی کو میرے سامنے گویا مجسم کر دیا۔ جب ایک ایک انسان کو تنہا اللہ کے سامنے پیش ہو کر زندگی کے ہر عمل کا حساب دینا ہو گا۔ انسان چاہے گا بھی تو اپنے اعمال سے، اپنے الفاظ سے مکر نہیں سکے گا۔

قیامت کا دن انسانوں کے احتساب کا دن ہے۔ اس دن انسان کو اس کی زبان سب سے زیادہ رسوا کروائے گی۔ عقلمند وہ ہے جو اس زبان کو سوچ سمجھ کر استعمال کرے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دل ونظر کا سفینہ سنبھال کر لے جا

عصرِ حاضر میں میڈیا کی ترقی نے انسانی زندگی میں ایک انقلاب پیدا کر دیا ہے۔اس انقلاب کو وقوع پذیر ہونے سے روکا جا سکتا ہے،اور نہ ایسا کرنے کی ضرورت ہے۔جس چیز کی،میڈیا کے اس دور میں اشد ضرورت ہے،وہ یہ ہے کہ صفحۂ دل کو اس غلاظت سے محفوظ رکھنے کی سعی کی جائے جو نگاہوں کے رستے انسان کے اندرون تک رسائی پا لیتی ہے۔

کمپیوٹر اور ٹی وی اسکرین سے رنگ و آہنگ اور ساز و آواز کی جو یلغار دل و دماغ پر ہوتی ہے وہ حیران کن حد تک موثر ہے۔اس سے قبل کہ ایک فرد یہ جان سکے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے۔لطف و سرور کا متلاشی ٹی وی،ڈش اور کیبل کے چینل اور انٹرنیٹ کی وادیوں میں آوارہ پھرتے پھرتے اپنے باطن کی پاکیزگی کھو دیتا ہے۔یہ جانے بغیر کہ کس متاعِ بے بہا سے وہ ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔انسان کے وجود میں نگاہ قلب کا دروازہ ہوتی ہے۔ہر آنے والا اسی راستے سے نہاں خانۂ دل کا مہماں ہوتا ہے۔یہ دروازہ اگر ہر کس و ناکس کے لیے کھلا چھوڑ دیا جائے تو گو آنکھ روشن رہے مگر پاکیزگی قلب کی روشنی سے انسان محروم ہو جاتا ہے۔دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے نگاہ کی اس غیر معمولی اہمیت کے پیش نظر ارشاد فرمایا تھا۔

> ”تم سن چکے ہو کہ کہا گیا تھا کہ زنا نہ کرنا۔لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ جس کسی نے کسی بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ کی وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا“۔
>
> (متی باب ۵ آیت ۲۷،۲۸)

آج عیسیٰ کے نام لیواؤں نے نگاہ کی آلودگی کے وہ اسباب مہیا کر دیے ہیں جس کے بعد دل و نظر کا سفینہ بچا لے جانا بہت مشکل ہو چکا ہے۔پناہ صرف اس شخص کے لیے ہے جو نگاہ کے دروازے پر خدا خوفی کی تلوار لے کر بیٹھ جائے۔جو ایسا نہ کرے گا وہ اس دوشیزہ کی طرح پچھتائے گا جو زمانے کی ہوا سے بے پرواہ ہو کر شہر کی رونق دیکھنے نکلی۔مگر رات گئے جب گھر لوٹی تو اپنے وجود کی سب سے قیمتی شے - اپنی عصمت - گنوا بیٹھی تھی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آندھی اور عقاب

ہوا تمام مخلوقات کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک غیر معمولی نعمت ہے۔ مگر جب یہ ہوا تیزی سے چلنا شروع کر دے اور آندھی کی شکل اختیار کر لے تو ایک عظیم قدرتی آفت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس کی طاقت کے آگے تمام مخلوقات بے بس ہو جاتی ہیں۔ یہ آندھی انسانوں کو پناہ گاہوں میں چھپنے پر مجبور کر دیتی ہے۔ بڑے بڑے قد آور درختوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتی ہے۔ سب سے بڑھ کر اس آندھی سے وہ پرندے متاثر ہوتے ہیں جو عام حالات میں ہوا کے دوش پر پر پھیلائے اڑتے پھرتے ہیں، مگر آندھی کے بعد یہی ہوا ان کے لیے وبالِ جان بن جاتی ہے۔ جن لوگوں نے کبھی آندھی کو آتے دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ہوا کی تند و تیز یلغار ان پرندوں کو بے کسی کے ساتھ گھسیٹتی ہوئی لے جاتی ہے اور اکثر کسی پتھریلی رکاوٹ سے ٹکرا دیتی ہے۔

تاہم پرندوں میں ایک پرندہ ایسا بھی ہے جسے یہ تند و تیز آندھی بے بس کرنے کے بجائے مزید بلند کرنے کا سبب بن جاتی ہے۔ یہ پرندہ عقاب ہے۔ دیگر پرندوں کی طرح عقاب بھی اتنا طاقتور نہیں کہ آندھی جیسی عظیم قدرتی آفت کا مقابلہ کر سکے۔ مگر عقاب آندھی سے پہلے آنے والے سکوت کو محسوس کر لیتا ہے۔ یہ قدرت کا ایک قانون ہے کہ آندھی آنے سے قبل ہوا بند ہو جاتی ہے اور ایک گھمبیر خاموشی چھا جاتی ہے۔ عقاب اس اشارے کو سمجھ کر فوراً بلندی کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔ پھر ہوا کے تند و تیز جھکڑ چلنا شروع ہو جاتے ہیں، مگر ان کا زور سطح زمین کے قریب زیادہ ہوتا ہے اور بلندی پر کم ہوتا ہے۔ عقاب اس نسبتاً کمزور ہوا میں اپنے پر پھیلا دیتا ہے اور یہ ہوا اسے بلند تر کرتی چلی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ بلندی کے اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں وہ تیز ہواؤں کی دسترس سے نکل جاتا ہے اور اپنی مرضی کے مطابق اڑنا شروع کر دیتا ہے۔

عقاب اور دیگر پرندوں میں یہ فرق نہیں ہے کہ دیگر پرندے آندھی کی طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور عقاب کر سکتا ہے۔ اصل فرق یہ ہے کہ عقاب کو فطرت کی طرف سے پیش بینی کی وہ صلاحیت نصیب

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہوئی ہے جس کی بنا پر وہ تند و تیز آندھی کے آنے سے قبل ہی اس کی زد سے نکل جاتا ہے اور قابل برداشت ہوا کو استعمال کر کے بلند تر ہو جاتا ہے۔

انسان بھی مصائب وحوادث کی آندھی کے مقابلہ میں اتنا ہی کمزور ہوتا ہے جتنا کہ ایک عام پرندہ۔ لیکن انسان کو اللہ تعالیٰ نے پیش بینی کی ایک غیر معمولی صلاحیت دی ہے۔جس کی مدد سے انسان اگر چاہے تو اپنے کل کا اندازہ لگا سکتا ہے۔موت، بیماری، حادثات، اپنی اور اپنے بچوں کی آنے والی ضروریات کو انسان زندگی سے نکال تو نہیں سکتا مگر ان کا ایک عمومی اندازہ ضرور کر سکتا ہے۔اور پھر اسی بنیاد پر انسان ان کی کچھ نہ کچھ تیاری کر سکتا ہے۔مثلاً انسان اپنی غذا کو بہتر بنا سکتا ہے تاکہ بیماریوں سے محفوظ رہے، بچوں کے مستقبل کے لیے بہتر تعلیم کا بندوبست کر سکتا ہے، حادثات و بیماری کے لیے کچھ رقم پس انداز کر سکتا ہے۔

انسان کے لیے مصائب کی آندھی سے قبل اگر وہ راستہ درست ہے جو عقاب اختیار کرتا ہے تو اس آندھی کے آجانے کے بعد بھی وہی راستہ درست ہے جو عقاب کا ہے۔یعنی ہوا کا مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے پر پھیلا کر خود کو اس کے حوالے کر دینا۔یعنی حالات جو رخ اختیار کریں ان میں ممکنہ حد تک کوشش کرنے کے ساتھ اپنے معاملات کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا۔اس عمل کے نتیجے میں انسان ہمیشہ پرسکون رہتا ہے۔اس کا نقصان کم ہوتا ہے۔اور پھر قدرت اپنے قانون کے تحت اس نقصان کی بھی کسی نہ کسی طور پر تلافی کر دیتی ہے۔صبر کے برعکس پریشان ہونے کا راستہ انسان کو نہ صرف کچھ دیتا نہیں بلکہ مزید مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

پیش بینی اور صبر کے ساتھ اچھے حالات کا انتظار کرنا۔انسان کی اعلیٰ ترین صفات میں سے ہیں۔یہ صفات نہ صرف زندگی کی مشکلات سے انسان کو بچا لیتی ہیں بلکہ مشکلات آنے پر بھی انسان کو ثابت قدم رکھتی ہیں۔یہی وہ صفات ہیں جنہیں آج ہم میں سے ہر شخص میں پیدا ہونا ضروری ہے۔یہی صفات انفرادی اور اجتماعی سطح پر ہماری کامیابی کی ضامن ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وہ جنھیں وطن کو لوٹنا ہے

بیرونِ ملک مقیم پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد خلیجی ممالک میں پرکشش تنخواہوں اور اجرتوں پر کام کرتی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق ان کی تعداد 14 سے 15 لاکھ ہے جن میں سے 9 لاکھ افراد صرف سعودی عرب میں مقیم ہیں۔ دنیا کے دوسرے خطوں مثلاً امریکہ، کینیڈا، مشرق بعید، برطانیہ اور دیگر یورپی ممالک میں رہنے والے پاکستانیوں کے برعکس ان لوگوں کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ سالہا سال ملک سے باہر رہنے کے باوجود ان کا اور ان کے بچوں کا مستقبل پاکستان ہی سے وابستہ رہتا ہے اور دھرتی سے ان کا رشتہ نہیں ٹوٹتا۔ اس کا سبب خلیجی ممالک کا وہ قانون ہے جس کے تحت کسی غیر ملکی کے لیے عملی طور پر وہاں کی شہریت حاصل کرنا ممکن نہیں۔ چنانچہ اپنی زندگی کا بیشتر حصہ وہاں گزار دینے والے غیر ملکیوں کا مقدر بھی یہی ہے کہ آخر کار انہیں اپنے وطن کو لوٹنا ہے۔

خلیج میں کام کرنے والے ان پاکستانیوں کو ایک دوسری صورتِ حال سے بھی واسطہ پیش آتا ہے۔ وہ یہ کہ ان ممالک میں کسی فرد کی مدتِ قیام کا تمام تر انحصار اس شخص یا کمپنی پر ہوتا ہے۔ جس کے ویزہ پر وہ یہاں ملازمت کے لیے آیا ہوتا ہے۔ اسے یہاں کی اصطلاح میں "کفیل" کہتے ہیں۔ جب تک کفیل کی مرضی ہوگی وہ آدمی یہاں کام کرتا رہے گا اور جب وہ چاہے گا اسے نہ صرف ملازمت سے فارغ کردے گا، بلکہ فوراً ملک چھوڑنے پر بھی مجبور کردے گا۔ یہ کوئی انفرادی سطح پر پیش آنے والا معاملہ نہیں، بلکہ یہ حکومت کی سوچی سمجھی پالیسی ہے جس کے تحت وہ سرکاری اور نجی شعبوں کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے ہاں سے غیر ملکیوں کو نکال کر زیادہ سے زیادہ مقامی لوگوں کو روزگار مہیا کریں۔

ان مسائل کی بناء پر یہاں کام کرنے والوں میں ایک خاص قسم کی ذہنیت پیدا ہو جاتی ہے، جس کے باعث انہیں ہمیشہ احساس رہتا ہے کہ یہ جگہ ان کے مستقل قیام کی نہیں ہے اور یہ کہ ایک

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

روز انہیں بہر حال اپنے وطن کو لوٹنا ہے۔ ان چیزوں سے ان کے اوپر مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ایک اثر ان کی زندگی پر یہ پڑتا ہے کہ یہ اس بات کی ہر وقت کوشش کرتے رہتے ہیں کہ جب وہ اپنے وطن کو لوٹ کر جائیں تو خالی ہاتھ نہ ہوں، بلکہ ان کے پاس کافی سرمایہ بچت کی صورت میں موجود ہو جس سے وہ اپنے مستقل وطن میں بہتر زندگی گذار سکیں۔ چنانچہ یہ لوگ اپنی کمائی کا بڑا حصہ اپنے ملک میں انویسٹ کرتے ہیں۔ بعض لوگ بچت کی کسی اسکیم میں سرمایہ کاری کرتے ہیں۔ بعض زمین و جائیداد میں رقم لگاتے ہیں۔ بعض شیئرز خرید لیتے ہیں اور بعض اپنا پیسہ فارن کرنسی کی شکل میں محفوظ رکھتے ہیں۔

دوسرا اثر جو ان کے طرزِ زندگی پر پڑتا ہے اسے بجا طور پر "سیکنڈ ہینڈ" زندگی کا نام دیا جا سکتا ہے۔ ایک طرف تو ان لوگوں کو اپنے مستقبل کے لیے کچھ رقم پس انداز کرنی ہوتی ہے تو دوسری طرف یہ خوف دامن گیر رہتا ہے کہ کسی بھی لمحے انہیں یہاں سے نکال دیا جائے گا۔ ایسی صورت میں ان کا تمام تر ساز و سامان دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ چنانچہ وہ ہر معاملے میں سیکنڈ ہینڈ، گزارے کے قابل اور سستی چیز کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ جاتے وقت اگر کسی چیز کو پھینکنا بھی پڑے تو زیادہ دکھ نہ ہو۔ ورنہ قیمتی سامان ایسے وقت میں کوڑیوں کے مول ہی بکتا ہے۔ چنانچہ یہاں رہنے والے کم و بیش تمام لوگوں کا طرزِ عمل یہی ہوتا ہے کہ وہ فرسٹ کلاس تنخواہیں لے کر سیکنڈ کلاس زندگی گذارتے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں وہ جس طرح کی پر آسائش زندگی گذار سکتے ہیں، اس سے کم درجے کی زندگی اختیاری طور پر گذارتے ہیں۔

خلیجی ممالک میں کام کرنے والے ان پاکستانیوں کی زندگی ان لوگوں کے لیے بہترین نمونہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ لوگ جنھیں یقین ہے کہ ان کا اصلی وطن جنت ہے۔ اس دنیا میں تو وہ صرف کمانے کے لیے آئے ہیں اور اس کمائی کا بہترین مصرف

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ ہے کہ اسے اپنے اصل وطن یعنی جنت کی زمین میں انویسٹ کریں، خدا کی قرضِ حسنہ کی اسکیم میں لگائیں، اللہ کی رحمت کے شیئرز خریدیں اور زیادہ سے زیادہ نیکیوں کی فارن کرنسی محفوظ رکھیں۔ غرض یہ کہ وہ اپنی تمامتر صلاحیتوں اور بہترین مساعی کے ساتھ حشر کے بازار میں سرمایہ کاری کریں تاکہ کل جب اپنے 'وطن' کو لوٹیں تو کوئی پچھتاوا نہ ہو۔

وہ لوگ جو دنیا میں اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر فرسٹ کلاس زندگی گذار سکتے ہوں، کیوں سیکنڈ کلاس زندگی کو ترجیح دیتے ہیں؟ اس لیے کہ انہیں احساس ہوتا ہے کہ دنیا میں ان کے ویزے کی مدت کسی وقت بھی ختم ہوسکتی ہے۔ اگر ان کی پونجی اس دنیا کے سامانِ عیش وعشرت ہی میں صرف ہوگئی تو اگلی دنیا میں ان کا کیا بنے گا۔ ان کے عالی شان بنگلے وارثوں کے تصرف میں آجائیں گے، ان کی شان دار گاڑیاں دوسروں کے استعمال میں آجائیں گی، ان کے بڑے بڑے کارخانے دوسروں کے حصے میں آجائیں گے۔ مرنے والوں کو تو اپنے سازوسامان میں سے پھوٹی کوڑی بھی نہیں ملا کرتی۔ سو جب سب کچھ چھوڑنا ہی ٹھیرا تو بہتر یہی ہے کہ آدمی خراب چیز چھوڑ کر جائے تاکہ دکھ بھی کم ہو، ورنہ اپنے خون پسینے کی کمائی کو یوں اکارت جاتا دیکھ کر ان کا جی بہت کڑھے گا۔

ہم مانیں یا نہ مانیں مگر یہ حقیقت ہے کہ ہم میں سے ہر شخص "خلیج" میں کام کرنے والا ایسا ''غیر ملکی'' ہے جسے خوش قسمتی سے اپنا مستقبل سنوارنے کا ایک موقع مل گیا ہے۔ اگر ہم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر اپنے لیے کچھ بچت نہیں کی تو اپنے "وطن" کو لوٹتے وقت سوائے حسرت ویاس کے ہمارے پاس کچھ نہیں ہوگا۔

وہ جنھیں وطن کو لوٹنا ہے، انہیں اس بارے میں کچھ سوچنا چاہیئے۔ وہ جنھیں وطن کو لوٹنا ہے، انہیں اس بارے میں کچھ کرنا چاہیئے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مومن کی پہچان

سیف اللہ صاحب ہمارے قریبی دوستوں میں سے ہیں۔ وہ ایک طویل عرصے سے ہمارے ادارے سے وابستہ ہیں۔ ان کی ملازمت کی نوعیت ایسی ہے کہ انہیں دنیا بھر میں گھومنے اور جانے کا موقع ملتا ہے۔ ان مواقع کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک پرجوش داعیانہ شخصیت بھی دی ہے۔ چنانچہ وہ جہاں جاتے ہیں ہماری کتابیں اور رسالے ساتھ لے جاتے ہیں اور دنیا بھر میں ہمارا پیغام پھیلاتے ہیں۔ پچھلے دنوں میں نے سیف اللہ صاحب کو فون کیا تو انہوں نے مجھے بتایا کہ وہ اپنے بچوں کو رسالے کا ایک مضمون پڑھ کر سنا رہے تھے۔ انہیں جب بھی کوئی مضمون پسند آتا ہے وہ اسے اپنے بچوں تک ضرور منتقل کرتے ہیں۔

اگرچہ سیف اللہ صاحب میرے لیے اس وجہ سے اہم ہیں کہ ان کے ذریعے سے دنیا بھر میں میری تحریریں پھیلی ہیں، مگر مجھے ان کی یہ بات زیادہ پسند آئی کہ وہ اپنے بچوں تک بھی اچھی چیزیں پہنچاتے ہیں، چاہے انہیں پڑھ کر سنانا پڑے۔ یہ بات نہ صرف اس لیے اہم ہے کہ ہمارے گھر والے ہی اصل میں ہماری ذمہ داری ہیں بلکہ اس لیے بھی اہم ہے کہ نئی نسلوں میں مطالعے کا رجحان بہت کم ہوگیا ہے۔ وہ بری چیزیں بھی پڑھنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو اچھی چیزیں کیا پڑھیں گے۔ ایسے میں پچھلی نسلوں کے والدین کو یہ اپنی ذمہ داری سمجھنی چاہیے کہ نئی نسل میں مطالعے کا شوق پیدا کریں۔ اگر وہ نہ پڑھیں تو اچھی چیزیں انہیں پڑھ کر سنائی جائیں۔

ایک سچا مومن حق کو سمجھنے کے بعد اسے فوراً دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ بلاشبہ زبردستی دوسروں کے سر پر سوار نہیں ہوتا۔ وہ ہر وقت انہیں بات سنانے کی کوشش نہیں کرتا۔ وہ ان کی مصروفیات اور دلچسپی کی چیزوں میں مخل نہیں ہوتا۔ وہ جا بجا لوگوں کے سامنے وعظ و تقریر نہیں کرتا۔ لیکن وہ بات سنانے کا کوئی موقع خالی بھی نہیں جانے دیتا۔ وہ حکمت کے ساتھ ہمیشہ اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے مستعد رہتا ہے۔ یہی ایک سچے مومن کی پہچان ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

موسم بہار

اس مرتبہ پورے پاکستان میں گرمی بہت شدید پڑی ہے۔لاہور میں تو درجہ حرارت 48ڈگری تک جا پہنچا جو پچھلے 78 برس میں یہاں پڑنے والی شدید ترین گرمی ہے۔شدید گرمی کے ساتھ لوڈ شیڈنگ نے شہریوں کی زندگی عذاب کردی۔کراچی جو ملک کا سب سے بڑا شہر ہے،اس لوڈ شیڈنگ کا سب سے بڑا شکار بھی ہے۔صورتحال یہ ہوچکی ہے کہ 8 سے 10 گھنٹے بجلی بند ہونا معمولات یومیہ میں شامل ہو چکا ہے۔اس صورتحال سے لوگ اتنے تنگ ہیں کہ سڑکوں پر آگ لگانا،راستے بند کرنا اور احتجاج کرنا معمول بن چکا ہے۔

یہ گرمی چند دن کی ہے۔برسات کی آمد آمد ہے۔اس کے بعد آگ برساتا آسمان ، ایسی رحمت برسائے گا کہ زمین اوراس کے تمام باسی گرمی کو بھول کر ٹھنڈی بارش کا مزہ لیں گے۔یہی اس دنیا کا نظم ہے۔بنانے والے نے اس دنیا کواس طرح بنایا ہے کہ یہاں کوئی موسم سدانہیں رہتا۔

مگر ایک دنیا اور آرہی ہے۔اس دنیا کے موسم ابدی ہوں گے۔اس کی دھوپ،اس کی چھاؤں، اس کی گرمی،اس کی سردی،اس کی خزاں ،اس کی بہار سب ہمیشہ ایک جیسی رہیں گی۔اس زندگی کا پہلا دن 50 ہزار برس کا ہوگا۔یہ موسم گرما کا دن ہوگا۔گرمی ایسی ہوگی کہ سورج سوا نیزے کے فاصلے پر محسوس ہوگا۔پسینہ ایسا بہے گا کہ گویا ہر شخص اپنے پسینے میں غوطے کھا رہا ہوگا۔پیاس کا عالم یہ ہوگا کہ حلق میں کانٹے پڑ چکے ہوں گے۔اس روز بجلی اور ہوا کا تو کیا سوال،انسان کے سر پر کوئی سایہ تک نہیں ہوگا۔مگر ایسے میں کوئی احتجاج کا سوچ بھی نہ سکے گا۔کیونکہ یہ دن خدا کی عدالت قائم ہونے کا دن ہوگا۔یہ احتجاج کا نہیں انصاف کا دن ہوگا۔

مگر اس روز کچھ خوش نصیب ہوں گے۔ جو عرش الٰہی کے سائے میں،رحمتِ رب کی ٹھنڈی چھاؤں میں اور ساقی کوثر کی محفل میں ہوں گے۔یہ وہ لوگ ہوں گے جو زندگی کے ہر سرد و گرم میں صبر کرتے رہے۔ظلم کے جواب میں عدل،بے رخی کے جواب میں مسکراہٹ،کانٹوں کے بدلے میں پھول دنیا کو دیتے رہے۔یہی وہ لوگ ہیں جو جنت کے ابدی موسم بہار میں بسا دیے جائیں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دو چہرے ایک رویّہ

مسلمانوں کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان کے ایمان، محبت اور عقیدت کا محور ہے۔ ایک مسلمان چاہے کتنا بھی بے عمل کیوں نہ ہو وہ آپ کی محبت اور عقیدت کے معاملے میں بے حد حساس واقع ہوا ہے۔ حضور کی طرح ہی آپ کا لایا ہوا دین، آپ کی دی ہوئی شریعت اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب بھی مسلمانوں کے نزدیک بہت محترم ہے۔

حضور کی بے مثل شخصیت اور آپ کی لائی ہوئی آفاقی تعلیمات نے ہر دور میں انسانوں کو اپنی طرف کھینچا ہے۔ لیکن دوسری طرف اعدائے اسلام نے بھی ہر دور میں انہی دو چیزوں کو نشانہ بنا کر نہ صرف اچھے غیر مسلموں کو اسلام سے دور رکھنے کی کوشش کی ہے بلکہ مسلمانوں کا بھی اسلام پر اعتماد مجروح کرنا چاہا ہے۔

اسلام کے ان دشمنوں کا طریقہ کار ہمیشہ سے سادہ رہا ہے۔ یہ لوگ کبھی اسلام کے مثبت اور اچھے پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے نہیں لاتے بلکہ چن چن کر اسلامی تعلیمات اور سیرت پاک کے ان پہلوؤں کو لوگوں کے سامنے لاتے ہیں جہاں سطحی طور پر دیکھنے میں ایک چیز اخلاقی اور عقلی پیمانوں کے بالکل خلاف نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ لوگ حضور کی سیرت پر یہ کہہ کر حملہ کرتے ہیں کہ آپ نے گیارہ شادیاں کیں۔ یا اسلامی تعلیمات کو یہ کہہ کر داغدار کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ اس میں عورتوں کو دوسرے درجے کا انسان سمجھا گیا ہے۔ یا قرآن پاک میں لونڈی غلام رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ حالانکہ جیسے ہی تمام باتوں کو ان کے موقع محل اور حالات میں رکھ کر دیکھا جاتا ہے، اصل بات بالکل واضح ہو جاتی ہے۔

ان کا دوسرا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ حقائق کی سادہ توجیہ کرنے کے بجائے ایک انتہائی رکیک اور منفی توجیہ کرتے ہیں۔ مثلاً حضور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوتی تھی۔ یہ لوگ کبھی اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہو سکتے۔ حضور پر جھوٹ کی نسبت کا اس لیے سوال پیدا نہیں ہو سکتا کہ آپ کے بدترین دشمن اور منکرین بھی آپ کو صادق اور امین کہتے تھے۔ چنانچہ اس مسئلے کا حل یہ نکالا گیا کہ حضور کو معاذ اللہ مجنون، ساحر اور شاعر وغیرہ کہا گیا۔ دور جدید کے لوگوں نے نفسیاتی امراض کی آڑ لی اور وحی کے دوران میں طاری ہونے والی کیفیت کے پیش نظر یہ کہا گیا کہ معاذ اللہ آپ کو نفسیاتی عارضہ لاحق تھا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے بارے میں اس طرح کی خلاف عدل باتیں وہی لوگ کرتے رہے ہیں جو حق کی دشمنی میں بالکل اندھے ہو جاتے ہیں یا پھر اپنے پیروکاروں کے ہاتھ سے نکل جانے کا اندیشہ انہیں ہر اخلاقی اصول سے بالکل بے نیاز کر دیتا ہے۔ کسی کی دشمنی میں اندھے ہو کر خلاف عدل معاملہ کرنا یا اپنے مفادات کی خاطر اخلاقی اصول کو پامال کر دینا ایک خاص قسم کا منفی کردار ہے۔ یہ کردار ضروری نہیں کہ کسی دشمن اسلام میں پایا جائے۔ عین ممکن ہے کہ یہ کردار کسی مسلمان میں بھی موجود ہو۔ چنانچہ قرآن و حدیث میں مختلف طریقوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ اس قسم کے رویے اور کردار سے دور رہیں۔ ہم مثال کے طور پر صرف ایک آیت نقل کر رہے ہیں۔

''اے ایمان والو! عدل کے علم بردار بنو، اللہ کے لیے اس کی شہادت دیتے ہوئے۔ اور کسی قوم کی دشمنی تمھیں اس بات پر نہ ابھارے کہ تم عدل نہ کرو۔ یہی تقویٰ سے قریب تر ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ تم کرتے ہو بے شک اللہ اس سے باخبر ہے''۔ (مائدہ 8:5)

بد قسمتی سے مسلمانوں اور خاص کر مذہبی حلقوں میں دین کی تعلیم بالکل غیر اہم سمجھی جاتی ہے۔ چنانچہ جب وہ کسی کی دشمنی میں مبتلا ہو جاتے ہیں، تو عدل و انصاف کی ہر حد پامال کر جاتے ہیں۔ مخالفین کے بارے میں لکھی ہوئی ان کی تحریریں کبھی پڑھ لیجیے، اختلاف کرنے والوں کے بارے میں ان کی تقریریں ذرا سن لیں تو اندازہ ہو گا کہ ان میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین، کفار و منافقین اور اسلام دشمن یہود و نصاریٰ کے طریقہ واردات میں کوئی فرق نہیں۔ جھوٹ، دروغ گوئی، خلاف واقعہ الزام تراشی، بات کو سیاق و سباق سے جدا کر کے پیش کرنا، معاملے کی غلط اور رکیک تاویل کرنا، واقعہ کو موقع محل سے الگ کر کے بیان کرنا، تحقیر و تذلیل پر مبنی اسلوب اختیار کرنا، کفر و ضلالت اور شرک و بد دینی کے فتویٰ لگانا، جان، مال اور آبرو کے درپے ہو جانا یہ وہ رویے ہیں جو اسلام دشمن عناصر بھی اختیار کرتے ہیں اور اسلام کے نام پر کھڑے ہوئے لوگوں کے معمولات میں بھی شامل ہیں۔

یہ رویہ اختیار کرنے والے لوگ بظاہر خدا پرستی اور تقویٰ کے لبادے میں خود کو چھپاتے ہیں۔ مگر قرآن کے مطابق یہ لوگ خلاف عدل بات کہہ کر خدا اور تقویٰ دونوں سے کوسوں دور ہو جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا اس کے سوا کوئی انجام نہیں ہو گا کہ قیامت کے دن خدا کے حضور یہ لوگ مجرموں کی طرح پیش ہوں گے اور خدا ان کے ساتھ وہی معاملہ کرے گا جو اسلام کے دشمنوں کے ساتھ ہو گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سایہ اور بچی

یہ ایک مووی کلپ (Movie Clip) تھا، جس کا نام شیڈو یعنی سایہ تھا۔ میں نے اسے کمپیوٹر پر چلانا شروع کیا تو ایک دلچسپ منظر سامنے آیا۔ یہ ایک بچی تھی جو آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ دھوپ کی وجہ سے اس کے ساتھ اس کا سایہ بھی نظر آ رہا تھا جو اس کے قد سے کافی بڑا تھا۔ چلتے چلتے جب اس کی نظر اپنے سایہ پر پڑی تو وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔ اس کے ساتھ اس کا سایہ بھی اس کی طرف بڑھا۔ اس پر وہ مزید گھبرائی اور رونے لگی۔ پھر وہ دیر تک ادھر ادھر ہوتی رہی مگر سایہ اس کے ساتھ ہی چپکا رہا۔ اس کے ساتھ یہ وڈیو کلپ ختم ہو گیا۔

میں دیر تک اس ریکارڈنگ پر غور کرتا رہا جسے کسی نے ایک دلچسپ منظر سمجھ کر کیمرے کی آنکھ میں محفوظ کر لیا تھا۔ میرے لیے اس منظر میں تفریح کی تو کوئی بات نہ تھی، نصیحت کی ضرور تھی۔ یہ وسیع تر پس منظر میں انسانی زندگی کی بھرپور عکاسی تھی۔ انسان کو پیش آنے والے مسائل و آلام زندگی کا ناگزیر حصّہ ہیں۔ انسان ان سے گھبرا کر بھاگتا ہے اور یہ سائے کی طرح زندگی کے ہر موڑ پر انسان کا پیچھا کرتے ہیں۔ سائے کی طرح مصائب بھی ہمیشہ انسان کو اپنی برداشت سے زیادہ بڑے محسوس ہوتے ہیں۔ انسان ان سے بچنا چاہتا ہے، مگر موت تک یہ مصائب انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔

تاہم ان مصائب کو دیکھنے کا ایک دوسرا انداز بھی ہے۔ بالکل اسی طرح، جس طرح سایہ کی حقیقت سمجھنے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہوتا ہے۔ یعنی سایہ بظاہر انسان کے وجود کی ایک بگڑی ہوئی شکل ہے، مگر درحقیقت یہ بتاتی ہے کہ انسان اس وقت روشنی میں کھڑا ہے نہ کہ تاریکی میں۔ کیونکہ سایہ اس وقت بنتا ہے جب انسان پر روشنی پڑے۔ اندھیرے میں کبھی سایہ انسان کے ساتھ نہیں ہوتا۔ سایہ اپنی ذات میں کوئی مستقل شے نہیں بلکہ روشنی کا سائڈ افیکٹ ہے۔ ٹھیک اسی طرح مصائب کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور مغفرت کے ساتھ بندے کی طرف متوجہ ہیں۔ اس کے نور کی روشنی ہے، جس نے انسان کے وجود کا احاطہ کر لیا ہے۔ اور مصائب اسی نور کا سائڈ افیکٹ ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

انسان ان مصائب کی حقیقت سے واقف نہ ہو تو وہ ساری زندگی مصائب کے سائے سے خوفزدہ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو امتحان کی جس آزمائش میں اتارا ہے اس کا ایک بہت بڑا حصہ تو ان نعمتوں پر مشتمل ہے جو ہر لمحہ ہمیں حاصل رہتی ہیں۔ ہوا، پانی، لباس، خوراک، اعضا و قویٰ، عقل و فہم، رشتے ناطے، شعور و احساس غرض نعمتوں کی اتنی اقسام ہیں کہ اگر انھیں گننے کی کوشش کی جائے تو ان کا شمار ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ تمام نعمتیں اس لیے دیتے ہیں کہ ہم ان کا شکر ادا کریں اور اللہ تعالیٰ کی ابدی نعمتوں کے حقدار بنیں۔ مگر انسان ان کو معمولی چیز سمجھنے لگتا ہے۔ وہ شکر کرنے کے بجائے غفلت اور معصیت کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہ رویہ انسان کو جہنم میں پہنچا سکتا ہے۔

ایسے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے۔ انسان کسی نہ کسی مسئلے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اسے جان، مال اور آبرو کا کوئی نقصان پیش آ جاتا ہے۔ اس سے مقصود انسان کو ایذا دینا نہیں بلکہ ان نعمتوں کا احساس دلانا ہوتا ہے جو اسے پہلے ہی سے حاصل ہوتی ہیں مگر انسان انہیں اپنا حق سمجھ بیٹھتا ہے۔ یہی انسان کی آزمائش کا دوسرا پہلو ہے۔ یعنی جو نعمت چھن گئی ہے، جو مصیبت آ گئی ہے اس پر صبر کرے اور خدا سے اجر کی امید رکھے۔ خدا کے حضور استغفار کرے۔ اپنی کمیوں اور خامیوں کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ مگر بدقسمتی سے اکثر انسان اس بچّی کی طرح بن جاتے ہیں جو اپنے سایہ کو دیکھ کر ڈر گئی تھی اور رونے لگی تھی۔ وہ مصائب پر صبر کے بجائے آہ و زاری کرتے ہیں۔ شکوے شکایت کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مشکلات انہیں خدا سے قریب کرتی ہیں اور نہ ان کی اصلاح کا ذریعہ بنتی ہیں۔

مسائل زندگی کا ناگزیر حصّہ ہیں۔ ان سے بچا تو نہیں جا سکتا، مگر دنیا و آخرت دونوں کی زندگی ضرور بہتر بنائی جا سکتی ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ یہ مصائب انسان کے لیے روشنی کی علامت بن جائیں۔ وہ جان لے کہ یہ زندگی کا تاریک پہلو نہیں بلکہ روشن تر پہلو ہے۔ یہ اس روشنی کی علامت ہے جس کے ساتھ مالک دو جہاں اپنے بندے کی طرف متوجہ ہے۔ یہ روشنی خدا کے قرب کی روشنی ہے۔ یہ روشنی جنت کی نعمتوں کی روشنی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

معاشرتی برائیاں اور ہمارا رویّہ

مجھے ٹیلیوژن پر انٹرویو کے لیے براہِ راست (Live) اور ریکارڈ شدہ دونوں قسم کے پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا ہے۔ براہِ راست پروگراموں کے برعکس ریکارڈ شدہ پروگرام کو کبھی وقت پر شروع ہوتے میں نے نہیں دیکھا۔ بالخصوص پہلی دفعہ جب مجھے اس کا اندازہ نہ تھا تو بڑی کوفت اٹھانی پڑی۔ میں دیے ہوئے وقت پر جب اسٹوڈیو پہنچا تو معلوم ہوا کہ پروگرام کے پروڈیوسر، ڈائریکٹر، میزبان اور تکنیکی عملہ سب غائب ہیں۔ بعد میں پروگرام کے پروڈیوسر نے معذرت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا ہر مہمان دیے ہوئے وقت کے دو گھنٹے بعد آتا ہے۔ آپ چونکہ 'بدقسمتی' سے وقت پر آ گئے اس لیے آپ کو زحمت ہوئی۔

پروڈیوسر صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ غلط نہ تھا۔ یہ ہماری سوسائٹی کا عام رویہ ہے کہ اجتماعی تقریب اور معاملات میں جو وقت دیا جاتا ہے اس کی پابندی کرنے والا بیوقوف بن کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً کسی شادی کارڈ کو پڑھیے۔ اس پر تقریب کا وقت نو بجے لکھا ہوگا مگر مقامِ تقریب پر جا کر دیکھ لیجیے۔ دس بجے تک میزبانوں، گیارہ بجے تک مہمانوں اور بارہ بجے تک نکاح کے آثار نظر نہیں آئیں گے۔ انفرادی معاملات میں بھی ہمارا یہی رویہ ہے۔ ہم ملاقات کا ایک وقت طے کرتے ہیں اور بلا عذر اس سے گھنٹہ یا نصف آگے پیچھے کرنا ہمارے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔ ہم ایک کام کو جس وقت پر کر کے دینے کا وعدہ کرتے ہیں کبھی اسے پورا کرنا ضروری نہیں سمجھتے۔

ہمارا یہ رویہ بلاشبہ ہمارے اخلاقی زوال کی ایک کھلی نشانی ہے۔ اس زوال کا سبب یہ ہے کہ جب کبھی ہم اصلاح کی بات کرتے ہیں تو اس سے ہماری مراد ہمیشہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں۔ اپنی ذات کو ہم کبھی اس اصلاح کا نشانہ بنانے کی کوشش نہیں کرتے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اپنی بدعملیوں کی دسیوں توجیہات ہماری زبان کی نوک پر رکھی رہتی ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مثلاً کچھ عرصے قبل میں نے ایک معاشرتی مسئلے 'قطار نہ بنانے' پر ایک مضمون لکھا۔ اس میں نماز کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا تھا کہ منظّم طریقے پر باجماعت نماز پڑھنے والوں کو قطار کی زیادہ پابندی کرنی چاہیے۔ جبکہ اس کے برعکس اہل مغرب اس معاملے میں زیادہ باشعور ثابت ہوتے ہیں۔ اس مضمون پر ایک صاحب نے یہ تبصرہ فرمایا کہ قطار بنانا یہودیوں کا طریقہ ہے۔ یہ تبصرہ اس منفی سوچ کی عکاسی کرتا ہے جو ہمارے معاشرے کے ایک عام آدمی کے دل ودماغ میں رچ بس گئی ہے۔ اس سوچ میں ہم اپنے غلط اعمال کی کوئی نہ کوئی تاویل اپنے پاس رکھتے ہیں۔ چاہے وہ تاویل انتہائی نامعقول ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وہ سوچ ہے جو پہلے مرحلے پر خیر وشر کا شعور ختم کرتی اور پھر خیر کو شر اور شر کو خیر بنا دیتی ہے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

تاہم جو لوگ کسی برائی کو برائی مانتے ہیں وہ بھی اپنے اندر اتنا حوصلہ پیدا نہیں کرتے کہ خرابی کے اس دھارے میں شامل ہونے کے بجائے اولین اصلاح کرنے والے بن جائیں۔ حالانکہ اگر کچھ لوگ ہمت کر کے آگے بڑھیں تو دوسروں کے لیے ایک اچھی مثال قائم ہوسکتی ہے۔ جس کے نتیجے میں مزید لوگ آگے بڑھیں گے۔ کیونکہ ایک عام انسان لفظوں کی نہیں مثالوں کی پیروی کرتا ہے۔

مثلاً شادی کی تقریبات میں تاخیر سے ہر شریف آدمی نالاں ہے مگر کوئی آگے بڑھ کر اس معاملے کو ٹھیک کرنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ معمولی عذر کی آڑ لے کر پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ تاہم اس سلسلے میں ہمارے ایک عزیز دوست نے بڑی اچھی مثال قائم کی۔ انہوں نے اپنے بچوں کی شادی میں وقت کی پابندی کی یہ اعلیٰ مثال قائم کی ہے کہ کارڈ پر لکھے ہوئے وقت پر لازماً

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کھانا کھول دیا جاتا ہے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ مہمانوں کی تو خیر ہے مگر سسرال والوں کا آپ کیا کرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ اگر وہ تاخیر سے آئیں گے تو میں انتظار کر کے ان کے ساتھ کھاؤں گا مگر ان کی وجہ سے وقت کی خلاف ورزی کر کے دوسروں کو تکلیف میں نہیں ڈالوں گا۔ یہ ایک مثال ہے جو بتاتی ہے کہ اگر اصلاح کے معاملے میں انسان یکسو ہو اور ہمت کر لے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔ یہی وہ ہمت ہے جو ایک دفعہ کچھ لوگوں میں پیدا ہو جائے تو معاشرے میں خیر کا عنصر بڑھنا شروع ہو جائے گا۔

ہمارا ایک اور مسئلہ یہ بھی ہے کہ ہم اخلاقی معاملات کا مذہب سے کوئی تعلق محسوس نہیں کرتے۔ بلکہ، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا، اسے عیسائی یہودیوں کی کوئی بدعت سمجھتے ہیں۔ مذہب جو معاشرے اور مشکلات سے ٹکرانے کا سب سے بڑھ کر حوصلہ دیتا ہے ہمارے ہاں بے روح پوجا پاٹ اور بے معنی رسوم و رواج کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ حالانکہ مذہب کی کُل تعلیم یا تو اخلاقی نوعیت کی ہے یا ان کے نتائج اخلاقی دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اسی وقت کی پابندی کے مسئلے کو لے لیجیے۔ وقت کی پابندی کرنا ایفائے عہد کی ایک شکل ہے۔ اب دیکھیے دین کی تعلیمات اس بارے میں کیا ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"اور عہد کو پورا کرو بے شک عہد کے متعلق پوچھ گچھ کی جائے گی۔" (بنی اسرائیل 17:34)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جس میں عہد کی پاسداری نہیں اس کا کوئی دین نہیں" (مسند احمد)

قرآن و حدیث کے یہ احکام بتاتے ہیں کہ ایک سچا مومن اخلاقی دنیا میں بھی اعلیٰ ترین انسان ثابت ہوتا ہے۔ اگر اخلاقی دنیا میں کسی کا رویہ درست نہیں تو وہ جان لے کہ اس کے پاس کوئی دین نہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عجیب محرومی

میرے خاندان میں ایک لڑکی پہلی دفعہ ماں بننے والی ہے۔اس عرصہ میں وہ کافی تکالیف کا شکار رہی۔مگر ماں بننے کی خوشی میں وہ ساری تکلیفیں جھیل گئی۔اب سارے خاندان والے خوش ہیں۔اس نئے آنے والے کے لیے ہر ممکنہ تیاری کی جارہی ہے۔اس کی ہر ضرورت کا اہتمام کیا جارہا ہے تاکہ نئی دنیا کا یہ نیا مہمان اچھے طریقے سے اپنی زندگی کا آغاز کرے۔

یہ کم وبیش ہر انسان کی کہانی ہے۔اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسان آنے والے کل کا شعوری تصور رکھتا ہے۔وہ اس کے لیے تیاری کرتا ہے۔اس میں پوشیدہ مسائل سے بچنے کی کوشش کرتا اور اس میں چھپی خوشیوں کو محسوس کر کے لطف اندوز ہوتا ہے۔انسان کا یہی 'تصور کل' اس کی انفرادیت اور دنیا میں اس کی بقاو کامیابی کا ضامن ہے۔

مگر میں اکثر سوچتا ہوں کہ یہی 'تصور کل' قیامت کے دن انسان کی پکڑ کا سب سے بڑا سبب بن جائے گا۔جب قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان سے سوال کریں گے کہ میں نے اپنے پیغامبروں کی معرفت تمھیں جنت میں ملنے والی ہر خوشی اور جہنم کی ہر اذیت سے مطلع کر دیا تھا۔میرا پیغام زبانی ہی نہیں تحریری طور پر قرآن کی شکل میں تمھارے پاس موجود تھا۔اس میں میرے پیغام کے ساتھ ہر فکری اور عقلی سوال کا جواب بھی تھا۔ان سب کے ساتھ تم آنے والے کل کی تیاری کے اصول پر زندگی گزارتے تھے۔پھر یہ بتاؤ کہ آخرت کی اس نئی دنیا کی اپنے اس نئے جنم کی تیاری کیوں نہیں کی۔

خدا پوچھے گا میں نے تمھیں زندگی دی، رزق دیا، تم نے میری کتنی عبادت اور اطاعت کی۔تم مشکلوں میں مجھے پکارتے تھے، مجھ سے دعا کرتے تھے، میں نے تمھاری مدد کی۔تمھیں مشکلات سے نکالا، مگر جب میرا دین مشکل میں تھا، اس وقت بے پرواہ ہو کر اپنی دنیا میں مگن رہے۔تمھاری راتوں کی نینداور دن کا چین متاثر نہیں ہوا۔جاؤ آج تمھارے لیے میرے پاس سوائے محرومی کے اور کچھ نہیں۔

کتنا عجیب ہے یہ تصور کل رکھنے والا انسان اور کتنی عجیب ہوگی اس کی وہ ابدی محرومی جو اسے روز قیامت ملے گی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اصلی مومن

دین اسلام کی بنیاد ایمانیات پر ہے۔ ایمانیات کا پہلا جز اس بات کو ماننا ہے کہ اس دنیا میں انسان کا ایک خالق و مالک ہے جس نے ہر شے کو پیدا کیا ہے۔ انسان کو تنہا اسی معبود کی عبادت کرنی چاہیے اور اس کی پسند کی راہ پر چلنا چاہیے۔ اس ایمان کا دوسرا جز اس بات کو ماننا ہے کہ خدا ہر چند کہ آج غیب میں ہے مگر ایک روز وہ انسانوں کے سامنے آجائے گا۔ یہ وہ دن ہوگا جب تمام انسانوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے گا اور اس بات کو دیکھا جائے گا کہ انھوں نے گزری ہوئی زندگی میں کیسے اعمال کیے۔ اچھے اعمال والوں کو جنت کی پرفضا وادی میں ہمیشہ کے لیے بسا دیا جائے گا اور بدکاروں کو جہنم کے عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔

ایمانیات کا تیسرا جز یہ ہے کہ غیب کے اِس زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ انسانوں سے بے تعلق نہیں رہتا، بلکہ انسانوں کو اپنے مرضی سے آگاہ کرنے کے لیے انھی میں سے کچھ لوگوں کو اپنا پیغام پہنچانے کے لیے منتخب کرتا ہے۔ یہ لوگ پیغمبر کہلاتے ہیں جن پر وہ ایک اور مخلوق یعنی فرشتوں کے ذریعے سے اپنا کلام اتارتا ہے۔ پھر یہ پیغمبر اس کلام کو کبھی اپنے الفاظ میں اور کبھی کتابوں کی شکل میں لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں تاکہ لوگ خدا کی مرضی جان سکیں۔

یہی وہ باتیں ہیں جنھیں توحید، آخرت، رسالت، فرشتے اور کتابوں پر ایمان کہا جاتا ہے۔ یہ بظاہر چند الفاظ ہیں، مگر درحقیقت یہ وہ بنیادیں ہیں جن کو ماننے کے بعد انسان کی زندگی بدل جاتی ہے۔ ان کو ماننے والے لوگ ہر چیز سے بڑھ کر اللہ سے محبت کرتے اور اسی سے ڈرتے ہیں۔ یہ لوگ اس دنیا کی کامیابی کو اپنی زندگی کا مقصد نہیں بناتے بلکہ آخرت کی ابدی کامیابی کے لیے جیتے ہیں۔ انھیں معلوم ہوتا ہے کہ ان کا ایک ایک عمل ان کے رب کی نگاہ میں ہے اور اس کے فرشتے ان کا ہر عمل ریکارڈ کر رہے ہیں جو ایک روز ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا۔ ان کی نظر میں پیغمبروں سے زیادہ کوئی معتبر نہیں ہوتا۔ انسانوں سے تعلق اور خدا کی عبادت کے حوالے سے انبیا ہی ان کا آئیڈیل ہوتے ہیں۔

جس شخص کی زندگی ایمانیات کی بنا پر بدل جائے وہی خدا کے نزدیک اصلی مومن ہے اور جس کی زندگی نہ بدلے وہ خدا کے غضب کا شکار ہوگا، چاہے خود کو کتنا ہی مسلمان سمجھے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خزانے کا نقشہ

انسان کہانیوں کو بہت پسند کرتے ہیں۔ خاص طور پر وہ کہانیاں جن میں کسی پوشیدہ خزانے کا ذکر ہو ان کہانیوں میں کوئی مہم جو خطرات سے کھیلتا اور مشکلات جھیلتا ہوا اس خزانے تک جا پہنچتا ہے۔ اس مہم کے دوران اس کی راہنمائی کے لیے ہمیشہ ایک نقشے کا بھی ذکر ہوتا ہے جس کی مدد سے وہ نا معلوم منزل تک جا پہنچتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو پوشیدہ خزانے کے حصول کی یہ کہانی انسانی فطرت کے ایک خاص پہلو کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس کی بنا پر انسان یہ چاہتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی ساری نعمتیں اور راحتیں حاصل کر لے۔ یہ سب کچھ مال و دولت کے بغیر نہیں مل سکتا۔ خزانے کی کہانی میں یہی مال و دولت عالم شباب میں اس مہم جو کو مل جاتا ہے جو پڑھنے والے کے لیے ہیرو کی حیثیت رکھتا ہے۔

لیکن کہانیاں پسند کرنے والوں بلکہ درحقیقت اکثر انسانوں کو یہ بات معلوم نہیں کہ خزانے کی کہانی کوئی فلم، کوئی داستان نہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے۔ زندگی کی ایک ایسی حقیقت جس میں مرکزی کردار خود ان کا اپنا ہے۔ روز ازل سے خدائے ذوالجلال نے زندگی کی سچی کہانی میں انسان کو مرکزی رول کے لیے منتخب کر لیا تھا۔ اس کی ذمہ داری یہ تھی کہ وہ ایک مہم جو کی طرح دنیا کے مصائب و آلام اور راحت وسکون کو نظر انداز کرتا ہوا آگے بڑھے اور جنت کے اس خزانے کو پالے جس کے بعد انسان ہر عیش و آرام کا حقدار اور ہر دکھ و غم سے نجات پالے گا۔

خدا نے انسانوں کی راہنمائی کے لیے جنت کے پوشیدہ خزانے تک پہنچنے کا ایک نقشہ بھی عطا کیا ہے۔ یہ نقشہ پیغمبروں کی راہنمائی کے ذریعے سے انسان کو ملتا رہا ہے۔ اور آخری دفعہ یہ نقشہ قرآن پاک کی شکل میں تحریری طور پر محفوظ کر کے انسانوں کو دے دیا گیا ہے۔ اس نقشے میں علامات نہیں بلکہ الفاظ کی شکل میں بتا دیا گیا ہے کہ کون لوگ ہیں جو اس خزانے تک پہنچنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ سیدھا رستہ کیا ہے، اس پر چلنے میں کیا مشکلات آتی ہیں، ان سے کیسے نبرد آزما ہونا ہے، اس راستے کا زاد راہ کیا ہے، راستہ بھٹک جائیں تو کیا کرنا ہے، یہ سب اس میں تفصیل کے ساتھ بتا دیا گیا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مگر بدقسمتی سے انسان اس نقشے کو چھوڑ کر خواہش کے صحرا اور توہمات کے جنگل میں بھٹک رہے ہیں۔ وہ یہ بھول چکے ہیں کہ وہ عالم زیست میں ایک مہم پر بھیجے گئے ہیں۔ اس مہم میں ان کا مقصد جبلِ زندگی کے اس پار ایک اور دنیا میں موجود فردوس کے خزانے تک پہنچنا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا کے اس جنگل سے وہ محتاط انداز میں گزریں۔ کیونکہ یہاں قدم قدم پر گناہ کی دلدل ہے، ابلیس کے چھوڑے ہوئے شکاری درندے اور نفسانی خواہشات کے اژدہے ہیں۔ انہیں اس جنگل سے اپنا زادراہ تو لینا ہے، مگر اسے اپنا مسکن و مقصد نہیں بنانا۔ جس نے ایسا کیا وہ ابد تک اس جنگل میں بھٹکتا رہے گا۔

خزانے کے اس نقشے کو چھوڑ دینا ہر چند کہ تمام انسانیت کی بدقسمتی ہے، مگر سب سے بڑھ کر یہ ان لوگوں کی بدقسمتی ہے جن کے حوالے کر کے پیغمبر علیہ السلام دنیا سے گئے تھے۔ اس لیے کہ دوسروں کو یہ سب کچھ سمجھانے کی ضرورت ہے، مگر انہیں تو اس بات پر یقین ہے کہ واقعتاً یہ قرآن جنت کے پوشیدہ خزانے کا نقشہ ہے۔ دنیا کے دوسرے لوگ تو کل قیامت کے دن یہ عذر پیش کر سکتے ہیں کہ ہمارے پاس خزانے کا یہ نقشہ نہیں تھا مگر مسلمان قیامت کے دن کیا عذر پیش کریں گے؟

آج مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی کتاب اور ان کے پیغمبر کا دیا ہوا سب سے عظیم تحفہ ان کے پاس موجود ہے، مگر انہیں توفیق نہیں ہوتی کہ وہ اس کو کھول کر پڑھ لیں۔ جنہیں یہ توفیق ہوتی ہے وہ بے سوچے سمجھے اس کو پڑھتے ہیں اور ادب سے کسی بلند مقام پر رکھ دیتے ہیں۔ جو لوگ اس کے سمجھنے کے دعویدار بن کر کھڑے ہوتے ہیں، ان کے لیے یہ بس دنیا میں سیاسی انقلاب برپا کرنے کا ایک منشور ہے۔ جب مسلمانوں کا یہ حال ہو تو کسی غیر مسلم سے کیا توقع کی جا سکتی ہے۔

آج خدا اور انسانوں سے محبت کرنے والے لوگوں کا سب سے بڑا کام یہ ہے کہ وہ انسانوں کو خدا کی اس کتاب کی طرف بلائیں۔ پیغمبر کے اس کلام کی طرف بلائیں۔ اس لیے کہ ہر انسان کے پاس وقت تیزی سے ختم ہو رہا ہے۔ ہر مہم جو کے لیے مہلت عمل ختم ہو رہی ہے۔ اس نے اس نقشے کی مدد سے فردوس کے خزانے کو نہ پایا تو اس کا انجام جہنم کی گہری کھائی ہوگی۔ وہ کھائی جہاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رونا ہوگا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے چلانا ہوگا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

حضور کی سچائی اور ہماری ذمہ داری

''اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں انسانوں کے متعلق جو منصوبہ بنایا ہے اور اس حوالے سے جو مطالبات انسانوں سے مطلوب ہیں، ان کی طرف انسانوں کی راہنمائی کرنا اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لے رکھا ہے''۔(الیل 12:92)۔

اس ہدایت کی ایک سطح وہ ہے جس کے لیے فطری ہدایت کا لفظ موزوں ہے کیونکہ یہ ہدایت ہر انسان کی فطرت میں ودیعت کردی گئی ہے۔اس فطری ہدایت کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان خالق اور مخلوق کے بنیادی حقوق جان لے اور ان کے معاملے میں درست رویہ اختیار کرلے۔قرآن نے اس فطری ہدایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ توحید کا تصور روز ازل ہی سے انسانی فطرت میں رکھ دیا گیا ہے۔ (اعراف 172:7)۔اسی طرح ہر نفس انسانی میں یہ بات ودیعت کردی گئی ہے کہ کن چیزوں کو خیر سمجھ کر اسے اختیار کرنا ہے اور کون سے امور کو شر ہونے کی بنا پر ترک کرنا ہے۔الشمس (7-2:91)۔اسی ہدایت کا نتیجہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان تمام تر انحرافات کے باجود ایک برتر ہستی کا اعتراف کرتے اور کسی نہ کسی اخلاقیات کی پیروی ضرور کرتے ہیں۔

لیکن فطرت کی یہ پکار چونکہ خاموش ہوتی ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ابتدا ہی سے انسانوں کی ہدایت کے لیے ایک زیادہ محکم اور واضح اہتمام بھی کیا ہے۔یعنی اللہ تعالیٰ بعض انسانوں کو منصب نبوت پر فائز کرکے ان پر وحی نازل فرماتے ہیں اور یہ انبیا اللہ تعالیٰ کا پیغام انسانیت تک پہنچاتے ہیں۔اس ہدایت میں نہ صرف اللہ تعالیٰ کے مطالبات صراحت کے ساتھ بیان کردیے جاتے ہیں بلکہ یہ بھی واضح کردیا جاتا ہے کہ ایک روز سب لوگ اللہ تعالیٰ کے پاس جمع کیے جائیں گے۔پھر اللہ تعالیٰ دیکھیں گے کہ لوگوں نے کیسے اعمال کیے۔جو اچھے اعمال والے ہوں گے ان کو جنت کی عزت اور فردوس کی بادشاہت سے نوازا جائے گا اور برے اعمال والوں کا ٹھکانہ جہنم کی ذلت اور عذاب کی شکل میں ہوگا۔

اس سلسلے کا آخری اہتمام رسالت کا سلسلہ ہے۔ہر رسول ایک نبی بھی ہوتا ہے جس میں وہ ٹھیک

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

وہی پیغام بندوں تک پہنچاتا ہے جس کا اوپر ذکر ہوا۔ البتہ رسول نبی سے ایک قدم آگے بڑھ کر خدا کی دعوت کی سچائی اس طرح لوگوں پر واضح کر دیتا ہے کہ اس کی حقانیت میں کوئی شک وشبہ نہیں رہ جاتا۔ وہ اس طرح کہ رسول کی دعوت کو نہ ماننے کے نتائج اسی دنیا میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی جن اقوام نے اپنے رسولوں کی تکذیب کی، وہ دنیا ہی میں تباہ کر دی گئیں۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ ان اقوام کا تذکرہ ہے۔ ان میں قوم نوح، عاد، ثمود، قوم شعیب، قوم لوط اور آل فرعون وغیرہ کا نام بہت نمایاں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں اللہ تعالیٰ نے آخری درجہ میں اپنی ہدایت کے سچا ہونے کا ثبوت پیش کر دیا۔ آپ نبی ہونے کے ساتھ رسول بھی تھے اور اس حیثیت میں آپ کی قوم کے ساتھ وہی ہوا جو دیگر رسولوں کی اقوام کے ساتھ ہوا تھا۔ مگر آپ چونکہ خاتم الانبیا والمرسلین بھی تھے اس لیے آپ کے ذریعے سے رونما ہونے والے اس واقعہ کو آپ کی اپنی لائی ہوئی کتاب یعنی قرآن اور تاریخ کے صفحات دونوں میں قیامت تک کے لیے رقم کر دیا گیا۔

آپ انسانی تاریخ کی واحد شخصیت ہیں جنھوں نے اپنے آپ کو نبی اور رسول کے طور پر پیش کیا اور تاریخی طور پر یہ ثابت کر دیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اس بات کا مطلب یہ ہے کہ حضور نے دنیا کے سامنے توحید و آخرت کی دعوت پیش کی اور اس دنیا سے رخصت ہونے سے قبل جزیرہ نما عرب میں عملاً توحید کو غالب اور ایک قیامت صغریٰ قائم کر کے یہ بتا دیا کہ آپ واقعی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ کے ذریعے سے توحید اس طرح غالب ہوئی کہ عرب میں توحید کے سوا کوئی دین باقی نہ رہا اور قیامت کا ایک نمونہ اس طرح قائم ہوا کہ آپ کے ماننے والے حکمران بن گئے اور منکرین کے پاس موت اور ذلت کے سوا کوئی راستہ نہ بچا۔ یہ بات مسلمانوں کا عقیدہ ہی نہیں بلکہ ایک تاریخی حقیقت ہے۔ یہ تاریخی واقعہ آپ کی رسالت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

ختم نبوت کے بعد اب یہ ہمارا کام ہے کہ ہم آپ کی سچائی کے ثبوت کو دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہی اجتماعی طور پر ہماری سب سے بڑی ذمہ داری ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اسلام کا نفاذ یا نفوذ

بیسویں صدی کا نصف آخر جدید مسلم تاریخ کا ایک بہت اہم وقت ہے۔ یہ وہ عرصہ ہے جس میں مسلم ممالک نے نوآبادیاتی طاقتوں سے سیاسی آزادی حاصل کر لی تھی اور دنیا بھر میں 50 سے زیادہ مسلم ریاستیں وجود میں آگئی تھیں۔ اس دور میں مسلمانوں کی مذہبی اور فکری قیادت کا اہم ترین مسئلہ یہ تھا کہ ان ممالک میں دین اسلام کا نفاذ ہو جائے۔ معاشرے سے غیر اسلامی شعائر کا خاتمہ ہو۔ اسلامی سزائیں نافذ ہوں اور اقتدار صالحین کے ہاتھ میں آجائے۔

چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لیے ہر سطح پر بہت زیادہ کام کیا گیا۔ عوام الناس کی ذہن سازی سے لے کر سیاسی تنظیموں کے قیام تک اور فکری و قلمی جہاد سے لے کر حکمرانوں کے خلاف تحریک چلانے تک سارے اقدامات کیے گئے۔ اس کے نتیجے میں بیسویں صدی کے ربع اخیر یعنی آخری پچیس برسوں میں صورتحال تیزی سے بدلی اور بہت سے مسلم ممالک میں اسلام پسند قوتیں برسر اقتدار آگئیں۔ اسلامی نظام کے نفاذ کا عمل شروع ہوا اور سیکولر عناصر کو پسپائی ہوگئی۔

تاہم اکیسویں صدی کے پہلے عشرے میں یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حکومت کی سطح پر نفاذ اسلام کا تجربہ وہ اثرات و ثمرات نہیں دے پایا جس کے خواب دکھائے گئے تھے۔ اس معاملے میں حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا یہ اندیشہ بالکل درست ثابت ہوا کہ نفاذ اسلام کا معاملہ ترکش کے واحد تیر کی طرح ہوگا۔ یہ تیر اگر خطا ہو گیا تو پھر نشانے پر لگانے کے لیے کچھ نہیں بچے گا۔ آج یہ اندیشہ ایک تلخ حقیقت بن کر سامنے آگیا ہے کہ تیر نشانے سے خطا ہو چکا ہے۔

بدقسمتی سے 80 کی وہ دہائی جس میں پاکستان میں اسلامائزیشن کا عمل پوری قوت سے جاری تھا، اسی دہائی میں ہمارے ہاں کرپشن، کلاشنکوف اور ہیروئن کلچر اپنی جڑیں پھیلا رہا تھا۔ 90 کی دہائی تک یہ بات اندھوں کو بھی نظر آنا شروع ہو گئی تھی کہ نظام زکوٰۃ نافذ ہو چکا ہے، مگر اس کے باوجود دولت کی غیر منصفانہ تقسیم اور غربت کا عمل بڑھ رہا ہے۔ حدود نافذ ہیں، مگر زنا اور بدکاری کا زنگ ہمارے نظام اقدار کو بری طرح چاٹنے لگا ہے، آئین میں اسلامی شقیں بڑھ رہی ہیں، مگر عوام میں اسلامی کردار اور

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اخلاقی اوصاف کم ہو رہے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس معاملے میں اصل غلطی یہ تھی کہ اسلام کو قانون کے ذریعے سے نافذ کرنے کی چیز سمجھ لیا گیا تھا۔ بجائے اس کے کہ اس غلطی کی اصلاح کی جاتی آج یہ فکری غلطی اتنی بڑھ چکی ہے کہ لوگ قانون کے بجائے ڈنڈے کے زور پر اسلام نافذ کرنے پر اتر آئے ہیں۔ یہ پچھلی غلطی سے بھی زیادہ بڑی غلطی ہے۔ پہلی غلطی کے نتائج تو یہ نکلے تھے کہ منافقت کا مرض عام ہوا تھا۔ اس غلطی کے نتیجے میں تو لوگ علانیہ اسلام سے بغاوت کر دیں گے۔ اس لیے اب وقت آ گیا ہے کہ نئی غلطی اور پرانی غلطی پر پوری طاقت کے ساتھ لوگوں کو متنبہ کرتے ہوئے لوگوں کو اس راستے کی طرف بلایا جائے جو صحیح راستہ ہے۔

ہمارے نزدیک اسلام اپنے آپ کو انسانی معاشروں میں نافذ نہیں کراتا بلکہ وہ معاشروں میں نفوذ کر جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اسلام کا طریقہ کار یہ ہے کہ وہ معاشرے کے ثقافتی ڈھانچے میں اپنی رسوم اور آداب داخل کرنا شروع کرتا ہے۔ وہ اپنے دلائل سے اس کے سوچنے والے اذہان کو مسخر کرتا ہے اور اپنی اقدار پر مبنی ایک تہذیبی روایت کی داغ بیل ڈالتا ہے۔ اس کے بعد قانون کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ مرحلہ تہذیب و ثقافت سے متعلق نہیں ہوتا بلکہ تمدن کا وہ معاملہ ہوتا ہے جس میں ہر قوم اور ہر گروہ اصولی ہدایات اسلام سے لے کر اپنے دور اور حالات کے مطابق اپنے اجتماعی نظام میں تبدیلی لاتی ہے اور قانون سازی کرتی ہے۔

یہ بات کسی نو مسلم معاشرے کے بارے ہی میں درست نہیں بلکہ ایک ایسے مسلم معاشرے کے بارے میں بھی درست ہے جو صدیوں سے غیر اسلامی تہذیب و ثقافت کے زیر اثر پروان چڑھا ہو۔ پاکستانی معاشرہ بھی درحقیقت ایک ایسا ہی معاشرہ ہے۔ یہاں پر بھی اسلام نافذ نہیں ہو سکتا بلکہ اس سے قبل اس کے نفوذ کی ایک بھرپور مہم شاید کئی عشروں تک چلانا ضروری ہے۔ اس کی اقدار، روایات، رسوم و آداب کو موجودہ ثقافت کے ڈھانچے میں شامل کرنے اور اس کے فکر و نظریہ کو سوچنے والے اور اقتدار رکھنے والے طبقات کے دل و دماغ میں راسخ کرنا ہی اس وقت اصل کام ہے۔ اسلام کے اس نفوذ کے بغیر اس کے نفاذ کا خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مغرب اور آج کا چیلنج

مرزا غالب(1869-1796)اردو زبان کے سب سے بڑے شاعر سمجھے جاتے ہیں۔ان کی عظمت کا راز صرف ان کی شاعری کے حسن اور بیان کی خوبی ہی میں نہیں ہے۔ان کا اصل کمال یہ ہے کہ وہ زندگی کے حقائق اور انسانی نفسیات کو گہرائی میں جا کر سمجھتے ہیں اور بڑی سادگی سے عام لوگوں کے لیے بیان کر دیتے ہیں۔غالب جس پر آشوب دور میں پیدا ہوئے اس میں انہوں نے مسلمانوں کی ایک عظیم سلطنت کو برباد ہوتے ہوئے اور باہر سے آئی ہوئی انگریز قوم کو ملک کے اقتدار پر چھاتے ہوئے دیکھا۔غالباً یہی وہ پس منظر ہے جس نے ان کی نظر میں گہرائی اور فکر میں وسعت پیدا کی۔

تاہم بہت کم لوگ اس بات سے واقف ہیں کہ غالب نے ایک ایسے پہلو سے مسلمانوں کی راہنمائی کی تھی ، جو اگر مسلمان اختیار کر لیتے تو آج دنیا کی عظیم ترین قوتوں میں ان کا شمار ہوتا۔مگر بدقسمتی سے لوگوں نے شاعری میں ان کے کمالات اور نثر پران کے احسانات کو تو لیا،مگر قومی معاملات میں ان کی راہنمائی کو نظر انداز کر دیا۔اور سب سے بڑا سانحہ یہ ہے کہ یہ کام اس شخص نے کیا جو خود آنے والے دنوں میں برصغیر کے مسلمانوں کا بہت بڑا راہنما بنا یعنی سر سید احمد خان۔

1855 میں سر سید نے اکبر اعظم کے زمانے کی مشہور تصنیف ''آئین اکبری'' کی تصحیح کر کے اسے دوبارہ شائع کیا۔غالب نے اس پر فارسی میں ایک منظوم تقریظ (تعارف) لکھا۔اس میں انہوں نے سر سید کو سمجھایا کہ''مردہ پرورن مبارک کارِنیست''یعنی مردہ پرستی اچھا شغل نہیں بلکہ انہیں انگریزوں سے یہ سبق سیکھنا چاہیے کہ وہ کس طرح فطرت کی طاقتوں کو مسخر کر کے اپنے اجداد سے کہیں آگے نکل گئے ہیں۔ انہوں نے اس پوری تقریظ میں انگریزوں کی ثقافت کی تعریف میں کچھ نہیں کہا بلکہ ان کی سائنسی دریافتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مختلف مثالوں سے یہ بتایا ہے کہ یہی ان کی ترقی کا راز ہے۔

بدقسمتی سے اس نصیحت کو سر سید نہ سمجھ سکے۔وہ انگریزوں سے متاثر تو ضرور ہوئے،مگر سائنس و ٹیکنالوجی میں ان کی ترقی سر سید کا آئیڈیل نہ بنی۔ بلکہ انگریزوں کی زبان،ان کی معاشرت،ان کے سماجی علوم یہی سر سید کے نزدیک مسلمانوں کے لیے کامل نمونہ تھے۔اِنہی کی تحصیل کے لیے انہوں نے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مسلمانوں کو ابھارا اور اسی مقصد کے لیے ایک زبردست تعلیمی تحریک برپا کی۔ اس کا یہ فائدہ تو بہرحال ہوا کہ مسلمان اس قابل ہوگئے کہ انگریزی معاشرے کے دیگر نظاموں کے ساتھ ان کے نظام سیاست کو سمجھ کر ان سے آزادی حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئے، مگر بدقسمتی سے اس کے اثرات تہذیبی اور ثقافتی طور پر ان پر بہت برے پڑے۔ مسلم اشرافیہ (Elite) میں انگریزوں کی زبان، لباس، ثقافت، رہن سہن اور اقدار سے مرعوبیت کی نفسیات پیدا ہوگئی۔ بدقسمتی سے آج کے دن تک ہمارے پڑھے لکھے اور صاحب ثروت طبقات اسی نفسیات میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ مغربی تہذیب کے مثبت پہلو مثلاً قانون کی عملداری، سماجی عدل، تحریر و تقریر کی آزادی کا تو چلن ہمارے ہاں آج تک نہیں ہوسکا البتہ انگریزی زبان اور انگریزی طرز زندگی ہمارے ہاں عزت و شرف کا معیار سمجھے جاتے ہیں۔

اس صورتحال میں مزید خرابی ہماری مذہبی قیادت نے پیدا کی ہے۔ انہوں نے نہ صرف شروع ہی سے سرسید سے متضاد طرز فکر اختیار کیا۔ یعنی انگریزوں اور انگریزی تہذیب کے ہر پہلو سے شدید نفرت۔ سرد جنگ کے زمانے میں سیاسی حالات کی بنا پر یہ رویہ کچھ بہتر ہوا تھا مگر 9/11 کے بعد پیدا ہونے والے حالات کے نتیجے میں ایک دفعہ پھر اس ذہنیت کا بھرپور اظہار ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کے لیے درست راستہ اس وقت صرف یہ ہے کہ وہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے ایک درمیانی راستہ اختیار کریں۔ انہیں نہ مغرب سے مرعوب ہونا ہے اور نہ اس سے نفرت کرنی ہے۔ اس وقت مغرب دنیا کا حکمران ہے۔ ان کی تہذیب دنیا کی غالب تہذیب ہے۔ وہ سائنس و ٹیکنالوجی کے امام ہیں۔ ان کی اس اہمیت کی بنا پر ان کے ساتھ بڑے تدبر کے ساتھ معاملہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمارے نزدیک اس کے تین پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ سائنسی علوم اور تمدنی ارتقا میں ان کی ترقی کو کلی طور پر لینا ہمارا نصب العین ہونا چاہیے۔ دوسرے ان کی تہذیب کے وہ پہلو جو ہماری بنیادی اقدار کے خلاف ہیں، ان کو ہر صورت میں اپنے اندر در آنے سے روکنا ہمارا مقصد ہونا چاہیے۔ مثلاً ہماری تہذیب آخرت پسندی، حیا اور حفظ مراتب کے ارکان ثلاثہ پر کھڑی ہے۔ ان پر ہم کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔ ان کے درمیان میں جو ثقافتی عناصر ہیں مثلاً زبان وغیرہ ان پر سمجھوتہ کرنا ہماری مجبوری ہے۔ اس حکمت عملی کو اپنائے بغیر ہم اس چیلنج کا سامنا موثر طریقے سے نہیں کر سکتے جو آج ہمیں درپیش ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تا کہ آنکھوں والے دیکھ سکیں

جماعت ختم ہوئی۔ میں نوافل ادا کرنے کے لیے پچھلی صف میں آ گیا۔ نماز میں میں نے سورہ نبا کی تلاوت شروع کر دی۔ اس سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ان گنت احسانوں میں سے کچھ کا ذکر کر کے یہ فرمایا ہے کہ اگر ہم تمہیں اس طرح نعمتیں دے رہے ہیں تو جان لو کہ ایک دن ہم ان نعمتوں کا حساب بھی کریں گے اور یہ فیصلے کا دن آ کر رہے گا۔

میں نے یہیں تک تلاوت کی اور پھر رکوع میں چلا گیا۔ مگر خدا کے سامنے اس رکوع سے سر اٹھانا میرے لیے بہت مشکل ہو گیا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ رکوع میں میری نگاہ اس لڑکے کے پیروں پر پڑی جو میرے برابر کھڑا نماز پڑھ رہا تھا۔ اس کے دونوں پیر ٹیڑھے ہو کر پیچھے کی سمت مڑے ہوئے تھے۔ وہ بمشکل اپنا توازن برقرار رکھ کر قیام میں کھڑا تھا۔ قرآن میں آنے والے خدا کے الفاظ نے مجھ پر وہ اثر نہیں کیا تھا جو اس منظر نے کر دیا تھا۔ وہاں بھی خدا کی نعمتوں کا ذکر تھا مگر یہاں میرے سامنے یہ زندہ سوال آ گیا تھا کہ اگر میرے پیر بھی ایسے ہوتے تو زندگی کتنی مشکل ہو جاتی۔

انسان ساری زندگی اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں میں گزارتا ہے، مگر کبھی اسے یہ یاد نہیں آتا کہ ایک روز پروردگار ان نعمتوں کا حساب کرے گا۔ انسانوں کی یادداشت کو تازہ کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ معذوروں کی شکل میں ایک زندہ نصیحت ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ نے اس حقیقت کو اپنے لافانی انداز میں اس طرح بیان کیا ہے کہ خدا نے اندھے اس لیے پیدا کیے ہیں تا کہ آنکھوں والے دیکھ سکیں۔ مگر انسان ان معذوروں سے صحیح سبق حاصل کرنے کے بجائے انہیں نظر انداز کر دیتے ہیں یا بہت ہوا تو ان پر ترس کھاتے ہیں۔ حالانکہ انسانوں کو ترس اپنے اوپر کھانا چاہیے۔ کیونکہ ان معذوروں کو خدا کے احتساب سے نہیں گزرنا ہو گا۔ احتساب ہمارے جیسے لوگوں کا ہو گا۔

بدنصیب یہ معذور اور محروم لوگ نہیں۔ اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے کام میں استعمال ہو رہے ہیں اور اگر یہ صبر کریں گے تو یہ اپنا اجر بلا حساب کتاب پالیں گے۔ بدنصیب وہ ہیں جو انہیں دیکھ کر بھی نہ سنبھلیں، کیونکہ قیامت کے بعد شروع ہونے والی زندگی میں انہیں ہمیشہ کے لیے معذور کر دیا جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خدا کا ہاتھ

اس کے ہاتھ نے اپنی ماں کے پلو کو تھام رکھا تھا۔چھوٹا سا ہاتھ ......کمزور سا ہاتھ......معصوم سا ہاتھ۔ یہ بچہ سال بھر کا بھی نہیں ہوگا۔ باپ آگے بیٹھا موٹر بائیک چلا رہا تھا اور اس کے پیچھے ماں اپنے بچے کو گود میں لیے بیٹھی تھی۔ اس نے ایک ہاتھ سے موٹر بائیک کی سیٹ کو اور دوسرے ہاتھ سے بچے کو پکڑ رکھا تھا۔ اس پورے منظر میں میرے لیے کوئی نئی بات نہ تھی سوائے اس چھوٹے سے ہاتھ کے......جس نے ماں کے پلو کو پکڑ رکھا تھا۔

میں نے سوچا کہ اگر اس بچے کی ماں اپنے ہاتھ کی گرفت برقرار نہ رکھ سکے تو کیا یہ چھوٹا سا ہاتھ، یہ معصوم سی مٹھی، اتنی طاقتور ہے کہ خود کو گرنے سے روک سکے۔ میرے ذہن نے کہا، ''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، یہ بچہ نہیں بلکہ ماں ہے جو اسے سنبھالے ہوئے ہے''۔

میں اس سے قبل گرمی کے روزوں کی مشقت اور اس کے اجر پر غور کر رہا تھا، مگر اس منظر کو دیکھ کر مجھے اندازہ ہوا کہ جہنم کے گڑھے میں ہمیں گرنے سے اگر کوئی بچا سکتا ہے تو وہ ہماری عبادت کا کمزور ہاتھ نہیں بلکہ پروردگار کی رحمت کا طاقتور ہاتھ ہے۔ جنت کی منزل تک ہماری رسائی ہو ہی نہیں سکتی اگر مالک دو جہاں کا شفقت بھرا ہاتھ ہمیں نہ سنبھالے ہوئے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ہماری ساری مذہبیت اور عبادات بھی دراصل خدا کی دی ہوئی توفیق کی مرہون منت ہیں۔ اسی نے ہماری ساری دینداری کا بھرم رکھا ہوا ہے۔ وہ اگر ہم پر مطالبات اور آزمائشوں کے بوجھ ڈالدے تو ہماری ساری دینداری کی پول کھل جائے گی، (محمد 47:34)۔

میں نے سر اٹھایا اور آسمان کی طرف دیکھ کر کہا۔ روزہ داروں نے روزہ کی مشقت اٹھا کر تیرا قرب چاہا ہے۔ لیکن یہ مشقت اس بچے کے کمزور ہاتھ سے زیادہ نہیں جس نے اپنی ماں کا دامن پکڑ رکھا تھا۔ ماں کے ہاتھ کو بچے کا سہارا بنانے والے، اپنے طاقتور ہاتھ کو آگے بڑھادے۔ وگرنہ دنیا کی کوئی طاقت ان بندوں کو جہنم سے نجات اور جنت کی کامیابی کا حقدار نہیں بنا سکتی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دایاں ہاتھ

ہالینڈ کے سائنسدانوں کی ایک تحقیقی رپورٹ میں اس بات کا انکشاف کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ سے کام کرنے والی خواتین کی شرح اموات مختلف وجوہات کی بنا پر دائیں ہاتھ سے کام کرنے والوں کی بنسبت 40 فیصد زیادہ ہوتی ہے۔ان وجوہات میں کینسر، دل کے امراض اور دماغ کو خون کی فراہمی میں رکاوٹ شامل ہے۔مزید یہ بھی کہ بائیں ہاتھ سے کام کرنے والے افراد جو دنیا کی کل آبادی کا دس فیصد ہیں، ان کی اوسط عمر بھی دائیں ہاتھ سے کام کرنے والوں کے مقابلے میں کم ہوتی ہے۔

یہ رپورٹ پڑھنے والے کو دین کی اس تعلیم کی یاد دلاتی ہے جس کے مطابق ہر مسلمان کے لیے یہ سنت مقرر کی گئی ہے کہ وہ کھانا کھائے تو سیدھے ہاتھ سے کھائے اور اللہ کا نام لے کر کھائے۔ یہی نہیں بلکہ زندگی کے دیگر بہت سے اعمال بھی سیدھے ہاتھ سے کرنا ایک پسندیدہ چیز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ طریقہ اگر مقرر کیا ہے تو یقیناً اس کے بہت سے دنیوی فائدے بھی ہوں گے، جس کی ایک مثال اس رپورٹ میں سامنے آئی ہے۔لیکن دین کی یہ تعلیم اصل میں انسان کو قیامت کے دن کی پیشی یاد دلانے کے لیے مقرر کی گئی ہے۔ قیامت کے دن جب نیک لوگ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے اعمال کے ساتھ پیش ہوں گے تو ان کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ یہ اس بات کا ایک علامتی اظہار ہوگا کہ انھیں جنت کی ابدی کامیابی کی بشارت دے دی گئی ہے اور جہنم کے عذاب سے ہمیشہ کے لیے بچا لیا گیا ہے۔

اس دنیا میں انسان کی زندگی کا صرف اور صرف ایک ہی مقصد ہونا چاہیے۔ وہ یہ کہ جب قیامت کے دن ختم نہ ہونے والی ابدی زندگی کا آغاز ہو تو اس کا نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے۔ جسے پا کر وہ جان لے کہ اب اس کی زندگی خوشیوں کی وہ داستان ہوگی جس میں کبھی دکھ، غم، بیماری، موت، بڑھاپا، محرومی اور مایوسی نہیں آئے گی۔داہنے ہاتھ کا استعمال کچھ اور نہیں، زندگی کے اسی مقصد کی یاد دہانی ہے۔ یہ جنت کے شوق کا اظہار ہے۔ یہ خدا سے اس کی رحمت کی درخواست ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

صرف نیک لوگوں کے لیے لکھا گیا مضمون

نیک لوگ بالعموم دوطرح کے ہوتے ہیں۔ایک وہ جنہیں ان کی نیکی،تقویٰ اور پارسائی نے خدا کی معرفت سے نوازا ہوتا ہے۔دوسرے وہ جن کی عبادت وریاضت،فضل وکمال اور منصب ومرتبہ نے انہیں خدا سے زیادہ اپنی ذات کا عرفان بخشا ہوتا ہے۔ظاہری سیرت وکردار کے اعتبار سے اکثر دونوں گروہ ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں۔لیکن بعض اوقات ایسے حالات پیش آجاتے ہیں جو کسوٹی بن کر یہ فیصلہ کردیتے ہیں کہ کونسا گروہ اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا مستحق ہے اور کونسا گروہ اس کے غضب کا حقدار ہے۔

اس طرح کے حالات پیش آنے کی ایک صورت وہ ہوتی ہے جب اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کی موجودگی میں اوران کے سامنے کسی ایسے شخص کو بلند مرتبہ عطا کرے جس سے یہ خود کو برتر خیال کرتے ہوں۔اگر یہ نیکوکار پہلے گروہ سے ہوتا ہے تو اس کا ذہن فوراً خدا کی بے حساب بخشش اور عطا کی طرف مڑ جاتا ہے۔وہ منہ کے بل اپنے مالک کے حضور گر پڑتا ہے۔اس کی زبان سے معرفت کے اعلیٰ ترین کلمات نکلتے ہیں۔اس کے زمین بوس وجود سے وہ دعائیں نکلتی ہیں جو آسمان کا سینہ چیرتی ہوئی عرشِ قبولیت تک جا پہنچتی ہیں۔اس کا عجز بارگاہِ ربوبیت میں اس طرح ملتجی ہوتا ہے کہ مالک تونے اپنی کتاب میں یہ سکھایا ہے کہ جب حقداروں کو حق دیا جارہا ہو اور ایسے میں کوئی سوالی آجائے تو اسے بھی ازراہِ عنایت کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے۔مولیٰ تونے اپنے اس بندے کو جو کچھ دیا یقیناً اپنے علم وحکمت کی بنا پر دیا ہے۔لیکن اس تقسیم کے وقت میں بھی ایک سائل بن کر تیری بارگاہِ کرم میں حاضر ہوگیا ہوں۔اے رب تو مجھے وہ کچھ بلا استحقاق دیدے جو تو دوسروں کو استحقاق کی بنیاد پر دیتا ہے۔

خدا کی شانِ کریمی یہ گوارا نہیں کرسکتی کہ جس کرم کی اس نے دوسروں کو تلقین کی ہے وہ خود اس کا اظہار نہ کرے۔چنانچہ پھر اللہ کی رحمت مانگنے والے پر برستی ہے اور اس طرح برستی ہے کہ دنیا دیکھتی ہے۔مانگنے والے کی جھولی عطا وبخشش کے خزانوں سے بھردی جاتی ہے۔خدا کے سامنے ذلیل ہونے والا انسانوں کے سروں کا تاج بنادیا جاتا ہے۔یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہے عنایت کرے۔بیشک اللہ بہت بلند اور بڑا صاحبِ جودوکرم ہے۔

اس کے برعکس دوسری قسم کے نیکوکاروں کے سامنے پیش آنے والا ایسا کوئی بھی واقعہ ان کے قصرِ پندار پر حملے کے مترادف ہوتا ہے۔یہ ان کے مینارۂ عظمت کو زمین بوس کردیتا ہے۔خدا کی بخشش ہمیں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہو، ان کا نفس یہ گوارہ نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان کے دل میں اس شخص کے خلاف حسد، بغض اور عداوت پیدا ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا تکبر انہیں اللہ المتکبر سے بھڑا دیتا ہے۔ اس کا تو خیر کیا بگڑنا ہے، حسد و تکبر کی یہ آگ ان کا اپنا نشیمن جلا ڈالتی ہے۔ خدا کا قہر ان پر ٹوٹ پڑتا ہے۔ وہ بارگاہِ رب سے مردود کر دیے جاتے ہیں۔

ان دونوں قسم کے نیکوکاروں کی مثال قرآن میں بیان ہوئی ہے۔ پہلے گروہ کی مثال سیدنا ذکریا علیہ السلام کی شخصیت ہیں۔ وہ اپنے وقت کے نبی اور آل یعقوبؑ کی وراثت کے حامل تھے۔ اس کے ساتھ وہ حضرت مریمؑ کے خالو اور ان کے متولی بھی تھے۔ انہوں نے جب حضرت مریمؑ کے پاس خدا کا خصوصی رزق اترتے دیکھا تو یہ نہیں سوچا کہ کل کی اس لڑکی پر جو خود ان کی نگرانی میں تھی خدا کا یہ احسان کیوں ہوا اور ان پر خدا کی یہ عنایت کیوں نہیں ہوئی؟ بجائے اس کے کہ وہ اس لڑکی سے حسد کرتے انہوں نے فوراً اپنا رخ خدا کی طرف کر دیا۔ اپنے وجود کی تمام تر بے کسی کے ساتھ انہوں نے اپنی خالی جھولی خدا کے سامنے پھیلا دی۔ اللہ تعالیٰ کی شانِ عطا نے ان کی جھولی منہ مانگی مراد سے بھر دی۔ جو اسباب ہوتے ہوئے عمر بھر نہ دیا وہ آج سارے اسباب منقطع ہونے کے بعد دے دیا۔ اس حال میں کہ خود بوڑھے اور بیوی بانجھ ہو چکی تھی۔ اور دیا بھی تو یحییٰ جیسا جلیل القدر نبی جس کی تعریف میں خود اس نے سردار، پاکباز اور نبی صالح کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر قرآن میں مریم و عیسیٰ کے تذکرے کے ساتھ زکریا اور یحییٰ کا ذکر کر کے اس واقعے کو ابدی زندگی دیدی۔

دوسرے گروہ کی نمائندہ مثال ابلیس ہے۔ خدا نے اس کے سامنے آدمؑ کو خلیفہ بنایا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ خدا کے حکم کے آگے سجدے میں گر پڑتا۔ مگر تکبر اور حسد کی آگ نے اسے اندھا کر دیا۔ اس کی نگاہ میں اصل اہمیت صرف اپنی ذات کی تھی۔ اس لیے اس معاملے کو وہ اپنا اور آدم کا معاملہ سمجھا۔ وہ جان نہ سکا کہ یہ دراصل اس کا اور خدا کا معاملہ ہے۔ اس نے خدا کا فیصلہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے خدا سے بغاوت کر دی۔ چنانچہ خدا کا غضب بھڑکا اور اس طرح بھڑکا کہ وہ کائنات کا واحد بدنصیب بن گیا جس نے خدا کے سامنے کھڑے ہو کر معافی مانگنے کے بجائے سرکشی کی مہلت مانگی۔

یہ مضمون صرف نیک لوگوں کے لیے لکھا گیا ہے۔ ان لوگوں کے لیے جن کے لیے نیکی کی راہ آسان کر دی گئی ہے۔ تاکہ وہ اس آسان راہ کی مشکل گھاٹی کو جان لیں۔ وہ جان لیں کہ نیک ہونے میں کوئی بھلائی نہیں۔ اصل بھلائی خدا کے لیے نیک ہونے میں ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

صادق وامین کا ماڈل

ایک زمانہ تھا کہ ہمارے معاشرے میں کسی شخص کی دینداری کے بیان کے لیے صوم وصلوٰۃ کا پابند ہونے کے الفاظ استعمال کیے جاتے تھے۔اس کا مطلب یہ تھا کہ فلاں مرد وعورت اتنا نیک ہے کہ نماز اور روزے کا اہتمام کرتا ہے۔اس کے بعد آہستہ آہستہ معاشرے میں کام کرنے والے دینی افراد کی فکر کا غلبہ ہونا شروع ہوا۔جس کے نتیجے میں دینداری کی تعریف مزید ترقی کرتی گئی۔اب دینداری کی سند حاصل کرنے کے لیے صرف صوم وصلوٰۃ کی پابندی کافی نہیں بلکہ دیندار معاشرے میں وہ شخص کہلانے لگا جو شرعی حلیہ اختیار کرے۔اس میں ایک مشت سے بڑی داڑھی،اونچی شلوار،سر پر ٹوپی اور خواتین کے لیے برقعے و پردے کا اہتمام نیز تصویر اور موسیقی سے مکمل پرہیز شامل ہے۔

ہمارے معاشرے میں پچھلی کئی دہائیوں میں دینداری کی اس تعریف میں نہ صرف مذکورہ بالا چیزیں،جن کا اہتمام مشکل ہے،شامل ہوئی ہیں بلکہ ان کا اہتمام کرنے والے لوگ بھی بڑھتے چلے جارہے ہیں۔عوام الناس ہی میں نہیں بلکہ معاشرے کے ان طبقات میں بھی اس دینداری کو غیر معمولی فروغ حاصل ہوا ہے جہاں کبھی بھی دینداری اور تقویٰ کی رسائی آسان نہیں تھی۔ ہمارا اشارہ نوجوان لڑکے لڑکیوں اور صاحب ثروت افراد کی طرف ہے۔آج ہمارے معاشرے میں نوجوان لڑکیوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو اپنی مرضی اور شوق سے پردے کا اہتمام کرتی ہیں۔اسی طرح نوجوانوں کی ایک کثیر تعداد سر پر ٹوپی اور عمامے کا تاج سجائے اور چہرے کو داڑھی کے نور سے مزین کرنے میں فخر محسوس کرتی ہے۔اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بھی ایسے نوجوانوں کی بڑی تعداد پائی جاتی ہے جو ان چیزوں کا اہتمام کرتے ہیں۔اسی طرح معاشرے کے دولتمند طبقات میں بھی اس دینداری کے اثرات میں اضافہ ہوا ہے۔بڑے بڑے تاجر اور ان کی بیگمات دینی تنظیموں سے وابستہ ہیں اور ان کی اعانت کرتے ہیں۔معاشرے کے جو طبقات اور لوگ ان چیزوں کا اہتمام نہیں بھی کرتے ان کے نزدیک بھی یہ تو مسلم ہے کہ دینداری اگر کچھ ہوتی ہے تو یہی ہوتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایک طرف یہ صورتحال ہے اور دوسری طرف رشوت، بدعنوانی، ملاوٹ، جھوٹ، وعدہ خلافی، حسد، تکبر، بددیانتی، فرائض سے غفلت، منافقت، ہوس زر، دنیا پرستی اور ان جیسی دیگر برائیوں کا معاملہ ہے جو معاشرے کو گھن کی طرح چاٹ رہی ہیں۔ عام لوگ نہ صرف بڑی تعداد میں ان برائیوں کا شکار ہیں بلکہ مذکورہ بالا دیندار لوگ بھی اکثر ان عیوب میں مبتلا نظر آتے ہیں۔ موسیقی کے بارے میں بڑے محتاط لوگ دولت کی جھنکار کے پیچھے ہر اخلاقی حد کو عبور کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ تصویر کے معاملے میں حساس لوگوں کی اخلاقی تصویر اتنی بھیانک ہے کہ دنیا کے ہر آئینے کو سیاہ کر دینے کے لیے کافی ہے۔ داڑھی ٹوپی برقعے اور اونچی شلواروں والے لوگ بھی غیبت، جھوٹ، وعدہ خلافی، تکبر، حسد اور ریا کاری کو اپنا معمول بنائے ہوئے ہیں۔

ہمارے اس تجزیے کا مقصد یہ نہیں کہ ان کے نیکی کے معیارات ہی ان کے اخلاقی عیوب کی وجہ ہیں۔ ہرگز نہیں بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے ہاں دینداری کا معیار کچھ ظاہری چیزیں قرار پا گئی ہیں۔ لوگ انہی کے بارے میں حساس رہتے ہیں اور جن اخلاقی چیزوں کی حیثیت دین میں مقاصد کی ہے وہ نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہیں۔

دوسری طرف جو ہستی دین کے معاملے میں ہمارے لیے رول ماڈل ہے اس کی نیکی کی جو تصویر ہمارے سامنے آتی ہے وہ یہ تھی کہ آپ ایمان و اخلاق کے اعلیٰ ترین درجہ پر فائز اور بہترین اخلاق کے حامل تھے (القلم 4:68)۔ پچھلے صحیفوں میں آپ کی پیش گوئی آپ کی جن خصوصیات کے ساتھ کی گئی تھی ان میں آپ کی صفات اور سیرت کے حوالے سے سب سے نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ یہ شخص الصادق والامین ہوگا (مکاشفہ 11:19)۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین مخالف بھی آپ کی اخلاقی حیثیت کے معترف تھے۔ لوگ آپ کے دشمن ہو گئے لیکن امانتیں آپ کے پاس رکھواتے۔ وہ آپ کے پیغام کو نہیں مانتے تھے مگر کہتے تھے کہ یہ صاحب جھوٹ نہیں بولتے۔ وہ آپ کو اللہ کا رسول ماننے کے لیے تیار نہ تھے مگر انہیں یقین تھا کہ آپ کی بارگاہ میں کوئی مقدمہ پیش ہوا تو آپ اس کا فیصلہ عین عدل پر کریں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آپ کی سیرت اگر آپ کی ذات کا بیان ہے تو قرآن آپ کی تعلیمات کا بیان ہے۔ یہ قرآن جب کبھی اپنے مطلوب کردار کا بیان کرتا ہے تو اس میں صرف اور صرف ایک اعلیٰ ترین اخلاق کے انسان کی تصویر ہی سامنے آتی ہے۔ نہ کہ وہ تصویر جو آج دین کے نام پر پیش کی جاتی ہے۔

اس پس منظر میں یہ ہماری ذمہ داری ہے کہ اگر ہم لوگوں کو حساس بنانا چاہتے ہیں تو انہیں ظاہری اعمال میں حساس بنانے سے پہلے اس قرآنی ماڈل کے معاملے کو حساس بنائیں جو حضور کی سیرت میں ہمارے سامنے آتا ہے۔ یہ ماڈل الصادق والامین کا ماڈل ہے۔ یہ ماڈل حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں یکساں طور پر ادا کرتا ہے۔ یہ ماڈل اگر نماز روزے کا پابند ہوگا تو بددیانتی اور ہوس زر سے بھی پاک ہوگا۔ یہ اگر عریانی اور فحاشی کو ناپسند کرے گا تو غیبت، رشوت، حسد، جھوٹ اور وعدہ خلافی سے بھی بھاگے گا۔ یہ ماڈل ہر حال میں پورا تولے گا۔ عدل کرے گا۔ رب سے ڈرے گا اور بندوں پر رحم کرنے والا ہوگا۔

اگر سوسائٹی کو اچھا بنانا ہے، اگر معاشرے میں عدل وفلاح کو عام کرنا ہے، اگر جہنم کی آگ سے لوگوں کو بچانا ہے، اگر جنت کی وادی کو عبادالرحمٰن سے آباد کرنا ہے تو لوگوں کو الصادق والامین بنایئے۔ لوگوں کو ان کے اخلاقی لباس کے بارے میں، ان کی اخلاقی تصویر کے بارے میں حساس بنایئے۔ انہیں بتایئے کہ متکبر جنت میں نہیں جا سکتا۔ مومن جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ جس میں عہد نہیں اس کا کوئی دین نہیں۔ حسد نیکیوں کو اس طرح جلاتی ہے جیسے آگ لکڑیوں کو۔ ہوس زر اور دنیا پرستی میں مبتلا درہم و دینار کے بندے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے۔ غیبت زنا سے بدتر جرم ہے۔ بہتان انسان کی عمر بھر کی کمائی کو ختم کر دیتا ہے۔ رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہیں۔

اللہ کے بندوں پر انفاق کرنے والا، پڑوسیوں سے اچھا معاملہ کرنے والا، غریبوں یتیموں کے سر پر دست شفقت رکھنے والا، والدین اور رشتہ داروں کے حقوق پورے کرنے والا مخلوق خدا پر رحم کرنے والا الصادق والامین ماڈل ہی آج سب سے بڑھ کر ہماری ضرورت ہے۔ یہی وہ ماڈل ہے جو ہم دینداروں کا مطلوب ہونا چاہیے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مغرب کی نفرت

مسلمان پچھلی کئی صدیوں سے اہل مغرب کے ساتھ تصادم کی حالت میں ہیں۔ حالیہ برسوں میں یہ تصادم ایک نئی شدت کے ساتھ ظہور پذیر ہوا ہے۔ اس کا ایک نتیجہ بدقسمتی سے یہ نکلا ہے کہ مسلمان اہل مغرب سے ایک عمومی نفرت کا شکار ہو چکے ہیں۔ خاص کر مسلمان اہل قلم اور اہل علم کی ایک بڑی تعداد صرف اہل مغرب کی برائیوں اور عیوب کو نمایاں کر کے ان کے خلاف لوگوں میں نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے۔

اس طرح کی کوششیں صلیبی جنگوں کے دوران میں خود عیسائیوں نے بہت کی تھیں اور وہ اپنی قوم میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے میں کامیاب بھی ہو گئے تھے، مگر اس نفرت کے سہارے وہ مسلمانوں سے جیت نہیں سکے تھے۔ اس لیے کہ ان کے مقابلے میں موجود مسلمان اخلاقی طور پر اور علمی طاقت کے اعتبار سے ان سے بہت بہتر تھے۔ اور ایک ایسی قوم کو صرف نفرت کے سہارے شکست نہیں دی جا سکتی تھی۔ آج یہی معاملہ اہل مغرب کا ہے۔ وہ نہ صرف علمی طور پر بلکہ اجتماعی اخلاقیات کے اعتبار سے بھی ہم سے کہیں زیادہ بہتر ہیں۔

اس کا ایک اظہار حالیہ دنوں میں اس وقت ہوا جب ریاست نیوجرسی کے گورنر ایک حادثہ میں زخمی ہوئے۔ حادثہ کا سبب تیز رفتاری اور سیٹ بیلٹ نہ باندھنا تھا۔ چنانچہ نہ صرف انہوں نے عوام سے معافی مانگی بلکہ چالان بھی کٹوایا۔ مزید یہ کہ اسپتال کے اٹھارہ دنوں کے علاج کا لاکھوں ڈالر کا بل بھی سرکاری خزانے کے بجائے اپنی جیب سے دیا۔

جس قوم کا اخلاقی نظام اتنا مضبوط ہو، اسے کسی قوم کی نفرت شکست نہیں دے سکتی۔ آج مسلمانوں کو اگر اہل مغرب سے جیتنا ہے تو انہیں اخلاقی میدان میں بلند ترین سطح پر آنا ہو گا۔ جب تک مسلمان یہ نہیں کرتے وہ کبھی اہل مغرب سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ چاہے ان کے قلم کار مغرب کے خلاف کتنا ہی زہر اگلیں۔ چاہے ان کے عیوب کو کتنا ہی بڑھا چڑھا کے بیان کیا جائے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

I am a Playboy

پچھلے دنوں میں اپنے دوست اور ادارے کے رفیق سلمان علی کے ہمراہ جا رہا تھا کہ راستے میں ایک گاڑی تیزی سے ہمارے آگے سے گزری۔ اس گاڑی کے عقبی شیشوں پر بہت نمایاں اور واضح انداز میں دو جملے لکھے ہوئے تھے جو کچھ اس طرح تھے۔

I am a Playboy

Girls are my toy

یہ دو سطریں پڑھ کر ہم دونوں دنگ رہ گئے۔ ہماری حیرت ان جملوں کے مفہوم سے زیادہ لکھنے والے کے حوصلے پر تھی کہ اس نے اپنی گاڑی پر یہ جملہ ایک چلتے پھرتے اشتہار کی شکل میں لکھ رکھا تھا۔ ہمارے معاشرے میں بدکردار ہونا شائد کوئی بہت بڑی بات نہ ہو مگر اس کا اس طرح علانیہ اظہار کرنے کا رواج ابھی تک نہیں پڑا۔ مگر یہ پڑھ کر لگتا تھا کہ اب اس رواج کے دن بھی گنے جا چکے ہیں۔

ہمارے معاشرے میں سانحہ یہ ہے کہ ایک طرف وہ لوگ ہیں جو اپنی حد کو عبور کر کے دوسروں پر زبردستی دین نافذ کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں۔ وہ دوسرے لوگوں کو بالجبر برائیوں سے روکنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ رویہ نہ دین کا مطالبہ ہے اور نہ معاشرہ اسے قبول کر سکتا ہے۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو اجتماعی خیر و شر سے بے نیاز ہو کر صرف اپنے کام سے کام رکھنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی دینداری کی آخری حد نماز روزہ کی پابندی ہوتی ہے اور ان کے ارد گرد جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے وہ اس سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے قریبی لوگوں کے ایسے رویوں کی بھی اصلاح نہیں کرتے جن کے اخلاقی، معاشرتی اور مذہبی طور پر برا ہونے میں کوئی دو آرا نہیں پائی جاتیں۔ جب نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے تو پھر لوگ حیا اور اخلاق کے ہر جذبے سے عاری ہو کر اپنی بے لگام حیوانی خواہشات کا اسی طرح اعلان کرنے لگتے ہیں۔ یہ اعلانات کسی فرد کی آزادی کا نام نہیں بلکہ معاشرے کے اجتماعی ضمیر پر ایک طمانچہ ہیں۔ جو قوم ایسے طمانچے کھانے پر تیار ہو جائے وہ ایک ایک کر کے ساری اخلاقی خصوصیات سے محروم ہو جاتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

صرف 6500

زبیر زندانی میرے بڑے اچھے دوستوں میں سے ہیں۔ میرے رسالے کے ایک مستقل قاری بھی ہیں۔ پچھلے دنوں وہ مجھ سے ملنے تشریف لائے تو انہوں نے مجھے بتایا کہ رسالے کے مضامین پڑھ کر ان میں خود بھی غور وفکر کرنے کی عادت پیدا ہو چکی ہے۔ وہ اس دنیا میں پیش آنے والے واقعات کی کھڑکی سے آخرت کی دنیا کا نظارہ کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔

مثال کے طور پر انہوں نے اپنا ایک واقعہ سنایا۔ وہ ایک کاروباری شخص ہیں اور اکثر لوگوں کے ساتھ رقم کا لین دین لگا رہتا ہے۔ ایک روز انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ وہ انہیں بینک کے اکاؤنٹ کا بیلنس معلوم کر کے بتائے۔ کچھ دیر میں انہیں بتایا گیا کہ اس وقت اکاؤنٹ میں صرف 6500 روپے ہیں۔ یہ بات ان کے لیے قطعاً غیر متوقع تھی۔ وہ جس سطح پر کاروبار کرتے ہیں، اس کی وجہ سے انہیں گمان تھا کہ اس وقت اکاؤنٹ میں کافی رقم ہوگی۔ یہ وہ وقت تھا جب انہیں اپنے اسٹاف پر شدید غصہ بھی آسکتا تھا جس کی بدانتظامی کی وجہ سے یہ صورتحال پیدا ہوئی تھی۔ مگر اس کے بجائے ان کا ذہن ایک دوسری طرف مڑ گیا۔ انہوں نے سوچا کہ میں ہر برس عمرہ کرتا ہوں۔ نماز، روزہ، انفاق اور اخلاق کے تقاضوں بھی پورا کرتا ہوں۔ اس بنا پر میں اپنے خیال میں آخرت کے لیے میں کافی سرمایہ جمع کر رہا ہوں۔ لیکن اگر ایسا ہوا کہ کل قیامت کے دن میرے اکاؤنٹ میں صرف "6500" ہی نکلے تو میں کیا کروں گا۔ یہ سوچ کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ کافی دیر تک ایک خاص کیفیت میں رہے۔

دور جدید کی مذہبیت نے انسان کا جو ذہن بنایا ہے اس میں انسان صرف اپنی نیکیوں کو ہی گنتا رہتا ہے۔ وہ اس کیفیت سے محروم رہتا ہے، جس میں بندہ سب کچھ کر کے بھی خود کو کچھ نہیں سمجھتا۔ مگر یہی وہ کیفیت ہے جو دعا وزاری میں ڈھل کر انسان کو خدا سے قریب کرتی ہے۔

غور وفکر پر مبنی یہی وہ دینداری ہے جو خدا کو اصل مطلوب ہے۔ مگر بدقسمتی سے ایک ارب سے زیادہ مسلمانوں میں شائد آج ایسے دیندار 6500 بھی نہیں ہوں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سوچ اور عمل

”دوتہائی شب گزر چکی تھی اور میں تہجد کی نماز پڑھ رہا تھا۔ نماز کے بیچ میں میں پانی پینے کے لیے اٹھا۔ والدہ کے کمرے کے پاس سے گزرتے ہوئے خیال آیا کہ دیکھ لوں انہیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ اندر جھانکا تو محسوس ہوا کہ ان کے کمرے میں بہت ٹھنڈ ہو رہی ہے۔ میں انہیں چادر اڑھانے لگا تو ان کی آنکھ کھل گئی۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں۔ انہوں نے کہا کہ بیٹا میں آج گولی کھانا بھول گئی ہوں، اس لیے ٹانگوں میں درد ہو رہا ہے۔ میں ان کی ٹانگیں دبانے وہیں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ اطمینان سے سوگئیں تو میں اٹھنے لگا اور اسی عمل میں میرا چشمہ میرے گھٹنے تلے آکر ٹوٹ گیا جو میں نے اتار کر نیچے رکھ دیا تھا۔“

وہ سانس لینے کے لیے لمحہ بھر رکے تو میں نے کہا کہ یہ تو آپ کے ساتھ بہت بری ہوئی۔ آپ کو یہ خیال نہیں آیا کہ میں اعلیٰ ترین درجے کی نفلی عبادت میں مشغول تھا- ایک طرف نماز تہجد اور اس کے ساتھ ماں کی خدمت—وہ بھی ان کی تکلیف کے لمحات میں۔ لیکن آپ کو اس کا کچھ اچھا بدلہ نہیں ملا۔

وہ دوبارہ گویا ہوئے ”ہاں لمحے بھر کو یہ خیال آیا تھا، مگر پھر مجھے محسوس ہوا کہ نئے چشمے کا یوں ٹوٹ جانا کوئی نقصان نہیں، بلکہ نقد انعام ہے۔ یہ میری عبادت کی قبولیت کی نشانی ہے۔ بظاہر میر النظر کا چشمہ ٹوٹا ہے، مگر اس کے بدلے میں مجھے وہ نظر عطا کر دی گئی جو شب کی سیاہی میں مجھے جنت کا روشن نظارہ کرا رہی ہے۔ صرف یہی نہیں بلکہ اگلے ہفتے مجھے ایک بہت بڑا حادثہ پیش آیا، لیکن اللہ تعالیٰ کی عنایت سے مجھے کوئی خاص نقصان نہ پہنچا۔ میں اُس لمحے اگر منفی اندازِ فکر کا شکار ہو جاتا تو خدا سے بدظن ہو کر اپنی محنت ضائع کر بیٹھتا اور دنیا اور آخرت کی نہ جانے کتنی بھلائیوں سے محروم ہو جاتا۔“

وہ اپنی بات ختم کر کے کمرے سے باہر نکلنے کے لیے اٹھے، دروازے کے قریب پہنچ کر وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھہرے اور یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ”اس دنیا میں جتنا اہم تمھارا عمل ہے، اس سے کہیں زیادہ اہم تمھارے سوچنے کا انداز ہے۔ زندگی کا ہر اطمینان اور خوشی مثبت اندازِ فکر میں پوشیدہ ہے۔ جس شخص کے پاس مثبت سوچ کا سرمایہ نہیں اس کا کوئی عمل اسے خوشی اور کامیابی نہیں دے سکتا۔“

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قصرالزہرہ

عبدالرحمٰن ثالث اسپین کا ایک عظیم حکمران تھا۔ وہ 300ھ میں اس وقت اقتدار میں آیا جب اسپین کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوکر یورپ کی مسیحی طاقتوں کا نوالہ بننے والی تھی۔ مگر نصف صدی کے اس کے اقتدار کے بعد 350ھ میں جب اس کا انتقال ہوا تو اسپین یا اندلس پورے یورپ سے زیادہ طاقتور اور دنیا کی خوشحال ترین ریاست بن چکی تھی اور یہاں مسلم اقتدار مزید 500 برس قائم رہا۔

عبدالرحمٰن کے عہد میں اسپین عظمت اور ترقی کے جس مقام پر پہنچا اس کا ایک اظہار وہ محل ہے جو اس نے اپنی بیوی زہرہ کے لیے قرطبہ کے نزدیک بنوایا۔ یہ محل جس کا نام قصرالزہرہ تھا، 12 مربع میل کے رقبے پر پھیلا ایک شہر جتنا وسیع تھا۔ اس میں 15000 بلند اور شاندار دروازے تھے۔ اس کی تعمیر کے لیے دنیا بھر سے اعلیٰ تعمیری سامان منگوایا گیا اور بے دریغ سونا چاندی، ہیرے جواہرات اور انتہائی شفاف سنگ مرمر کا استعمال کیا گیا تھا۔ دس ہزار معماروں نے دن رات کام کرکے اس محل کو 25 برس میں مکمل کیا۔ اس کے تعمیری حسن، صناعی اور دلکشی کو دیکھنے کے لیے دنیا بھر سے لوگ آتے تھے اور اپنے زمانے میں اس سے زیادہ بہتر تعمیر دنیا میں موجود نہ تھی۔ مگر اتفاق کی بات ہے کہ یہ محل جس برس مکمل ہوا اسی سال عبدالرحمٰن کا انتقال ہوگیا۔ اس کی بیوی بھی نہ رہی اور جب مسیحیوں نے قرطبہ پر قبضہ کیا تو قصر الزہرہ کا نام ونشان مٹا دیا۔

خدا نے یہ دنیا انسانوں کے امتحان کے لیے بنائی ہے۔ اس دنیا میں ایک طرف یہ مواقع ہیں کہ ایک تنہا انسان تاریخ کا دھارا موڑ دے اور قصرالزہرہ جیسا محل بنا ڈالے، دوسری طرف یہاں موت اور گردش زمانہ کی وہ رکاوٹیں ہیں جو انسان کے ہر کارنامے کو کھا جاتی ہیں۔ یہ صرف آخرت کی دنیا ہے جہاں کی بادشاہی میں عظمت اور ابدیت ایک ساتھ جمع ہوجاتی ہیں۔ یہ دنیا اصل میں اُس آنے والی بادشاہی کو حاصل کرنے کا بہترین موقع ہے۔ جس شخص نے ایمان، صبر اور عمل صالح کی مدد سے اس موقع کا فائدہ اٹھایا اصل میں وہی آزمائش کی یہ بازی جیت گیا۔ باقی لوگوں کے حصے میں سوائے خسارے کے، کچھ نہیں آتا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مہربانی کی مہک

پچھلے دنوں میری والدہ سے ملنے ہمارے پرانے محلے سے کچھ خواتین آئیں۔ میں ان کو پہچان نہیں سکا تھا۔ مگر جب میری والدہ نے ان کا تعارف کرایا تو میں انہیں پہچان گیا۔ چودہ پندرہ برس پہلے یہ سب چھوٹی چھوٹی بچیاں تھیں۔ مگر اب ماشاء اللہ یہ تینوں بڑی ہوگئی تھیں اور ان میں سے ایک کی شادی اور دوسری کی منگنی ہوچکی تھی۔

میں گرچہ انہیں نہیں پہچانا تھا مگر وہ سب مجھے پہچان گئی تھیں۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ جب وہ چھوٹی تھیں تو میں انہیں اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر گھمایا کرتا تھا۔ مجھے یاد آ گیا کہ یہ میری طالب علمی کا زمانہ تھا۔ میں نے نئی نئی موٹر بائیک خریدی تھی۔ میں اپنے خاندان کے چھوٹے بچوں کو اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر گھماتا تھا۔ ایسے میں وہ مجھے اپنے دروازے پر کھڑی ہوکر حسرت بھری نظروں سے دیکھتی تھیں کیوں کہ ان کے گھر میں کسی کے پاس موٹر بائیک نہ تھی۔ ان کی معصوم سی خواہش کو پورا کرنے کے لیے میں انہیں بھی ساتھ لے جایا کرتا تھا۔

میرے لیے یہ ایک بہت معمولی سی بات تھی۔ مگر محبت اور مہربانی کی یہ بات انہیں ایک طویل عرصے بعد بھی یاد رہی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ انسان نہ نفرت کو بھول پاتا ہے اور نہ محبت اور مہربانی کو فراموش کر پاتا ہے۔ خاص کر جب یہ مہربانی بغیر کسی وجہ اور سبب کے کی جائے۔

آج ہمارے معاشرے میں لوگوں کے دکھ بہت بڑھ گئے ہیں۔ اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ہم نے چھوٹی چھوٹی مہربانیاں کرنی چھوڑ دی ہیں۔ ہم نہیں جانتے کہ ہماری ایک مسکراہٹ، ایک درگزر، ہمدردی کا ایک کلمہ، مہربانی کا ایک عمل چاہے کسی کو کتنا بھی چھوٹا لگے کبھی چھوٹا نہیں ہوتا۔ یہ عمل ایک کمزور اور محروم انسان کے دل میں ہمارا وہ عکس قائم کرتا ہے جو مدتوں نہیں بھلایا جاتا۔ یہ عکس کبھی ایک انسان تک نہیں رکتا بلکہ روشنی بن کر دوسروں میں منتقل ہوتا رہتا ہے۔ انسان اس مہربانی سے دوسروں کے ساتھ مہربانی کرنا سیکھتا ہے۔ یہاں تک کہ پورا معاشرہ محبت کے پھولوں سے مہک اٹھتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خوبصورتی اور زیب وزینت

خوبصورت نظر آنا انسان کی ایک فطری خواہش ہے۔ ہر زمانے میں انسان اپنے آپ کو خوبصورت بنانے کی کوشش کرتے آئے ہیں۔ مگر اکثر لوگ اس معاملے میں افراط وتفریط کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس لیے زیب وزینت کے معاملے میں اس نے انسان کے فطری ذوق جمال کو ملحوظ رکھ کر لوگوں کی بالکل صحیح راہنمائی کی ہے۔

ذوق جمال کے اعتبار سے انسانوں کے لیے خوبصورتی کے تین درجات ہیں۔ پہلے درجے میں انسان بدبو، غلاظت اور میل کچیل سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے کیونکہ یہ نجاستیں ذوق سلیم پر سخت گراں گزرتی ہیں۔ گندگیوں کو اپنے سے دور کر کے اور صفائی ستھرائی حاصل کر کے انسان نہ صرف پاکیزگی حاصل کرتا ہے بلکہ خدا کی عطا کردہ فطری شکل وصورت میں لوگوں کو بھلا بھی لگتا ہے۔ خوبصورتی کا یہ وہ درجہ ہے جس کا حصول لازمی ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دین میں کثرت کے ساتھ ایسے احکام ہیں جو صفائی ستھرائی اور پاکیزگی پر مبنی ہیں۔ جیسے ناخن تراشنا، غیر ضروری بال صاف کرنا اور غسل ووضو کے احکام وغیرہ۔ روایت میں بیان ہوا ہے کہ:

”حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ایک صاحب کے بکھرے بال دیکھ کر اسے بال سنوارنے اور دوسرے کے میلے کپڑے دیکھ کر انہیں صاف رکھنے کی تلقین کی“۔

(ابی یعلیٰ رقم: 2026)۔

خوبصورتی کا دوسرا درجہ وہ ہے کہ جس میں انسان باقاعدہ زیب وزینت اختیار کرتا ہے۔ اس درجہ کا اختیار کرنا محمود و پسندیدہ ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں لباس اور جوتوں کی خوبصورتی کی یہ کہہ کر تحسین کی گئی ہے کہ

”اللہ خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے“۔ (مسلم رقم: 91)۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس قسم کی زینت میں خواتین بہت اہتمام کرتی ہیں۔ لباس کی خوبصورتی، بالوں کی آرائش، چہرے اور دیگر کھلے رہنے والے اعضاء پر سنگھار اور زیورات وغیرہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔ صنف نازک ہونے کی بنا پر ان کا ایسا کرنا ایک فطری عمل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اہتمام پر کوئی پابندی نہیں لگائی گئی بلکہ ایک خاص قریبی حلقے میں اس کی باقاعدہ اجازت بھی دی گئی ہے (النور 24:31)۔

تاہم خواتین پر اس حوالے سے کچھ پابندیاں لگائی گئی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مردوں کے لیے خواتین میں ایک کشش فطری طور پر پائی جاتی ہے۔ خواتین کی اضافی زیب و زینت کا عمل اس کشش میں اضافے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس کشش کو اگر آزاد اور بے روک ٹوک چھوڑ دیا جائے تو یہ زنا کے اس جرم تک انسان کو پہنچا دیتی ہے جو پورے معاشرتی ڈھانچے کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ چنانچہ سورہ نور کی مذکورہ بالا آیت میں، مرد و زن کے اختلاط کے موقع پر، اللہ تعالیٰ نے دیگر احکام کے ساتھ خواتین کو دو ہدایتیں اضافی طور پر دی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنی اوڑھنیوں کے آنچل سے اپنے گریبان اور سینے کو اچھی طرح ڈھانک لیں۔ دوسرے یہ کہ اس موقع پر وہ اپنی زینتیں ظاہر نہ کریں۔ ان کو چھپانے کا اہتمام کریں۔

اس معاملے میں خواتین کو دو رعایتیں دی گئی ہیں۔ ایک تو وہی جو ہم نے اوپر بیان کر دی ہے کہ اخفائے زینت کی یہ پابندی قریبی حلقے کے لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ دوسری رعایت یہ ہے کہ زینت اگر ان اعضا پر ہو جو عادتاً کھلے رہتے ہیں جیسے ہاتھ کی انگوٹھی، آنکھوں کا کاجل یا ناک کی کیل وغیرہ تو یہ زینت اِس پابندی کی زد میں نہیں آتی۔

یہ رعایت آسانی کے نقطۂ نظر سے دی گئی ہے مگر اس کے باوجود خواتین پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ ایسے مواقع پر اصل حکم زینت چھپانے ہی کا ہے اس کی نمائش کا نہیں۔ چنانچہ قرآن نے اس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سلسلۂ احکام کے آخر میں، مثال کے طور پر، صرف ایک چیز کو بیان کر دیا کہ خواتین اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ وہاں موجود لوگ ان کی مخفی زینت کے بارے میں جان لیں۔ چنانچہ کوئی بھی ایسا رویہ اختیار کرنا جس سے خواتین مردوں کے لیے صنفی کشش پیدا کرنے کا سبب بن جائیں ان احکام کی روح کے قطعاً خلاف ہوگا۔

خوبصورتی اختیار کرنے کا تیسرا درجہ وہ ہے جس میں لوگ فطری اور اخلاقی حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر زیب و زینت میں اسراف کرنا، متکبرانہ انداز اختیار کرنا یا ہر کام سے ہٹ کر ہمہ وقت خود کو جاذب نظر بنانے میں لگ جانا یا پھر انسان کی فطری خلقت میں تبدیلی کر کے خوبصورت بننے کی کوشش کرنا وغیرہ۔ چنانچہ اسی پس منظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے زمانے میں مردوں کو سونا اور ریشم کے استعمال سے منع کیا (احمد: رقم 16972) اور صنف مخالف کی مشابہت اختیار کرنے والے مرد و عورت پر لعنت کی ہے (احمد: رقم 3151)۔ اس پس منظر میں آج بھی اخلاق اور فطرت کے خلاف خوبصورتی کا کوئی طریقہ اختیار کرنا درست نہیں۔

☆ زندگی میں پیش آنے والے ناگوار حالات
روزے دار کے ایک سخت دن کی طرح آخر کار گزر جاتے ہیں
یہی رمضان کا اصل سبق ہے

☆ اہم یہ نہیں کہ رمضان میں آپ نے کیا اعمال کیے
اہم یہ ہے کہ رمضان کی تربیت نے آپ کو کیسا بنا دیا

☆ کامیاب زندگی یہ نہیں کہ آپ کتنے خوش ہیں
کامیاب زندگی یہ ہے کہ آپ کا پروردگار آپ سے کتنا خوش ہے

☆ لوگوں کے دکھ بانٹیے
یہ نہیں کر سکتے تو کم از کم
ان میں اضافے کا سبب بھی مت بنیے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مسجد قرطبہ اور مسجد اقصیٰ

دور جدید میں امت مسلمہ نے جن عظیم ترین لوگوں کو جنم دیا ہے ان میں ایک نمایاں ترین نام علامہ اقبال (1876-1939) کا ہے۔ اقبال نے جس دور میں ہوش سنبھالا، اس دور میں امت مسلمہ اپنی تاریخ کے بدترین علمی، فکری، عملی اور سیاسی زوال کا شکار تھی۔ 1857 میں مغلیہ سلطنت کا خاتمہ اگر اقبال کی پیدائش سے ذرا قبل ہوا تھا تو خلافت عثمانیہ کا خاتمہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ جدید علوم سے ناواقفیت اور دینی علوم میں جمود اگر ان سے قبل مسلمانوں کا طریقہ تھا تو مغرب کی اندھی تقلید اور دور جدید سے آنکھیں بند کر لینے کی دو انتہاؤں کو انہوں نے اپنے سامنے مسلم معاشرے میں پنپتے دیکھا۔ مسلمانوں کا عظیم ماضی اگر ان سے پہلے تاریخ کی ایک داستان بن چکا تھا تو مغربی افکار اور سوشلسٹ انقلاب کو انہوں نے اپنی آنکھوں سے انسانیت کی نئی تاریخ بناتے ہوئے دیکھا۔

سیاسی غلامی، فکری انحطاط اور مذہبی جمود کے ان حالات میں جنم لینے والے بلند پرواز اقبال کے ذمے ملت کی راہنمائی کا عظیم کام تھا۔ وہ اس کام کو کرنے کے پوری طرح اہل بھی تھے۔ وہ ایک دردمند انسان تھے جنہیں دردِ دل کے ساتھ فکر و نظر سے بھی نوازا گیا تھا۔ جہاں جدید علم و فکر، نئی روشنی اور مغربی اقوام کے حالات سے وہ واقف تھے تو وہیں مذہبی علوم، مسلم تاریخ اور امت کے مسائل پر بھی ان کی گہری نظر تھی۔ ان کا سرمایہ گہری نظر اور وسیع علم تک ہی محدود نہ تھا بلکہ اس کے ابلاغ کے لیے اپنے زمانے کے موثر ترین ذریعہ یعنی شاعری پر انہیں انتہائی غیر معمولی عبور تھا۔ ان کی مخاطب قوم اگر زوال اور مایوسی کی دلدل میں دھنسی ہوئی تھی تو اس کے ساتھ ہی وہ شدت سے کسی بانگ درا، کسی فکری قائد کی راہنمائی قبول کرنے کے لیے ذہناً تیار بھی تھی۔

یہ وہ حالات تھے جن میں علامہ اقبال اٹھے اور اپنے سوز، ترنم اور شعلہ بیانی سے مسلمانوں کے قافلہ کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ اقبال کے افکار نے مسلمانوں کو مایوسی کے گرداب سے نکالا، اہل مغرب کی ذہنی غلامی میں جانے سے روکا، کمیونزم کے بڑھتے سیلاب کے سامنے سر جھکانے سے باز رکھا اور کچھ ہی عرصے میں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

انہوں نے ہندو تہذیب کے بالمقابل دنیا کی سب سے بڑی مسلم سلطنت کی بنیاد رکھدی۔

اقبال کے افکار و خیالات کو اگر علامتی طور پر ان کی شاعری ہی سے کوئی نام دیا جاسکتا ہے تو وہ ''مسجد قرطبہ'' کا نام ہے۔ یہ اقبال کی وہ معرکتہ الآرا نظم ہے جسے اردو زبان کا تاج محل کہا جاتا ہے۔فنی محاسن سے قطع نظر یہ ان کے افکار کے بنیادی نقطے کو بھی بہترین طریقے پر بیان کرتی ہے۔یعنی مسلمانوں کی عظمت رفتہ کی بحالی۔اسپین کے شہر قرطبہ میں واقع یہ مسجد مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ عظمت رفتہ کے ایک نشان کے طور پر باقی ہے۔یہ مسجد علامتی طور پر اس سانحے کو بیان کرتی ہے کہ کس طرح مسلمانوں نے ہزار برس تک دنیا پر حکومت کی اور پھر ان کا اقتدار مسیحی طاقتوں کے قدموں تلے روندا گیا۔مگر اقبال اس مسجد میں بیٹھ کر، اس شہر میں ٹھیر کر اور اس کے دریا الکبیر کے کنارے کھڑے ہوکر مسلمانوں کے اندر عشق کی روح پھونکتے ہیں اور پھر ایک نئے زمانے کا خواب دیکھتے ہیں۔

آبِ روان کبیر تیرے کنارے کوئی

دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

اس میں کوئی شک نہیں کہ بیسویں صدی کے آغاز میں سامنے آنے والے اقبال کے افکار اس صدی کے خاتمے تک اصل میں مسلمانوں کی بنیادی فکری غذا رہے اور بعد میں پیدا ہونے والے فکری رہنما بھی اصل میں اقبال کا پھونکا ہوا صور ہی نئے سروں میں دہراتے رہے۔تاہم ایک صدی بعد یہ حقیقت بالکل واضح ہوچکی ہے کہ اقبال کی تمام تر عظمت کے باوجود مسلمانوں کے مسائل، کچھ زمانی تبدیلیوں کے ساتھ آج بھی اسی طرح موجود ہیں۔اقبال نے جس عظمت رفتہ کا خواب دیکھا تھا وہ آج بھی اپنی تعبیر سے محروم ہے۔اقبال جس مردمومن کی نوید دیتے تھے وہ تو پیدا نہ ہوسکا، افرادِ ملت میں رہی سہی اخلاقی حس بھی کمزور پڑگئی۔اقبال اسلامی قانون کے جن مسائل کا حل اجتہاد کی راہ میں ڈھونڈتے تھے وہ تو سامنے نہ آسکا البتہ خود شراب کے حرام ہونے نہ ہونے کی بحثیں اقبال کے اپنے گھر سے پیدا ہوئیں۔اقبال کا اتحادِ امت کا درس پہلے خلیج بنگال کی نظر ہوا اور اب باقی پاکستان کئی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قومیتوں کے درمیان اپنی بقا کی آخری جنگ لڑ رہا ہے۔ اقبال کے مولے اور کبوتر مغربی شاہینوں سے لڑتے لڑتے اب خود مسلمانوں پر خودکش حملے کرنے لگے ہیں۔

ان حالات میں یہ ضروری ہو چکا ہے کہ ہم مان لیں کہ مسلمانوں کی قدیم فکری روایت کے آخری بڑے آدمی یعنی اقبال کی راہنمائی ہمارے مسائل کا حقیقی حل نہیں تھی۔ ہم مان لیں کہ ''مسجد قرطبہ'' کا ماڈل مسلمانوں کے مسائل کا حل نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کے مسائل کا حل ان تین مسجدوں کا ماڈل ہے جو اس قابل ہیں کہ ان کی زیارت کے لیے جایا جائے۔ یعنی مسجد الحرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصیٰ۔ ان تینوں مسجدوں کی نمائندگی کے طور پر ہم اگر علامت بنانا چاہیں تو ان تین مساجد میں سے مسجد اقصیٰ کو علامت بنایا جا سکتا ہے کیونکہ مسجد قرطبہ کی طرح یہ مسجد بھی اس وقت مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئی ہے اور دوسری بات جو ہمارے حوالے سے زیادہ اہم ہے کہ سابقہ امت کے دور زوال کی جنگ مسجد اقصیٰ ہی میں لڑی گئی تھی۔

''مسجد اقصیٰ'' میں سیکڑوں انبیا اور ہزارہا صالحین نے جو داستان لکھی اور جو جنگ لڑی وہ سیاسی اقتدار کی نہیں بلکہ توحید کی جنگ تھی۔ وہ جب غالب ہوئے تب بھی اور سیاسی طور پر مغلوب ہوئے تب بھی ان کی جنگ صرف یہ تھی کہ بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر خالق کی غلامی میں لایا جائے۔ چنانچہ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰؑ دور غلامی میں پیدا ہوئے۔ مگر اپنی قوم میں عظمت رفتہ کا صور پھونکنے کے بجائے انہوں نے ان کی اخلاقی غلطیوں پر متنبہ کیا اور لوگوں کو ہدایت کے اس منصب کی طرف متوجہ کیا جس پر بنی اسرائیل فائز تھے۔

آج بھی مسلمانوں کا کام یہی ہے۔ انہیں اپنی عظمت رفتہ کی نہیں توحید کی جنگ لڑنی ہے۔ ان کی اصل ضرورت ان کے اقتدار سے زیادہ ان کے اخلاق کی بحالی ہے۔ ان کا ماڈل ''مسجد قرطبہ'' نہیں ''مسجد اقصیٰ'' ہونا چاہیے۔ یہی وہ ماڈل ہے جو نہ صرف انہیں رب کی نظر میں محبوب بنائے گا بلکہ چند برسوں میں انہیں دنیا کا حکمران بھی بنا دے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اپنی خامی

میرے دوست مجھے بتا رہے تھے کہ انہوں نے کس طرح دوسروں کی خرابیوں کے بجائے اپنے عیوب کو دیکھنا شروع کیا۔ وہ کہنے لگے کہ اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے آغاز پر میں نے ایک دفتر میں ملازمت کی۔ اس دفتر میں دوپہر کا کھانا میں دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ کھاتا تھا۔ کھانے کے وقت اکثر ہمارے ساتھ ایک چپراسی (Peon) آکر بیٹھ جایا کرتا تھا۔ یہ ایک غریب آدمی تھا جس کی تنخواہ بمشکل 1500 روپے تھی۔

دیگر لوگ تو اپنا کھانا گھر سے لاتے تھے، مگر یہ صاحب اپنے گھر سے صرف دو روٹی لے کر آتے۔ لوگ کھانے کے لیے بیٹھتے یہ دو روٹی لے کر آجاتے اور کسی کے بھی سالن سے یہ روٹیاں کھانے شروع کر دیتے۔ لوگ اکثر ان کے ساتھ بیٹھنے پر ناگواری کا اظہار کرتے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ جب یہ کھانا کھاتے تو منہ سے چپ چپ کی آوازیں آتیں جو کھانا کھاتے وقت بہت گراں گزرتیں۔

وہ اکثر میرے ہی ساتھ کھانے کھاتے کیونکہ میں نے چہرے پر کبھی ناگواری کے تاثرات کا اظہار نہیں کیا تھا، مگر دل میں مجھ پر بھی اتنا اپنے ساتھ بیٹھنا بہت ناگوار گزرتا تھا۔ حتیٰ کہ دفتر میں میرا کھانا کھانا دوبھر ہو گیا۔ لیکن ایک روز میرے ذہن میں ان کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے ایک خیال آیا۔ وہ خیال یہ تھا کہ اس وقت جتنی زیادہ کراہیت مجھے ان کی اس آواز سے ہو رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ کراہیت اللہ تعالیٰ اور اس کے پاک فرشتوں کو مجھ سے اس وقت محسوس ہوتی ہوگی جب میں اس کی نافرمانی کرتا ہوں۔ لیکن کبھی اس نے مجھے رزق کی نعمت سے محروم کیا اور نہ نماز میں اپنی قربت سے دور کیا۔

اس کے بعد مجھے کبھی ان کا ساتھ بیٹھنا برا نہیں لگا۔ پھر انہوں نے مجھ سے کہا کہ دنیا میں دوسروں کو برا سمجھنا بہت آسان ہے۔ اس لیے کہ ان کی خامیاں بغیر کوشش کے نظر آجاتی ہیں۔ مگر اپنی خامیوں کا احساس کرنے کے لیے ایک خاص نظر چاہیے۔ یہ نظر جس میں پیدا ہوگئی وہی خدا کا بندہ ہے۔ جس میں نہ ہوسکی وہ اپنی ذات کا بندہ ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اصل ایمان

ہمارے ادارے میں کچھ عرصے قبل ایک صاحب ملازم ہوئے۔ یہ صاحب بہت مسکین طبعیت کے مالک تھے۔ وہ آفس کے تمام لوگوں کے ساتھ بڑی مسکینی کے ساتھ معاملہ کرتے لیکن جب میرے کمرے میں آتے تو غیر معمولی عاجزی کا مظاہرہ کرتے۔ وہ ہمیشہ میرے کمرے میں باقاعدہ اجازت طلب کر کے آتے۔ جب تک میں 'فرمایئے' کہہ کر گفتگو کا آغاز نہ کرتا ہاتھ باندھ کر کھڑے رہتے۔ اگر اپنی طرف سے کچھ کہنا ہوتا یا کچھ دریافت کرنا ہوتا تو اس کی بھی اجازت طلب کرتے۔ گفتگو کے دوران میں ان پر ایک خاص نوعیت کی خشوع وخضوع طاری رہتی۔ ہاتھ باندھنے کے علاوہ نگاہ میں لحاظ، گردن میں خم، لہجے میں جھجک اور آواز میں پستی ہوتی۔ ان کی ہر بات سوری سے شروع ہو کر شکریے پر ختم ہوتی۔

مجھے اپنے لیے ان کا یہ انداز اختیار کرنا قطعاً ناپسند تھا، لیکن میں نے کبھی انہیں ایسا کرنے سے منع نہیں کیا۔ بلکہ جب کبھی وہ کمرے میں آتے میں غور سے ان کی ایک ایک حرکت کو دیکھتا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ میں ان سے گفتگو کے دوران میں یہ سیکھ رہا ہوتا تھا کہ پروردگار عالم کے بے حیثیت غلاموں کو اس کی بارگاہ میں کس طرح پیش ہونا چاہیے۔

خدا انسانوں کا خالق، ان کا مالک، ان کا بادشاہ اور ان کا معبود حقیقی ہے۔ انسانوں کا ہر نفع وضرر اسی کے ہاتھ میں ہے۔ موت وزندگی کا ہر فیصلہ اسی کی بارگاہ سے صادر ہوتا ہے۔ عطا اور محرومی کا ہر حکم اسی کا جاری کردہ ہوتا ہے۔ اس کی ایک نظر مفلس کو غنی اور گدا کو بادشاہ بنا سکتی ہے۔ اس کا ایک اشارہ مالک کو غلام اور امیر کو فقیر بنا سکتا ہے۔ خدا کی عظمت اور بلندی کا احساس، اس کی نعمتوں اور مہربانیوں کا اعتراف، اس کی پکڑ اور عذاب کا اندیشہ، جس انسان کو ہو جائے اس کے لیے بے پرواہی اور غفلت کی زندگی گزارنا ممکن نہیں۔ ایسا انسان جب کبھی خدا کو یاد کرے گا تو اس کی وہی کیفیت ہو جائے گی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے۔ یہ حال نہ بھی ہو تب بھی اس کے لیے گناہ اور نافرمانی کی زندگی گزارنا ممکن نہیں رہتا۔

کلمہ پڑھ لینا حقیقی ایمان نہیں، خدا کی عظمت کے احساس کا وجود پر طاری ہو جانا اصل ایمان ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مدرٹریسا کا سبق

مدرٹریسا (1910-1967) کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی ساری زندگی انسانیت کے لیے وقف کر دی۔ ان کی خدمات کے اعتراف میں انہیں کئی عالمی ایوارڈ بشمول نوبل انعام، عطا کیے گئے۔ حال ہی میں مدرٹریسا کے خطوط پر مشتمل ایک کتاب (Mother Treesa: come be my light) شائع ہوئی ہے۔ ان خطوط سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مدرٹریسا جو کیتھولک چرچ سے وابستہ ایک نن تھیں، مذہبی اعتقادات کے بارے میں شکوک کا شکار تھیں۔ انہیں سینٹ کی سطح کا ایک بلند رتبہ مذہبی شخص سمجھا جاتا تھا، مگر اب معلوم ہوا کہ وہ خدا اور ایمان کے بارے میں بے یقینی کا شکار رہیں۔

مدرٹریسا کی زندگی کے تفصیلی مطالعے سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا ہوگا۔ ان کی پرورش ان کے کٹر مذہبی والدین نے بطور ایک نن کے کی۔ 18 سال کی عمر میں وہ غریبوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں حصہ لینے کے لیے یک آئرش مشنری تنظیم سے وبستہ ہوگئیں۔ 1929 میں انڈیا آئیں اور اس تنظیم کے تحت چلنے والوں اسکولوں میں بچوں کو پڑھانے لگیں۔ اس کام کو انہوں نے اتنے جی جان سے کیا کہ وہ شدید بیمار پڑ گئیں۔ افسران نے انہیں تبدیلی آب و ہوا کے لیے دارجلنگ بھیجا اور یہیں انہیں خواب میں مسیح کی زیارت ہوئی۔ اس خواب میں انہیں انتہائی غریب طبقات کی مدد کا حکم ہوا۔ اس طرح کے خواب انہیں بار بار آتے رہے۔ چنانچہ انہوں نے غریبوں کی مدد کے لیے اپنی ایک فلاحی تنظیم مشنریز آف چیریٹی قائم کی۔ جس سے وابستہ ہزاروں افراد آج دنیا بھر میں لاکھوں ضرورتمندوں کی مدد میں مصروف ہیں۔ لیکن اس تنظیم کے تحت انہوں نے جیسے ہی اپنے کام کا آغاز کیا تو انہیں یہ احساس ہوا کہ خدا موجود نہیں۔ انہیں یہ احساس 1948 میں کلکتہ میں غربت کے ہاتھوں دم توڑتے لوگوں کے درمیان میں ہوا اور پھر تاعمر اس احساس نے ان کا پیچھا نہیں چھوڑا۔

مدرٹریسا کی زندگی کی یہ تفصیلات ان کے معاملے کو صاف بیان کرتے ہیں۔ ایک کٹر مذہبی ماحول میں پرورش نے ان کی زندگی کی راہیں متعین کر دیں۔ انہوں نے مشنری کاموں یسے زندگی کا آغاز کیا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مسیحی مذہب کے عقائد چونکہ عقل کی کسی بنیاد پر پورے نہیں اترتے، اس لیے اس مذہب کے پیروکاروں میں مسیحی کی قربانی اور ان پر گہرے ایمان پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں خوابوں کی وہ دنیا آباد ہوتی ہے جس کا ظہور مدر ٹریسا کی زندگی میں بھی ہوا۔ وہ چونکہ ایک بے حد حساس اور اپنے کام سے مخلص شخصیت تھیں, اس لیے انہوں نے پہلے تعلیم کے کام اور پھر خدمت خلق کے کام کو بھی اسی تندہی سے کیا۔ لیکن تعلیم کے کام کے برعکس غریبوں کی مدد کرتے ہوئے انہوں نے وہ اندوہناک مناظر دیکھے، جو ایک حساس آدمی کو ہلا ڈالنے کے لیے بہت ہیں۔

افلاس، غربت، بیماری، معذوری اور بے کسی کی موت کو کوئی بھی انسان جب قریب سے دیکھتا ہے تو اس کا تڑپ اٹھنا بالکل فطری ہے۔ خاص کر ایک ایسے مسیحی کے لیے جسے ہر وقت خدا کی رحمت اور محبت کا درس دیا جاتا ہو۔ اگر اس کی عقل بالکل کند نہ کردی جائے تو وہ یہ فطری سوال کرے گا کہ افلاس کی اس دنیا میں خدا کی رحمت کہاں ہے۔ بیماری اور مایوسی کی اس دنیا میں خدا کیوں خود ظاہر نہیں ہوتا۔ مسیح کی شکل میں غیر معمولی معجزات دکھانے والا خدا اس وقت کہاں ہے۔

ان سوالوں کے جواب مذہبی لوگ بھی دے سکتے ہیں، مگر ایک حساس انسان اس سے کم پر مطمئن نہیں ہوسکتا کہ خدا خود آکر اسے اصل بات بتائے۔ ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں سوائے اس کے کہ ایک شخص براہ راست قرآن پڑھے۔ قرآن خدا کا زندہ وجاوید کلام ہے جس میں انسان کے ہر سوال کا جواب اللہ تعالیٰ خود دیتے ہیں۔ وہ قرآن میں بتاتے ہیں کہ انہوں نے ہی دنیا میں موت و زندگی کا سلسلہ رکھا ہے اور وہی انسانوں کو اچھے برے حالات سے آزماتے ہیں تاکہ وہ دیکھیں کہ لوگ ان حالات میں کیسے کام کرتے ہیں۔ ان کے کاموں ہی کی بنیاد پر ہو قیامت کے دن یہ فیصلہ کریں گے کہ کسے جنت کی ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ملیں گی اور کسے جہنم کا عذاب۔ پھر وہ قرآن میں آخرت کی زندگی کا نقشہ اتنے یقین اور تفصیل سے کھینچتا ہے کہ ہر دکھی دل صبر کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور ہر مایوس امید کی روشنی پا لیتا ہے۔

آج کے انسان کو اگر شک اور مایوسی کے صحرا سے نکلنا ہے تو اسے قرآن کو اپنا رہنما بنانا ہوگا۔ کیونکہ قرآن ہی آج کے ہر حساس انسان کے سوالات کا جواب ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

صراطِ مستقیم

آج کے انسان کا مسئلہ کیا ہے؟ اسے اگر ایک جملے میں بیان کیا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ اس نے صراط مستقیم کھو دی ہے۔ وہ زندگی کی شاہراہ پر بے مقصد گھوم رہا ہے۔ اس آوارہ گرد کی طرح جس کی کوئی منزل نہیں ہوتی۔ جس کا کوئی گھر نہیں ہوتا۔ جس کی صبح میں کوئی جوش اور جس کی شام میں کوئی قرار نہیں ہوتا۔

انسان ایسا کیوں ہو گیا ہے؟ اس کا سبب یہ ہے کہ زندگی کی کہانی کے آغاز و انجام دونوں کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ وہ اس کہانی کے صرف اس حصے سے واقف ہے جو آج اس کے سامنے ہے۔ آج کے انسان کے سامنے صرف دنیا ہے۔ اس کی خوشیاں ہیں۔ اس کے غم ہیں۔ اس کی لذتیں ہیں۔ اس کی تلخیاں ہیں۔ اس کی آسائشیں ہیں۔ اس کے مسائل ہیں۔ اس کی نعمتیں ہیں۔ اس کی محرومیاں ہیں۔ اس کا پانا ہے۔ اس کا کھونا ہے۔

سنی حکایتِ ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

صراطِ مستقیم سے بھٹک کر انسان نہ دنیا میں بھیجنے والے رب کو یاد رکھتا ہے اور نہ اس آخرت کو جس کی طرف اسے ہر حال میں لوٹ کر جانا ہے۔ آج دنیا پرستی کے فتنے نے ہمیشہ سے بڑھ کر انسان کو اپنی منزلِ مقصود اور اس تک پہنچانے والی صراطِ مستقیم سے غافل کیا ہے۔ حتیٰ کے وہ لوگ جو اپنے آپ کو صراطِ مستقیم کا امین کہتے ہیں، خود دنیا پرستی کے فتنہ کا شکار ہیں۔

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
ان کی زلفوں کے سب اسیر ہوئے

مجھے پیسہ کمانا ہے۔ تا کہ اچھی جگہ میری شادی ہو جائے، تا کہ میرا گھر بن جائے، تا کہ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میرے بچوں کو اچھی تعلیم مل جائے، تاکہ معاشرے میں مجھے باوقار مقام مل جائے، تاکہ میری اولاد کا مستقبل سنور جائے۔ آج ہمارے معاشرے کے ہر فرد کا یہ نصب العین بن چکا ہے۔ اس کے لیے وہ ہر حد کو توڑ دیتا ہے۔ ہر قدر کو پامال کر دیتا ہے۔ ہر اصول کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ اسے ایک روز مرنا ہے۔ اس کی قبر اس کی منتظر ہے۔ اسے حشر کے روز اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہے۔ اپنے رب کے حضور پیش ہو کر زندگی کے نیک و بد کا حساب دینا ہے جس کی جزا ابدی جنت ہو گی یا ابدی جہنم۔

دنیا میں اپنی ضروریات، سہولیات اور آسائشوں کے لیے جدوجہد کرنا کوئی جرم نہیں۔ جرم یہ ہے کہ انسان اس عمل میں آخرت کو فراموش کر دے۔ وہ دنیا کی عارضی زندگی کو اپنا نصب العین بنا بیٹھے۔ خدا کی عطا کردہ صراطِ مستقیم سے بھٹک جائے۔

صراط مستقیم کیا ہے؟ اس سوال کا جواب جاننا کوئی مشکل کام نہیں۔ قرآن ہمیں بتاتا ہے کہ صراطِ مستقیم وہ راستہ ہے جس پر چل کر بندہ اپنے رب کی رضا اور جنت حاصل کر سکتا ہے۔ اس سے مراد لغوی معنوں میں کوئی سیدھا راستہ نہیں۔ ہم میں سے ہر شخص روز اپنے گھر سے دفتر اور دفتر سے گھر سیدھا پہنچتا ہے۔ اس عمل میں یہ نہیں ہوتا کہ ہم گھر سے نکلے اور ناک کی سیدھ میں چل کر اپنی منزل پر پہنچ جائیں۔ ہمیں بار بار موڑ مڑنے پڑتے ہیں۔ بار بار نشیب و فراز عبور کرنے ہوتے ہیں۔ اس سفر میں ہم صرف ایک کام کرتے ہیں۔ یعنی ہر موڑ پر ٹھیک فیصلہ کہ ہمیں کس سمت جانا ہے۔ ہم بارہا ایک خوبصورت راستہ نظر انداز کر دیتے ہیں۔ بارہا ہموار سڑک چھوڑ کر ناہموار راستہ لے لیتے ہیں۔ اس لیے کہ ہر اچھا اور آسان راستہ ہماری منزل کی طرف نہیں جاتا۔

جنت کے مسافر بھی اپنے صراطِ مستقیم پر ایسے ہی سفر کرتے ہیں۔ جب حلال و حرام کا کوئی موڑ آئے تو حرام کی تمام تر آسانی کے باوجود وہ اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ فواحش و منکرات کی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

شاہراہ کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو وہ اسے چھوڑ کر پرہیزگاری کی مشکل چڑھائی چڑھتے ہیں۔ جنت کے مسافر راستے کی رنگینیوں کی خاطر کبھی اپنی منزل کھوٹی نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ صراطِ مستقیم اپنے نفس کو پاکیزہ کرنے کا نام ہے۔ نفس کی یہ پاکیزگی کسی کوہ، کسی غار میں بیٹھ کر اللہ اللہ کرنے سے حاصل نہیں ہوتی۔ شاہراہِ زندگی کو چھوڑ کر، مسائل زندگی سے فرار اختیار کر کے یہ پاکیزگی نہیں ملتی۔ یہ پاکیزگی زندگی میں پیش آنے والے اچھے برے حالات میں تقویٰ اختیار کرنے سے ملتی ہے۔ یہ ہر حال میں رب سے جڑے رہنے سے ملتی ہے۔

جب غصہ آ رہا ہو، جب حرص کا زور ہو، جب طمع کی بھٹی دہکے، جب ہوس کا غلبہ ہو، جب خواہش ناگ بن کر پھنکارے، جب شیطان اپنے لشکر سمیت چڑھ دوڑے، تو جان لیجیے زندگی کے راستے میں کوئی موڑ آیا ہے۔ آپ کو اب فیصلہ کرنا ہے۔ آپ اپنے جذبات کی پیروی کرتے ہیں یا قرآن کی بتائی ہوئی مشکل راہ۔ بہت عارضی سی مشکل راہ۔ اختیار کرتے ہیں۔ پہلی صورت میں آپ صراطِ مستقیم سے بھٹک جائیں گے اور دوسری صورت آپ کو آپ کی منزل۔ خدا کی جنت۔ سے قریب کر دے گی۔

صراط مستقیم جنت کے راستے کا نام ہے۔ جنت سے قریب کرنے والی ہر شے صراطِ مستقیم ہے۔ زندگی کی ہر آزمائش میں جسے یہ بات یاد رہی وہ صراطِ مستقیم پر ہے۔ جسے یہ بات یاد نہ رہی وہ صراطِ مستقیم سے دور ہے۔



کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بے وقوف کون ہے؟

''ہوسکتا ہے کہ لوگ مجھے احمق سمجھیں لیکن اگر میں احمق ہوں تو دوسرے لوگ مجھ سے زیادہ بے وقوف ہیں''، یہ جملہ ادا کر کے وہ لمحہ بھر کے لیے ٹھٹکے اور پھر بولے۔''ضروری نہیں کہ انشورنس کرانے کے بعد میں اس کے ملنے تک زندہ رہوں، ہوسکتا ہے کہ مستقبل میں میری آمدنی بڑھ جائے کہ مجھے انشورنس کی رقم کی ضرورت ہی نہ رہے، لیکن موت کی لاچاری اور حشر کی محتاجی ہر شخص کو دیکھنی ہے، میری توجہ اس دن کے انشورنس کی طرف ہے۔ جبکہ دنیا کا انشورنس اس روز کام نہیں آئے گا'' یہ بات کہہ کر وہ خاموش ہوگئے۔ میں بھی خاموشی سے یہ تجزیہ کرنے لگا کہ بے وقوف کون ہے۔

اس گفتگو کا پس منظر یہ تھا کہ یہ صاحب اپنے ایک رشتہ دار کے انشورنس کی رقم جمع کرانے گھر سے نکلے اور واپسی پر مجھ سے ملنے آگئے۔ بات چیت میں ذکر چھڑا تو انہوں نے بتایا کہ اپنے رشتہ داروں اور دوست احباب کے چھوٹے موٹے کام وہ اپنے فارغ وقت میں کر دیتے ہیں۔ آج انہوں نے دفتر کی چھٹی کی تو گھر میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے کے بجائے وہ اپنے ایک رشتہ دار کا انشورنس جمع کرانے چلے گئے۔ میں نے ان سے پوچھا تھا کہ کیا آپ نے بھی انشورنس کرایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں میں نے یہ والا انشورنس نہیں کرایا البتہ یہ جو میں لوگوں کے چھوٹے چھوٹے سے مسائل حل کرتا ہوں یہی اصل میں میری انشورنس پالیسی ہے۔ حضور نبی کریم نے فرمایا ہے کہ اللہ بندے کی مدد کرتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہے۔ میں ہمیشہ ممکن حد تک دوسروں کی مدد کرتا ہوں اور میں نے دیکھا ہے کہ خدا ہمیشہ میرے مسائل میں میری مدد کرتا ہے۔ تاہم مجھے یقین ہے کہ میری اصل بیمہ پالیسی خدا مجھے اس وقت دے گا جب حشر کے دن خدا کے سائے کے سوا کوئی اور سایہ نہ ہوگا۔ اس روز وہ سب سے بڑھ کر میری مدد کرے گا اور قیامت کی ہر سختی سے بچا کر جنت میں داخل کر دے گا۔

پھر انہوں نے وہ جملہ کہا جو میں نے شروع میں نقل کیا ہے۔ یہ گفتگو تو ختم ہوگئی لیکن دنیا کے ہر عقلمند کے لیے ایک سوال چھوڑ گئی۔ وہ سوال جو بہت جلد خیال سے حقیقت کا روپ دھارنے والا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

زندگی کی نشانیاں

ڈاکٹر مظہر نے میرے سامنے وزیٹنگ کارڈ رکھ دیا۔اس پر نام کے نیچے ''ڈپٹی کمشنر انکم ٹیکس'' کا عہدہ درج تھا۔ یہ ان صاحب کا وزیٹنگ کارڈ تھا جن کا موتیا کا آپریشن ڈاکٹر مظہر نے حال ہی میں کیا تھا اور جن کا تذکرہ ڈاکٹر صاحب بڑے جوش کے ساتھ مجھ سے کر رہے تھے۔

ڈاکٹر مظہر کا آئی کلینک میرے پڑوس میں واقع ہے۔ وہ اپنی شخصیت اور مقصد دونوں اعتبار سے معاشرے کے قابل فخر اور قابل تقلید شخص ہیں۔ ان کی زندگی کا مقصد عام آدمی تک اعلیٰ ترین علاج کی سہولت بہت کم نرخ پر پہنچانا ہے۔ انہوں نے آنکھوں کا سرجن ہونے کے ناطے اسی شعبے سے آغاز کیا۔ بعض صاحب دل لوگوں نے ان کی مدد کا فیصلہ کیا یوں وہ کلینک وجود میں آیا جہاں ایک عام آدمی کو بہت کم فیس پر اعلیٰ ترین علاج کی سہولت مہیا کی جاتی ہے اور جب کبھی کوئی ضرورت مند شخص ان کے کلینک آتا ہے تو وہ بھی مایوس نہیں لوٹتا۔ اس کے لیے بھی، صاحب ثروت افراد کے تعاون سے، مفت علاج کا بندوبست کر دیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھا اور کہنے لگے کہ جب میں نے ان صاحب کو موتیا کے آپریشن کے لیے سات ہزار کی رقم بتائی تو ان کے چہرے پر ایک سوالیہ نشان پیدا ہوا۔ یہ سوالیہ نشان ہمارے ہاں ہر اس سفید پوش شخص کے چہرے پر پیدا ہو جاتا ہے جسے قدرت بیماری کی آزمائش میں ڈال دیتی ہے۔ میں نے اس سوال کو پڑھ لیا اور ان کا آپریشن بغیر کسی فیس کے کر دیا۔ لیکن انکم ٹیکس کے محکمے کا ڈپٹی کمشنر عہدے کا آدمی، جو رزق حرام کے گندے نالے سے نہا کر، امریکہ میں علاج کرانے کی استعداد رکھ سکتا تھا، اس کا یوں سفید پوش ہونا، اس کے بے داغ ہونے کی نشانی ہے۔

میں نے کارڈ دوبارہ دیکھا اور سوچا کہ ایسے صاحب کردار انکم ٹیکس افسر کا وجود معاشرے کے زندہ ہونے کی نشانی ہے اور ان کا مفت علاج ہونا بھی معاشرے کے زندہ ہونے کی ایک نشانی ہے۔ جب تک زندگی کی یہ نشانیاں باقی ہیں، ہمارا معاشرہ سارے برے لوگوں کے باوجود زندہ رہے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فیصلے کا دن

یہ ایک بڑا سا پوسٹر تھا جس پر لکھا تھا، ''8 جنوری فیصلہ کا دن''۔ پس منظر میں محترمہ بے نظیر بھٹو کی بڑی ساری ایک تصویر تھی جس میں ان کا دمکتا اور مسکراتا چہرہ نمایاں طور پر نظر آ رہا تھا۔ ان کے چہرے کی روشنی اور مسکراہٹ صاف بتا رہی تھی کہ یہ پاکستان کی آئندہ وزیر اعظم کا چہرہ ہے۔ وسیع عوامی تائید، صدر مملکت پرویز مشرف سے ہونے والی ڈیل اور بین الاقوامی تائید کی بنا پر یہ بات یقینی تھی کہ 8 جنوری 2008 کا سورج جب غروب ہوگا تو اگلی صبح بے نظیر کے اقتدار کا سورج بن کر طلوع ہوگا۔

مگر محترمہ کی زندگی میں 8 جنوری 2008 کا دن نہیں آیا۔ 27 دسمبر 2007 کا سورج جب ڈھلا تو بے نظیر کی زندگی کا سورج اس کے ساتھ ہی غروب ہوگیا۔ ان کی زندگی میں فیصلہ کا دن 8 جنوری نہیں بلکہ 27 دسمبر تھا۔ مگر یہ بات کسی کو بھی معلوم نہ تھی۔

بے نظیر بھٹو کی زندگی کامیابی اور محرومی کی انتہاؤں سے عبارت رہی۔ وہ ایک جاگیردارانہ پس منظر کے حامل دولتمند خاندان میں پیدا ہوئیں۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح کے اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کی۔ ان کے والد ملک کے مقبول ترین لیڈر اور وزیر اعظم بنے۔ مگر اس کے بعد والد کے زوال، قید اور موت کے مناظر انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھے۔ قید اور جلاوطنی کی صعوبتیں اٹھائیں۔ پھر وطن واپسی پر عوامی مقبولیت، اپنی شادی کی خوشی، اولاد کی نعمت اور دو دفعہ اقتدار کی کامیابیاں دیکھیں۔ مگر اس کے ساتھ اپنے دو جوان سگے بھائیوں کی موت اور بعض قریبی ساتھیوں کی بے وفائی کے المناک مناظر بھی دیکھے۔ اور آخر کار وزیر اعظم بننے سے قبل ایک گولی کا نشانہ بن گئیں۔

ہر انسان کی زندگی اس سطح کی نہ سہی، مگر اس جیسی کامیابیوں اور محرومیوں سے عبارت ہوتی ہے۔ انسان ان سب سے گزر کر ایک روز اپنے رب کے حضور پیش ہوگا۔ یہی اس کے فیصلے کا دن ہوگا۔ جب یہ دیکھا جائے گا کہ زندگی کے مصائب پر اس نے کتنا صبر کیا اور خوشیوں پر کتنا شکر۔

اس دنیا کا کوئی دن فیصلے کا دن نہیں۔ فیصلے کا دن صرف قیامت کا دن ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہیلمٹ

پچھلے دنوں شہر کراچی میں ہیلمٹ پہننے کی پابندی لگی۔ جب یہ اعلان ہوا تو لوگوں نے اس کو سنجیدگی کے ساتھ نہیں لیا۔ مگر جب پولیس نے مقررہ تاریخ کے بعد سختی کرنی شروع کی تو لوگ ہیلمٹ خریدنے پر مجبور ہو گئے۔ اس لیے کہ پولیس اہلکار جگہ جگہ ناکے لگا کر موٹر سائیکل سواروں کو روکتے اور ہیلمٹ نہ ہونے پر انہیں جرمانے کرتے یا ان سے رشوت لے کر انہیں جانے دیتے۔ انہی دنوں ایک صاحب میرے گھر آئے تو بتانے لگے کہ راستے میں دو جگہ پولیس والوں نے انہیں روکا اور دونوں جگہ پیسے دے کر انھوں نے اپنی جان چھڑائی۔

اس صورتحال کا نتیجہ یہ نکلا کہ 300 روپے میں ملنے والا ہیلمٹ تین گنا قیمت پر 900 روپے میں فروخت ہونے لگا۔ بعض جگہ ٹھیلوں پر ہیلمٹ فروخت ہونے لگے۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ چوروں اور راہزنوں نے ہیلمٹ چوری کرنا اور چھیننا شروع کر دیے۔ تاہم یہ صورتحال زیادہ عرصے جاری نہیں رہ سکی۔ تھوڑے دنوں میں حالات 'معمول' پر آ گئے۔ یعنی پولیس کی مہم ٹھنڈی پڑ گئی۔ لوگوں کی بڑی تعداد ہیلمٹ کے بغیر اب دوبارہ موٹر سائیکل چلاتی ہے اور کوئی انہیں روکتا ٹوکتا نہیں۔

اس صورتحال کو دیکھنے کا ایک پہلو یہ ہے کہ وقفے وقفے سے کوئی حکومتی یا سرکاری اہلکار کسی ہیلمٹ درآمد کرنے والے تاجر سے بھاری رشوت لیتا ہے اور پھر ہیلمٹ کی پابندی کا حکم جاری ہو جاتا ہے۔ یہ تاجر جب بھاری منافع پر اپنا امپورٹ کیا ہوا مال بیچ دیتا ہے تو پولیس سختی کرنا چھوڑ دیتی ہے۔ بار بار یہ کہانی دہرائی جاتی ہے اور تاجر اور حکام دونوں ہاتھوں سے عوام کو لوٹتے ہیں۔ صورتحال کو دیکھنے کا ایک دوسرا رخ یہ بھی ہے کہ کسی قوم کے لوگ اگر ذہنی طور پر کسی قانون کی پابندی کے لیے تیار نہیں تو زور اور زبردستی کے ساتھ زیادہ عرصہ تک ان سے اس قانون کی پابندی نہیں کرائی جا سکتی۔ اس کا سبب یہ ہے کہ پولیس، حکام اور قانون نافذ کرنے والے ادارے تعداد میں عوام سے کہیں کم ہوتے ہیں۔ دوسرے انہیں کسی ایک قانون کی خلاف ورزی کا نوٹس نہیں لینا ہوتا بلکہ ہزارہا قوانین اور

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ضابطوں کی نگرانی کرنی ہوتی ہے۔اگر لوگوں کی اکثریت کسی خاص قانون کی پابندی کرنے کے لیے تیار ہی نہیں تو زیادہ عرصہ تک بالجبر اس کی پابندی کرانا ممکن نہیں ہوتا۔

اس سلسلے میں لوگوں کی ذہنی ساخت اور تربیت کی کمی کو سمجھنے کے لیے میں ایک بہت پڑھے لکھے اور باشعور شخص کا واقعہ بیان کروں گا۔ان سے جب یہ کہا گیا کہ آپ موٹر سائیکل چلاتے ہیں تو ہیلمٹ نہیں پہنتے۔حالانکہ یہ حفاظت کے نقطہ نظر سے بہت ضروری ہے۔انہوں نے جواب دیا کہ ساری زندگی میں نے موٹر سائیکل چلائی ہے۔آج تک تو میرا ایکسیڈنٹ نہیں ہوا۔یہ واقعہ بتاتا ہے کہ لوگ اتنی بنیادی بات بھی نہیں جانتے کہ ایکسیڈنٹ زندگی میں بار بار نہیں ہوتا، مگر جب کبھی ہوتا ہے تو ہیلمٹ ،موت وزندگی کے درمیان ایک فیصلہ کن لکیر کھینچ دیتا ہے۔

جب عوام اس رخ پر سوچتے ہوں تو محض قانون کے زور پر اصلاح نہیں ہوسکتی بلکہ جیسا کہ شروع میں میں نے بیان کیا ہے کہ رشوت پنپنے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں یا پھر مہنگے داموں چیزیں فروخت کرنے والے تاجروں کی چاندی ہوجاتی ہے۔صرف ہیلمٹ کا واقعہ ہی اس بات کی وضاحت کے لیے کافی نہیں بلکہ جہیز، شادی کے کھانے پر پابندی وغیرہ کے قوانین کا حشر بھی سب کے سامنے ہے۔

اصل کام کرنے کا یہ ہے کہ قوم کو باشعور اور تعلیم یافتہ بنایا جائے۔ہمارے تعلیمی نصابات میں ایران وتوران کی خبریں تو بہت ہوتی ہیں لیکن بدقسمتی سے شہریت کا شعور (Civic Sense) پیدا کرنے اور اخلاقیات کے بیج کی آبیاری کرنے پر زیادہ توجہ نہیں دی جاتی۔ایسے میں والدین کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ بچوں کو ذمہ دار بنائیں۔اپنی جان، مال، آبرو کے تحفظ کے لیے بھی اور دوسرے کے تحفظ کے لیے بھی محتاط اور ذمہ دارانہ انداز سے زندگی گزارنے کی تلقین کریں۔

تیز رفتاری سے پرہیز اور ہیلمٹ پہن کر اسکوٹر چلانا اسی ذمہ دارانہ طرز زندگی کا ایک اظہار ہے جس میں انسان اپنی جان کو بھی تحفظ دیتا ہے اور دوسروں کو بھی نقصان سے بچانے کی کوشش کرتا ہے۔وہ نقصان جو اگر پہنچ جائے تو زندگی بھر کا روگ بن جاتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بے نظیر کے بعد

آج کل مجھ سے سب سے زیادہ یہ سوال کیا جا رہا ہے کہ بے نظیر کے بعد ملک کا کیا ہوگا؟ کیا یہ پاکستان کے اختتام کا آغاز (Beginning of the End) ہے؟ کیا ملکی حالات مزید خرابی کی طرف جائیں گے؟ کیا یہ ملک مذہبی تشدد، لسانی تصادم اور کسی ممکنہ بیرونی جارحیت کا کوئی وار اب سہہ سکے گا؟ کیا انارکی، لوٹ مار اور باہمی خانہ جنگی ہمارے قومی وجود کے خاتمے کا سبب بنے گی؟

یہ اور ان جیسے ان گنت سوالات اس اضطراب کا فطری نتیجہ ہیں جو مایوس کن حالات نے دل و دماغ پر طاری کر دیا ہے۔ لوگ مضطرب اور پریشان ہیں، دکھی اور غمزدہ ہیں، مایوس اور خوفزدہ ہیں۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ حالات پر ان کا کوئی بس نہیں۔ چند لوگ ہیں جن کے ہاتھ میں ان کی تقدیر ہے اور وہ ان کی تقدیر سے کھیل رہے ہیں۔ اور انہوں نے ملک و قوم کے مستقبل کو ایک بے یقینی اور اندیشہ کی کیفیت سے دوچار کر دیا ہے۔

میں ان حالات میں یہ گھسا پٹا جملہ تو نہیں دہرانا چاہتا کہ پاکستان کا مستقبل بڑا روشن ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ پاکستان کا مستقبل لوگوں کے اپنے ہاتھ میں ہے۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گا کہ اچھے لیڈر کا انتخاب کریں جو آپ کی کشتی کو پار لگا دے۔ اس لیے کہ موجودہ حالات اتنے سنگین ہیں کہ اچھے سے اچھا لیڈر بھی ان میں کچھ نہیں کر سکتا۔ ان حالات میں نجات کا واحد راستہ خدا کی مدد ہے۔ خدا جب کسی قوم کی مدد کرنے کا فیصلہ کرتا ہے تو اس میں بہترین لیڈر پیدا کر کے اس قوم کی نجات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

خدا کی مدد اس وقت آتی ہے جب قوم کے چند باشعور لوگ ایمان و اخلاق کی دعوت کو قوم میں پھیلانے کا فیصلہ کر لیں۔ ایسے لوگ جب خدا سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ اس قوم میں ہم دعوت کا کام کرنا چاہتے ہیں، اس لیے آپ قوم کو مہلت دیں تو خدا ان کے لحاظ میں نہ صرف قوم کو مہلت دے دیتا ہے بلکہ اگر کچھ لوگ ان کی بات مان لیں تو بہتری کے راستے خود پیدا کر دیتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یہ لوگ خدا کو اپنی سچائی کا ثبوت اس طرح دیتے ہیں کہ اپنے قریبی حلقے میں ایمان واخلاق کی یاد دہانی کرانے والے بن جاتے ہیں۔ لوگوں سے محبت، نرم گفتاری اور درگزر ان کا طریقہ ہوتا ہے۔ انسانوں کی مدد، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا ادب اور خواتین کا لحاظ ان کا کردار ہوتا ہے۔ اللہ اور رسول کی محبت، خدا کے ساتھ اخلاص، اس کی اطاعت ان کی عادت ہوتی ہے۔ اچھے اخلاق کا فروغ، نیکی کی تلقین، برائی سے اعراض ان کی سیرت ہوتی ہے۔

یہ لوگ خدا کے مطلوب اخلاق کو لوگوں میں پھیلاتے ہیں اور خدا لوگوں کے دل میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے۔ یہ اپنے قریبی حلقے میں صالح عمل اور اچھے اخلاق کا بیج بوتے ہیں اور خدا دور دراز سے لوگوں کو ان کی مدد کے لیے بھیج دیتا ہے۔ یہ دعا و زاری سے اپنے اور اپنی قوم کے لیے درگزر کی درخواست کرتے ہیں اور خدا عالم اسباب میں ان کی دعوت کو موثر کر دیتا ہے۔

پاکستانی قوم اپنی زندگی کے نازک ترین مرحلے میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ وقت مایوس ہونے یا ذاتی مفاد کی دوڑ میں لگ جانے کا نہیں۔ یہ وقت پاکستان کے بارے میں نجومیوں کی منفی پیش گوئیاں سننے، ملکی سیاست پر بے معنی تبصرے کرنے، سازشوں کی دنیا دریافت کرنے، اخبارات میں اپنے بارے میں امریکی منصوبوں کی تفصیل پڑھنے اور آنے والی تباہی کے انتظار کرنے کا وقت نہیں۔

یہ وقت کام کا وقت ہے۔ یہ سچی خدا پرستی اختیار کرنے کا وقت ہے۔ یہ اعلیٰ اخلاق اختیار کرنے کا وقت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سیرت کو اختیار کرنے کا وقت ہے جن کے صدق اور امانت کی گواہی بدترین دشمن بھی دیتے تھے۔

اس سے پہلے کہ 'بے نظیر کے بعد کیا ہوگا' کا سوال کرنے والے 'پاکستان کے بعد کیا ہوگا' کا سوال کرنے لگیں، اٹھیے اور اپنے اندر نظر ڈالیے۔ اپنے آپ کو بدلیے۔ اپنے اردگرد نظر ڈالیے۔ اسے بدلنے کا عزم کیجیے۔ اور اس سے آگے جو کچھ ہے اسے نظر انداز کر کے اپنی نظریں آسمان کی طرف امید کے ساتھ اٹھائیں۔ یہی میرے پاس آپ کے سارے سوالوں کا تنہا جواب ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ویلنٹائن ڈے (1)

محبت انسان کا ایک بنیادی اور فطری جذبہ ہے۔انسانی وجود، رشتوں اور تعلقات میں یہ جذبہ بڑے جمال اور حسن کے ساتھ اپنا ظہور کرتا ہے۔خدا اور بندے، اولاد اور والدین، دوست اور اقربا کے رشتوں کی ساری خوبصورتی نہ صرف اس جذبہ کی عطا کردہ ہے بلکہ ان رشتوں کو زندگی کے ہر امتحان میں اگر کوئی سرخرو کرتا ہے تو بلاشبہ یہی محبت کا جذبہ ہے۔

محبت کے رشتہ کی ایک اور لطیف شکل وہ ہے جو آغاز شباب میں دل کے صحرا پر پہلی پھوار کی طرح برستی ہے۔بحر زندگی ایک نئے تلاطم سے آشنا ہوتا ہے۔قدم بے اختیار کسی سمت اٹھتے ہیں۔نظر بے سبب کسی کو ڈھونڈتی ہے۔دل کی دھڑکن بلاوجہ تیز ہو جاتی ہے۔نگاہ پر بجلی سی کوندتی ہے۔قلب جتنا بے چین ہوتا ہے دماغ اتنا ہی آسودہ رہتا ہے۔دل کو بارہا بے وجہ قرار ملتا ہے اور بے وجہ قرار ملنے سے دل بہت بے قرار سا رہتا ہے۔

محبت کے اس جذبہ کا ودیعت کرنے والا وہ خالق دو جہاں ہے جو خدائے قدوس ہے۔ہر تعریف کا مستحق، ہر خوبی کا سرچشمہ، ہر جمال کا خالق اور ہر جذبہ کا مالک۔وہ جس طرح اپنی عطا میں لازوال ہے اسی طرح اپنی حکمت میں بھی باکمال ہے۔وہ قدسیوں کا ممدوح ہی نہیں عارفوں کا محبوب بھی ہے۔اس کی یہ حمد اور اس کی یہ محبت بے سبب نہیں۔زندگی کی کہانی کا ہر ورق اسی نے لکھا ہے اور ہر سطر اسی کے زور قلم کا نتیجہ ہے۔اس کہانی کا آغاز وہ محبت کی اسی نرم و نازک کونپل سے کرتا ہے، جسے نکاح کے تحفظ کے بعد وہ ایک شجر سایہ دار کی طرح دیکھنا چاہتا ہے۔اسی لیے وہ نوجوان محبت کے بیج کو دلوں کی زمین پر اگاتا ہے اور مضبوطی کے لیے جنس و شہوت کی کھاد ڈال دیتا ہے۔

مگر اس حیات بخش کھاد کو گناہ کی دلدل بنا دینے والا ابلیس لعین ہے۔وہ شیطان مردود جو اپنی سرکشی کی وجہ سے بارگاہ ربوبیت سے دھتکار دیا گیا تھا۔اور جس ہستی کے حسد میں دھتکارا

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

گیا تھا وہ یہی انسان تھا، جس کا دل محبت کے دریا میں بہر حال ڈوبتا ہی ہے۔ شیطان ملعون نے خدائے ذوالجلال کی عزت کی قسم کھا کر انسان کی بربادی کا عزم کیا تھا۔ وہ اس دریا کا رخ نکاح کے بحرِ زیست کے بجائے بدکاری کے گندے نالے کی طرف موڑنے کا خواہش مند رہتا ہے۔ وہ عفت کی پاکیزگی کے بجائے شہوت کی گندگی کو مقصودِ زیست ٹھہراتا ہے۔ وہ نکاح کے تقدس کے بجائے زنا کی غلاظت کو لذیذ تر بنا کر پیش کرتا ہے۔ وہ حیا کی بلندی کے بجائے آوارگی کی پستیوں کو مقصودِ حیات بنا دیتا ہے۔

اور آخری زمانے کی یہ مغربی تہذیب کہ جس نے ہزار برس سے قید شیطان کو رہا کرایا ہے، بحر و بر کو مسخر کرنے کے بعد دو عالم میں غالب ہے۔ یہ تہذیب میڈیا کی راہ سے شیطان کا ہتھکنڈہ بن کر دنیا اور اس کی اقدار پر حملہ آور ہوئی ہے۔ اس کا سب سے بڑا حملہ یہ ہے کہ اس نے محبت کے پاکیزہ تعلق کو شہوت کی غلاظت سے لتھڑ دیا ہے۔ اس نے (Love Affair) کو (Lust Affair) بنا دیا ہے۔ جو نا مطلوب تھا اسے مقصود بنا دیا ہے اور جو مطلوب تھا اسے آزادی کی راہ میں کہیں کھو دیا ہے۔

ہمیں نہ محبت سے نفرت ہے نہ جوانی میں دل کی بے ترتیب دھڑکنوں کے ہم دشمن ہیں۔ نہ انسانی جذبوں سے ہم ناواقف ہیں نہ شباب کے رنگوں کو پہچاننے سے اندھے۔ ہم مغربی تہذیب کے دشمن ہیں نہ مغربی اقدار و تہوار کے۔ نہ جوانی کے سیلاب پر بندھ باندھنے کے خواہاں ہیں نہ جدیدیت کی موج کو قدامت کے کوزے میں بند کرنے کے خواہش مند۔ صرف قوم کے فرزندوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ ان کے پروردگار نے ان کے لیے اس دنیا میں ایک ہی ویلنٹائن ڈے مقرر کیا ہے۔ وہ ان کی شادی کا دن ہے۔ رہی ان کی محبت تو اس کا اظہار ہر روز چاہتا ہے۔ بت پرستوں اور مسیحیوں کا مقرر کردہ صرف 14 فروری ہی کیوں؟

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ویلنٹائن ڈے(2)

مرد وعورت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی عظیم نشانیوں میں سے ہے(روم30:21)۔اس تعلق کی بنیاد اُس کشش پر ہے جو انسانی جبلت (Instinct) میں رکھ دی گئی ہے تاکہ نسل انسانی آگے بڑھ سکے۔ یہ کشش نہ ہو تو صرف ایک نسل بعد پوری انسانیت دم توڑ دے گی۔ مرد وزن کی باہمی کشش انہیں مجبور کرتی ہے کہ وہ اکٹھے ہوں اور خاندان کا ادارہ تشکیل دیں۔ خاندان نہ ہو تو معصوم بچے اور ناتواں بزرگ زمانے کی سختیوں کو جھیلنے کے لیے تنہا رہ جائیں گے۔ مرد وزن کے اس تعلق کی ایک اور بڑی اہمیت بھی ہے۔ دوسری تمام نعمتوں کی طرح یہ بھی انسانوں کو خالقِ کائنات کی ان بے کراں عنایات کا ایک ادنیٰ سا تعارف کراتا ہے جو اس نے جنت کی ابدی زندگی میں ان کے لیے تیار کر رکھی ہیں۔

مگر مرد وزن کی یہ کشش بارہا اپنے ان مقاصد تک محدود نہیں رہتی۔ شیطان انسان کی راہ میں بیٹھتا ہے اور خود اس کو ایک مقصود بنا دیتا ہے۔ اس کا سب سے بڑا نمونہ مغربی معاشروں کی شکل میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ وہاں حیا کا فطری جذبہ بہت محدود اور عفت وعصمت (Chastity) ایک قدر کے طور پر باقی نہیں رہے۔ میاں بیوی کا محدود اور پاکیزہ تعلق مرد وزن کے بے قید شہوانی تعلق میں بدل چکا ہے۔ اس تعلق میں دو انسان ''رفع حاجت'' کے لیے باہم ملاقات کرتے ہیں اور دل بھر جانے کے بعد اگلے سفر پر روانہ ہو جاتے ہیں۔

ویلنٹائن ڈے اس آزاد تعلق کو منانے کا دن ہے۔ اس کی ابتدا کے متعلق یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ بت پرست رومی تہذیب سے شروع ہوا یا تثلیث کے فرزندوں کی پیداوار ہے مگر اس کا فروغ ایک ایسے معاشرے میں ہوا جہاں حیا کی موت نے ہر (Love Affair) کو (Lust Affair) میں بدل دیا ہے۔ مغرب کا یہ تحفہ اب کرسمس کے بعد دنیا کا سب سے زیادہ مقبول تہوار بن چکا ہے۔ ہر گزرتے سال، میڈیا کے زیر اثر، ہمارے ملک میں بھی اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔

ہم مغرب سے آنے والی ہر چیز کے مخالف نہیں۔ مگر کسی دوسری قوم کے وہ تہوار، جن کا تعلق کسی تہذیبی روایت سے ہو، انہیں قبول کرتے وقت بڑا محتاط رہنا چاہیے۔ یہ تہوار اس لیے منائے جاتے ہیں تاکہ کچھ عقائد وتصورات انسانی معاشروں کے اندر پیوست ہو جائیں۔ مسلمان عیدالاضحیٰ کے تہوار پر حضرت ابراہیمؑ کی خدا سے آخری درجہ کی وفاداری کی یاد مناتے ہیں۔ آج ہم ویلنٹائن ڈے مناتے ہیں تو گویا ہم اس نقطۂ

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نظر کو تسلیم کر رہے ہیں کہ مرد و عورت کے درمیان آزادانہ تعلق پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ اہل مغرب کی طرح ہمیں اپنی بیٹیوں سے عصمت مطلوب نہیں۔ اپنے نوجوانوں سے ہم پاکدامنی کا مطالبہ نہیں کریں گے۔

کوئی ہندو عید الاضحیٰ کے موقع پر گائے کو ذبح کر کے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہونے کا تصور نہیں کر سکتا۔ لیکن ہندوؤں کی موجودہ نسل گائے کے تقدس سے بے نیاز ہو کر عید کی خوشیوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک ہو جائے تو عین ممکن ہے کہ ان کی اگلی نسلیں صبح سویرے مسلمانوں کے ساتھ گائیں ذبح کرنے لگیں۔ ٹھیک اسی طرح آج ہم ویلنٹائن ڈے پر خوشیاں منا رہے ہیں اور ہماری اگلی نسلیں حیا و عصمت کے ہر تصور کو ذبح کر کے ویلنٹائن ڈے منائیں گی۔

اسے دور کی کوڑی مت خیال کیجیے۔ ہماری موجودہ نسلیں صبح و شام اپنے گھروں میں مغربی فلمیں دیکھتی ہیں۔ عریاں اور فحش مناظر ان فلموں کی جان ہوتے ہیں۔ ان میں ہیرو اور ہیروئن شادی کے بندھن میں جڑے بغیر ان تمام مراحل سے گزر جاتے ہیں جن کا بیان میاں بیوی کے حوالے سے بھی ہمارے ہاں معیوب سمجھا جاتا ہے۔ ایسی فلمیں دیکھ دیکھ کر جو نسلیں جوان ہوں گی وہ ویلنٹائن ڈے کو ایسے نہیں منائیں گی جیسا کہ آج اسے منایا جا رہا ہے۔ جب وہ نسلیں اس دن کو منائیں گی تو خاندان کا ادارہ درہم برہم ہو جائے گا۔ اپنے باپ کا نام نہ جاننے والے بچوں سے معاشرہ بھر جائے گا۔ مائیں حیا کا درس دینے کے بجائے اپنی بچیوں کو مانع حمل کے طریقوں کی تربیت دیا کریں گی۔ سنگل پیرنٹ (Single Parent) کی نامانوس اصطلاح کی مصداق خواتین ہر دوسرے گھر میں نظر آئیں گی۔

آج سے چودہ سو برس قبل مدینہ کے تاجدار نے جو معاشرہ قائم کیا تھا اس کی بنیاد حیا پر رکھی گئی تھی۔ جس میں زنا کرنا ہی نہیں اس کے اسباب پھیلانا بھی ایک جرم تھا۔ جس میں زنا ایک ایسی گالی تھا جو اگر کسی پاکدامن پر لگا دی جائے تو اسے کوڑے مارے جاتے تھے۔ جس میں عفت کے بغیر مرد و عورت کا معاشرہ میں جینا ممکن نہ تھا۔ اس معاشرے کے بانی نے فیصلہ کر دیا تھا۔

”جب تم حیا نہ کرو تو جو تمھارا جی چاہے کرو“

تاجدار مدینہ کے امتیوں نے کبھی حیا کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ مگر اب لگتا ہے کہ امتی حیا کے اس بھاری بوجھ کو زیادہ دیر تک اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔ اب وہ حیا نہیں کریں گے بلکہ جو ان کا دل چاہے گا وہی کریں گے۔ ویلنٹائن ڈے کسی دوسرے تہوار کا نام نہیں۔ مسلمانوں کے لیے یہ وہ تہوار ہے جب امتی اپنے آقا کو بتاتے ہیں کہ ہم وہ کریں گے جو ہمارا دل چاہے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لوٹ مار

ہماری سیاست میں احتجاج اور تشدد کا عنصر آزادی سے قبل ہی در آیا تھا، مگر سن اسی کی دہائی تک احتجاجی مظاہروں میں زیادہ تک سرکاری املاک ہی کو نقصان پہنچایا جاتا تھا۔ نوے کی دہائی میں نجی املاک کو نقصان پہنچانے خاص کر گاڑیوں کو جلانے کا عمل بڑے پیمانے پر شروع ہوا۔ اس صدی کے آغاز پر احتجاجی سیاست نے ایک نیا رخ اختیار کیا ہے۔ یہ عوامی احتجاج کے موقع پر لوٹ مار کا اندوہناک واقعہ ہے۔ لوٹ مار کے واقعات مختلف شہروں میں اور مختلف قسم کے احتجاج کے دوران میں پیش آئے۔ کراچی میں ایک نسلی گروہ کے احتجاج کے دوران، لاہور اور پشاور میں کارٹون کنٹروورسی کے خلاف ہونے والے مذہبی احتجاج کے دوران اور اب بے نظیر بھٹو کی المناک موت کے موقعہ سندھ بھر میں ہونے والے سیاسی احتجاج کے موقع پر بڑے پیمانے پر لوٹ مار کے واقعات پیش آئے۔

اس تفصیل سے یہ ظاہر ہے کہ لوٹ مار کا یہ مظہر نہ کسی خاص شہر اور علاقے تک محدود ہے اور نہ اس کے پیچھے کوئی خاص نسلی، مذہبی یا سیاسی پس منظر ہے۔ نہ یہ بعض مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد کی کاروائی ہے جیسا کہ عام طور پر سمجھا جا رہا ہے۔ یہ ایک بہت گہرا اور اہم مسئلہ ہے جو کسی بھی قسم کی ہنگامہ آرائی کے دوران میں ظاہر ہونے لگا ہے اور آئندہ دنوں میں یہ بڑھتا چلا جائے گا۔ یہ اپنی شدت ہی میں نہیں بڑھے گا بلکہ نوعیت میں بھی سنگین تر ہوتا چلا جائے گا۔ مال کے بعد جان اور آبرو بھی اسی لوٹ مار کے ہنگامے کی نظر ہونے لگیں گے۔ اس لیے ضروری ہے کہ مسئلے کی درست تشخیص کر کے اس آتش فشاں کو پھٹنے سے پہلے ہی ٹھنڈا کر دیا جائے۔

لوٹ مار کا عمل جلاؤ گھیراؤ کے عمل سے بہت زیادہ سنگین ہے۔ سرکاری املاک کو نقصان پہنچانے سے مقصود اگر سرکار کے خلاف نفرت کا اظہار اور حکومتی رٹ کو کمزور کرنا ہوتا ہے تو گاڑیاں جلانے سے عام لوگوں کو ڈرا کر گھروں میں بند رکھنا مقصود ہوتا ہے تاکہ احتجاج اور ہڑتال کے موقع پر کاروبار حیات کو بند کر کے اپنی مقبولیت، اسٹریٹ پاور اور کنٹرول کا ثبوت فراہم کیا جا سکے۔ جبکہ لوٹ مار کا کوئی اخلاقی جواز

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

یا کوئی اجتماعی مقصد نہیں ہوتا۔ بظاہر یہ کچھ افراد کی مجرمانہ اور مفاد پرستانہ حرکت محسوس ہوتی ہے، مگر دراصل اس کے پیچھے وہ معاشی تفریق ہوتی ہے، جس میں امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ بلاشبہ اس کے پیچھے غصہ بھی ہوتا ہے اور مایوسی بھی، مگر اصل عامل دولت کی غیر منصفانہ تقسیم ہوتی ہے۔

جب ایک طرف چمکتی دمکتی گاڑیوں سڑکوں پر دوڑتی ہوں، عالیشان محلوں کی دنیا وجود میں آ رہی ہو، روشن اور شاندار مارکیٹوں میں پیسے والے بے حد وحساب خریداری کر رہے ہوں، ان کے بچے شاندار اسکولوں اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہے ہوں اور دوسری طرف دو وقت کی روٹی گھروں میں میسر نہ ہو، علاج معالجے کے لیے جیب میں رقم ہو نہ سرکار کی طرف سے انتظام ہو، بچوں کو اسکول کے بجائے مزدوری پر بھیجنا پڑے اور ان سب کے ساتھ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے امرا کی ذلت آمیز دھتکاریں سننیں پڑیں تو آخری نتیجہ لوٹ مار کی شکل میں نکلتا ہے۔

ہمارے حکمران طبقات زیادہ تر جاگیر دار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں مزارع کی بغاوت سختی سے کچل دی جاتی ہے۔ اس لیے وہ وہ شہری پس منظر کی بغاوت کی شدت سے واقف نہیں۔ ہمارے سیاست دان افراد ملت کے بنیادی مسائل کو حل کرنے میں مکمل ناکام رہے ہیں۔ ان کا تعلق اس اشرافیہ سے ہے جسے کیک کھانے کی عادت ہے، اس لیے وہ نہیں جانتے کہ آٹا نہ ملے تو کیا ہوتا ہے۔ ہماری فکری اور مذہبی قیادت نے انصاف اور بنیادی ضروریات کے بجائے ہمیشہ فرقہ وارانہ بحثوں اور بین الاقوامی سیاسی تنازعات کو اپنی جدو جہد کا نشانہ بنایا ہے۔ انہیں نہ اپنی ذمہ داریوں کا علم ہے اور نہ اپنے مقام و مرتبے کا۔

اب وقت آ گیا ہے کہ اس صورتحال کو بدلا جائے۔ ہمیں اپنی لیڈر شپ کو سختی کے ساتھ بتانا ہوگا کہ انہیں اپنا رویہ بدلنا ہوگا۔ پیسہ والوں کو یہ باور کرنا ہوگا کہ وہ دوسروں کو بھی اپنے مال سے دینے کی عادت ڈالیں۔ ورنہ یہ چنگاری شعلہ بنے گی اور پھر ہر چیز خاکستر ہو جائے گی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

صحافت اور فکری راہنمائی

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حیوانی قالب میں تو پیدا کیا ہے، مگر ساتھ ہی اسے عقل وفہم اور فکر وشعور کی وصلاحیتیں بھی عطا فرمائی ہیں جو اسے تمام حیوانات سے ممتاز کرتی ہیں۔ عقل وشعور کی یہ صلاحیت ہی انسان کا وہ اصلی شرف ہے جو اسے ایک کمزور جسم کے باجود کرہ ارض کا حاکم بنادیتی ہیں۔ یہی شرف ہے جس کی مدد سے انسان نے پتھروں سے تمدن کو پیدا کیا، بحر و بر کو مسخر کیا، بیماریوں کو شکست دی اور ہر دور میں پیدا ہونے والے اپنے مسائل کو حل کیا۔ یہی عقل وفہم ہے جس کی بنیاد پر ہم ماضی سے سبق سیکھتے ہیں، حال کا تجزیہ کرتے ہیں اور مستقبل کا منصوبہ بناتے ہیں۔ یہی فکری راہنمائی ہماری زندگی کی کامیابی کی ضامن ہے۔

ایک فرد کی طرح معاشرہ بھی اپنے مسائل کے حل کے لیے درست فکری راہنمائی کا طالب ہوتا ہے۔ جو لوگ یہ فکری راہنمائی کریں وہ فلسفی، مفکر، حکیم اور دانشور کہلاتے ہیں اور اجتماعی طور پر انہیں فکری قیادت (Intelectual Leadership) کہا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر علامہ اقبال برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک عظیم فکری قائد تھے۔ انہی کی راہنمائی کو اپنا کر مسلمانوں نے پاکستان کے قیام کی تحریک چلائی اور ہندوستان سے جدا ہو کر اپنی الگ مملکت قائم کی۔

ایک فکری قائد وہ ہوتا ہے جو دیکھتا تو وہی ہے جو سب دیکھتے ہیں، مگر بتاتا وہ ہے جو دوسرے نہیں بتا پاتے ہے۔ وہ ایسا اپنے وسیع علم، گہرے مطالعے، کشادہ ذہن، تیز نظر اور بے لاگ تجزیہ کرنے کی خداداد صلاحیت کی بنا پر کر پاتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک پاکستان میں جہاں اور کئی شعبوں میں زوال آیا وہیں فکری راہنمائی کرنے والی قیادت اور اس کی راہنمائی کی سطح بھی، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ، گرتی چلی جارہی ہے۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔ مثلاً علمی جمود، تعصب اور اختلاف رائے کو برداشت نہ کرنے کی روایت وغیرہ۔ تاہم اس صورتحال کا ایک اہم سبب یہ ہے کہ اب قوم کی فکری راہنمائی زیادہ تر وہ لوگ کررہے ہیں جو اصل میں صحافی ہیں۔ صحافی بنیادی طور پر رپورٹر ہوتا ہے جس کی اصل دلچسپی حالات حاضرہ اور خبر میں ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ حال میں جیتا اور فوری واقعات

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کا نوٹس لیتا ہے۔اس کے تجزیے کا انحصار اپنے مطالعے سے زیادہ مختلف ذرائع سے سامنے آنے والی معلومات اور خبروں پر ہوتا ہے۔اس کے نتیجے میں وہ ایک دن کا مفکر تو بن سکتا ہے،مگر قوموں کی فکری راہنمائی کے لیے جس گہری نظر و بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے،وہ اکثر ایک صحافی میں ناپید ہوتی ہے۔ ایک مفکر خبروں سے جنم لینے والے حال اور اور ماضی قریب میں نہیں جیتا بلکہ اس کا موضوع ماضی بعید اور مستقبل ہوتا ہے۔ وہ چیزوں کی معلومات سے زیادہ ان کی حقیقت اور نوعیت کو سمجھنے میں دلچسپی لیتا ہے۔زندگی اور معاشرہ کے اصول اور فرد اور اجتماعیت کی نفسیات کو سمجھنا اس کا اصل میدان ہوتے ہیں۔ظاہر ہے کہ یہ سب ایک عام صحافی کے بس کی بات نہیں۔ وہ تو ماضی قریب میں جیتا ہے جبکہ ایک حکیم اور مفکر ماضی بعید کی عطا کردہ حکمت میں جیتا ہے جو اسے مستقبل میں جھانکنے کے قابل بنادیتی ہے۔یہی ایک صحافی اور مفکر کا بنیادی فرق ہوتا ہے۔

ہمارے ہاں صحافت کا ایک اور مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے صحافی صرف اور صرف سیاست اور سیاستدانوں میں دلچسپی رکھتے ہیں۔ جبکہ دورِ جدید میں سیاست اجتماعی زندگی کا ایک ضمنی حصہ بن چکی ہے،مگر ہمارے صحافی اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے۔ چونکہ سیاست کے میدان میں ہماری ناکامیاں غیر معمولی ہیں ، اس لیے وہ انھی ناکامیوں اور مایوسیوں کو قوم تک منتقل کرنے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ جو کسی قسم کی راہنمائی نہیں بلکہ سلو پوائزنگ کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ آپ اخبارات کے کالم نویسوں کو پڑھ لیجیے یا ٹی وی کے تبصرہ نگاروں کو سن لیجیے۔ وہ آپ کو قوم کے کانوں میں مایوسی کا زہر ہی نظر آئیں گے۔

ان حالات میں یہ ضروری ہے کہ لوگ ایک صحافی اور مفکر کا فرق سمجھیں۔ اخبار کا اور اپنا پیٹ بھرنے والے کالم نویسوں اور سیاسی پروگراموں کے تبصرہ نگاروں کی گفتگو سے متاثر ہونے کے بجائے کسی حکیم اور دانشور کو تلاش کریں۔ یہ لوگ کم ہوتے ہیں،لیکن ایک دو اچھے حکیم قوم کا بیڑہ پار لگانے کے لیے بہت ہوتے ہیں۔خدا کا قانون ہے کہ کسی معاشرے سے ایسے لوگ ختم نہیں ہوتے۔ بات صرف ان سے راہنمائی لینے کی ہے اور یہ ہمارے کرنے کا کام ہے، نہ کہ ان کے کرنے کا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایمان کی آزمائش

قرآن میں بار بار یہ بات بیان کی گئی ہے کہ جنت ایمان اور عمل صالح کا بدلہ ہے۔ صحابہ کرام تک جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی یہ دعوت پہنچائی تو اس کے جواب میں وہ ایمان لے آئے اور اپنی زندگی کو اعمال صالح کے مطابق ڈھالنے لگے۔ آج بھی اگر کوئی غیر مسلم جب اسلام قبول کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کا امیدوار بننا چاہتا ہے تو ایمان اور عمل صالح کی شرائط پوری کرنا اس کے لیے لازم ہوتا ہے۔ لیکن یہ بڑی عجیب بات ہے کہ وہ لوگ جو مسلمانوں کے گھروں میں پیدا ہوتے ہیں، وہ ایمان کی شرط سے ہمیشہ خود کو استثنا سمجھتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے ایمان کا مرحلہ ایک مسلم گھرانے میں پیدا کر کے اللہ تعالیٰ نے خود ہی طے کر دیا ہے۔

قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان خدا کو اپنی عبادت، وفاداری اور آخرت کی کامیابی کو اپنا مقصدِ زندگی بنا لینے کا نام ہے۔ ان دونوں مقاصد کے حصول کے لیے تنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے کو درست سمجھنا ایمان کا دوسرا بنیادی جز ہے۔ مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں کلمہ طیبہ کا زبانی ورد ایمان کا ہم معنی سمجھا جاتا ہے۔ یا بہت ہوا تو سابقہ اعمال سے توبہ کے بعد تجدید ایمان (renewal of faith) کا ایک تصور کہیں مل جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایمان سے متعلق تو ہیں لیکن اصل ایمان نہیں ہیں۔

اصل ایمان کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ صحابہ کرام کو سامنے رکھا جائے۔ صحابہ کرامؓ ایک ایسی سوسائٹی کے فرد تھے، جہاں مذہب کے نام پر ایک عقیدہ موجود تھا۔ اس عقیدے سے وابستہ مذہبی لوگ کوئی اور نہیں حرم پاک کے متولی اور اولاد ابراہیمؑ میں سے تھے۔ انہیں اپنی سچائی پر اتنا یقین تھا کہ جب یہ لوگ جنگ بدر کے موقع پر مکہ سے روانہ ہوئے تو حرم پاک کے پردے پکڑ کر یہ دعا کی کہ اے اللہ اگر یہ دین اسلام سچا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش برسا دے۔ حضورؐ نے تیرہ برس تک ان لوگوں کے سامنے ایمان کی دعوت رکھی۔ دلائل کی بنیاد پر یہ ثابت کیا کہ ان کی عبادت، محبت اور وفاداری کا تنہا مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ وہ اللہ کی عبادت کے لیے میرے طریقے کی پیروی کریں گے تو آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے حق دار ہوں گے۔ صحابہ نے اس دعوت کو قبول کیا اور ہر طرح کی قربانی دے کر اسلام کو اختیار کر لیا۔

صحابہ کرامؓ کی یہ مثال بتاتی ہے کہ ایمان اصل میں ایک فکری دریافت ہے۔ یہ رائج نظریات، معاشرتی تصورات اور باپ دادا کے عقائد پر غور کر کے صحیح بات کو اختیار کر لینے کا نام ہے۔ یہ انسانوں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کے اور مخلوق کے بجائے خدا کی بڑائی میں جینے کا نام ہے۔ یہ مذہبی اکابرین اور مسلم رہنماؤں کے بجائے اللہ کے پیغمبر کو اپنا اصل رہنما سمجھنے کا نام ہے۔ عمل صالح اگر عمل کی آزمائش ہے تو ایمان فکر کی آزمائش ہے۔ جنت اگر پہلے کے بغیر نہیں مل سکتی تو دوسرے کے بغیر بھی اس کا حصول ممکن نہیں۔

عمل صالح کی طرح ایمان کی آزمائش آج تک جاری ہے۔ غیر مسلموں کو یہ آزمائش اگر ان کے آبائی مذہب کی بنا پر پیش آتی ہے تو مسلمانوں کو یہ آزمائش ان کے آبائی فرقے کی طرف سے پیش آتی ہے۔ آج مسلمان جب آنکھ کھول کر ارد گرد دیکھتا ہے تو وہ خود کو کسی نہ کسی مذہبی گروہ سے وابستہ پاتا ہے۔ ایسا شخص اپنے ماحول کے اثر یا کسی دعوت کی بنیاد پر اگر دینداری اختیار کرتا ہے تو اصل میں یہ اس کی جماعت یا اس کا فرقہ ہوتا ہے جو اس کے گرد اپنے شکنجے کو سخت کرنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ بظاہر اللہ رسول اور آخرت کے الفاظ بول رہا ہوتا ہے مگر اس کی اصل وابستگی اپنے فرقہ، اپنی فکر اور اپنے بڑوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اس کے لیے اپنے طریقہ اور اپنی فکر کے سوا ہر دوسری چیز غلط ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے فرقہ کو نجات یافتہ فرقہ اور باقی لوگوں کو جہنمی سمجھتا ہے۔ اس کے لیے قابل فخر شناخت وہ نہیں ہوتی جو اسلام نے دی ہے یعنی مسلم بلکہ وہ اپنے فرقہ کے حوالے سے ہی اپنا تعارف کرانا قابل فخر سمجھتا ہے۔

یہی وہ صورتحال ہے جو آج کے ایک مسلمان کے لیے ایمان کے اس امتحان کو ازسرنو زندہ کر دیتی ہے جس سے صحابہ کرام کو واسطہ پڑا یا آج کے کسی غیر مسلم کو واسطہ پڑتا ہے۔ اس میں کامیابی کا طریقہ بھی وہی ہے جو صحابہ کرام کا تھا کہ اپنی ہر وفاداری کا رخ اللہ اور اس کے رسول کی طرف کر لیا جائے۔ تمام مسلمان اہل علم کو اپنا رہنما سمجھا جائے۔ ہر شخص کی بات کو قرآن وسنت کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور جس کی بات قرآن و سنت سے قریب لگے اسے اختیار کر لیا جائے۔ یہ تو ممکن نہیں ہو سکتا ہے کہ ہر آدمی دین پر تحقیق شروع کر دے، لیکن جب کبھی اپنے کسی دینی عمل یا عقیدے یا فکر پر کوئی سوال پیدا ہو جائے تو تعصب اور نفرت کے ساتھ اسے جھٹکنے کے بجائے دیگر اہل علم سے رجوع کر کے دوسروں کا نقطہ نظر اور ان کے دلائل معلوم کر لیے جائیں۔ مختلف اہل علم میں سے جس کی بات درست لگے اسے بلا تعصب اختیار کر لیا جائے۔

یہی وہ طریقہ ہے جو قیامت کے دن ہمارے ایمان کا سب سے بڑا ثبوت بن جائے گا۔ اس بات کا ثبوت کہ ہماری وفاداری اپنے بڑوں کے لیے نہیں تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے خاص تھی۔ یہی وہ ایمان ہے جو ہمارے معمولی سے اعمال کو بھی اللہ تعالیٰ کی نظر میں بہت قیمتی کر دے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سونا اور عاقبت اندیشی

سونا ہر دور میں انسانوں کے لیے ایک بڑی قیمتی چیز رہا ہے۔ اپنی گونا گوں خصوصیات کی بنا پر سونا زیورات کے طور پر استعمال ہونے والی سب سے نمایاں دھات ہے۔ اپنی کم نہ ہونے والی قدر کی بنا پر ایک طویل عرصے تک کرنسی کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے۔ جب کرنسی نوٹ عام ہوا تو سونے کا یہ استعمال ختم ہو گیا۔ تاہم کرنسی نوٹ سوائے ایک کاغذ کے ٹکڑے کے علاوہ کچھ نہیں، اس لیے کرنسی نوٹ کے زرِ ضمانت کے طور پر حکومتیں اپنے پاس سونے کے ذخائر بڑی تعداد میں رکھا کرتی تھیں۔ بیسویں صدی میں آہستہ آہستہ زرِ ضمانت کا یہ مقام بڑی حد تک امریکی ڈالر کے ذخائر کو حاصل ہو گیا۔

اکیسویں صدی کے آغاز پر یہ صورتحال بدلنا شروع ہوئی۔ امریکی معیشت کی کمزوری کی بنا پر ڈالر کمزور ہوا۔ چنانچہ حکومتوں نے اپنے تحفظ کے لیے ایک دفعہ پھر اپنے محفوظ مالی ذخائر کو سونے کی شکل میں رکھنا شروع کیا۔ یوں سونے کی طلب اور نتیجے کے طور پر اس کی قیمت میں تیزی سے اضافہ ہوا اور تادمِ تحریر ہو رہا ہے۔ اس صورتحال پر وہ لوگ تو بہت پریشان ہیں جو اپنے بچوں کی شادی کے لیے زیورات خرید رہے ہیں، مگر وہ لوگ جو عاقبت اندیشی (Foresightedness) کا مظاہرہ کرتے ہوئے بچیوں کے پیدا ہونے پر ان کے لیے سونا خرید کر رکھ لیتے ہیں بہت خوش ہیں۔ کیونکہ انہوں نے بہت کم قیمت پر سونا خریدا تھا اور آج اس کی قدر و قیمت میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔

یہ عاقبت اندیشی بہت اچھی چیز ہے۔ مگر بہتر ہے کہ اس کا مظاہرہ اس دن کے لیے بھی ہونا چاہیے جو ہر انسان کی زندگی میں بہت جلد آنے والا ہے۔ یہ دن پروردگارِ عالم کے حضور پیش ہونے کا دن ہے۔ اور قرآن یہ کہتا ہے کہ اُس دن اگر انسان کے پاس زمین بھر سونا ہو اور وہ اسے دے کر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے خود کو بچانا چاہے گا، تب بھی وہ نہیں بچ سکتا۔ اس روز بچے گا وہی جس کے پاس ایمان و عملِ صالح، اخلاق و عبادت، بندوں کی خدمت اور خدا کے دین کی نصرت کا سرمایہ ہو گا۔ اپنے بچے بچیوں کے لیے چند گرام سونا خرید کر رکھنے والوں کو یہ حقیقت کبھی نہیں بھولنی چاہیے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

غار اور سرنگ

خدا کی دنیا میں زندگی کا سفر روشنیوں اور اندھیروں کے درمیان آگے بڑھتا ہے۔ یہ سفر قوم کا ہو یا فرد کا، اس اصول سے کسی کو استثنا (Exception) حاصل نہیں ہے۔ روشنی کے سفر کے برعکس اندھیرے کا سفر بڑا صبر آزما ہوتا ہے۔ ایسے میں بارہا انسان کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ وہ مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے اور امید کا دامن چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اس کا نتیجہ بارہا یہ نکلتا ہے کہ انسان زندگی کی دوڑ میں بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔

مگر خدا کی دنیا میں بہت سی ایسی نشانیاں ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ اندھیرے میں بھی انسان کو آگے بڑھنا چاہیے۔ ان میں سب سے نمایاں چیز سرنگ ہے۔ سرنگ عام طور پر پہاڑوں میں بنائی جاتی ہے۔ ایک غار کی طرح اس کا دہانہ بھی بتدریج روشنی کے ساتھ شروع ہوتا ہے اور اندھیرے کی سمت بڑھتا ہے۔ مگر ایک غار کے برعکس سرنگ کے دوسرے سرے پر ہمیشہ روشنی ہوتی ہے۔ جو لوگ استقامت کے ساتھ اندھیرے میں اپنا سفر جاری رکھتے ہیں وہ جلد یا بدیر روشنی کو پا لیتے ہیں۔ مگر جو لوگ مایوسی کے اندھیرے میں تھک کر بیٹھ جائیں وہ کبھی زندگی کی دوڑ میں آگے نہیں بڑھ سکتے۔

ہماری زندگی میں بارہا اندھیرے آتے ہیں۔ یہ اندھیرے بیماری، بے روزگاری، غربت، غم و صدمات وغیرہ کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں اور انسان کو مایوسی کے غار میں دھکیل دیتے ہیں۔ قوموں کی زندگی میں جنگ، قحط، خانہ جنگی، معاشی بدحالی، امن و امان کی خرابی اور سیاسی خلفشار وغیرہ یہی کام کرتے ہیں۔ مگر فرد کا معاملہ ہو یا قوم کا، حقیقت یہی ہے کہ یہ اندھیرے غار کے نہیں، سرنگ کے اندھیرے ہوتے ہیں۔ وہ سرنگ جس کے دوسرے سرے پر روشنی ہوتی ہے۔

تاہم یہ روشنی صرف انہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو حوصلہ مندی کا ثبوت دیتے ہیں۔ جو ہر اندھیرے کو چیر کر آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جو اپنے لہو سے چراغ جلا کر اپنے راستے خود روشن کر لیتے ہیں۔ جو لوگ یہ کر سکیں، خدا کی دنیا میں کامیابی انہی کا مقدر ہوتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خدا کی معرفت کا ایک نیا تجربہ

آج کل میں اپنے گھر میں کچھ تعمیراتی تبدیلیاں (Rennovation) کروا رہا ہوں۔ اس عمل میں مجھے کئی تجربات ہو رہے ہیں۔ لیکن ان میں سب سے بڑا تجربہ خدا کی معرفت کا تجربہ ہے۔ تعمیر و تخلیق کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ اس کے لیے سب سے پہلے کوئی خاکہ ذہن میں ترتیب پانا چاہیے۔ پھر اس کو روبہ عمل کرنے کے لیے طرح طرح کی صلاحیتیں چاہیے ہوتی ہیں۔ ایک گھر ہی کو لے لیجیے۔ الیکٹریشن، پلمبر، مزدور، مستری، کارپینٹر، رنگ کرنے والے اور ان جیسے بہت سے لوگ ہیں جن کی صلاحیتیں اور توانائیاں مل کر ایک گھر کو تخلیق کرتی ہیں۔ پھر بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ہم ایک خاکہ بناتے ہیں، مگر جب وہ عمل میں آنے لگتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نہ کوئی مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ حالانکہ عام طور پر ایسی بنی ہوئی چیز پہلے ہی سے ہمارے سامنے موجود ہوتی ہے۔ یا کسی چیز کے بننے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ بہتر چیز بنائی جا سکتی تھی۔ یا بنانے والے اپنے تجربے کے باوجود چیز اچھی نہیں بنا پاتے۔

لیکن اللہ تعالیٰ جو اس کائنات کے بادشاہ ہیں انھوں نے اس پوری کائنات کو پہلے سے موجود کسی نمونے یا خاکے کے بغیر بنایا ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ جو کچھ ہمیں اس دنیا میں نظر آتا ہے اس کے لیے کوئی تعمیری سامان پہلے سے موجود نہ تھا۔ اس دنیا میں جھرنے، آبشاریں، نہریں، کنویں، تالاب دریا اور سمندر موجود ہیں، مگر پانی موجود نہ تھا۔ اس دنیا میں شیر اور چیتے جیسے درندے، گائے اور بکری جیسے مویشی، گھوڑے اور گدھے جیسی سواریاں، کبوتر اور عقاب جیسے پرندے، سانپ اور بچھو جیسے حشرات اور گوشت اور دودھ دینے والے ان گنت زمینی اور سمندری مفید حیوانات موجود ہیں، مگر ان کی تخلیق کے لیے نہ کوئی نمونہ تھا اور نہ کوئی ساز و سامان۔ اس دنیا میں پہاڑ، سورج، چاند، ستارے، درخت، زمین، آسمان اور ان کے بیچ میں بے شمار تخلیقات ہیں جو بالکل منفرد اور انوکھی ہیں، مگر خدا نے انہیں بغیر کسی کے مشورے اور بغیر کسی خام مال کے تخلیق کر دیا۔

پھر بنانے والے نے جو بنایا تنہا بنایا۔ وہی انجینیئر ہے، وہی منصوبہ ساز ہے، وہی مصور اور ڈیزائنر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے، وہی حساب کتاب رکھتا ہے اور وہی اعداد وشمار جمع کرتا ہے۔ اس پورے عمل میں جس وقت جن وسائل اور صلاحیتوں کی ضرورت ہوئی، وہ خدا نے بغیر کسی کی مدد کے تنہا فراہم کر دیے۔ ایک انسان کے لیے تنہا ہونا کمزوری کی علامت ہے، مگر خدا کی عظمت یہی ہے کہ سب کچھ اس نے تنہا کیا ہے۔

آخری بات یہ کہ اس نے جو بنایا اس میں کوئی عیب یا کمی نہیں۔ اس کی کسی تخلیق میں کوئی بہتری نہیں لائی جا سکتی نہ اس سے بڑھ کر کوئی نمونہ تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ اس بات کو اگر کوئی سمجھنا چاہے تو غور سے انسان کی اپنی بنائی ہوئی اشیاء کو دیکھے۔ اسے معلوم ہوگا کہ انسان کی ہر تخلیق دراصل کائنات میں موجود پہلے سے کسی مخلوق یا کسی نمونہ کی ایک بھونڈی اور کمزور نقل ہے۔ مثلاً ہوائی جہاز پرندوں کی، کشتیاں اور آبدوزیں مچھلیوں کی، ریل گاڑیاں اور موٹر کاریں حشرات اور حیوانی سواریوں کی اور کمپیوٹر انسانی دماغ کی ایک نقل ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہم خدا کی ایک عظیم کائنات میں رہتے ہیں۔ اس کی سب سے زیادہ خوبصورت تخلیق ہمارا یہ گھر یعنی ہماری زمین ہے اور اس کی سب سے شاندار اور عجیب مخلوق یہ انسان ہے۔ مگر نہ ہم زمین میں اس کی عظمت کو سراہتے ہیں اور نہ اپنے وجود میں موجود اس کی نشانیوں کو دیکھ کر اس کی حمد بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ ہم میں سے ہر شخص جب کچھ تعمیر یا تخلیق کرتا ہے تو اپنی تعریف سننا چاہتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ تخلیق و تعمیر کا عمل لازماً اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ اسے سراہا جائے، مگر پھر بھی ہم اس ہستی کی حمد و ثنا کو زندگی کا مقصد نہیں بناتے جس نے یہ کائنات بغیر کسی نمونہ اور بغیر کسی کی مدد کے بنائی ہے اور جو آنے والی دنیا میں ہمارے لیے جنت کی عظیم نعمت تعمیر کر رہا ہے۔

جو لوگ خدا کی اس دنیا میں خدا کی حمد کرتے ہیں وہی لوگ ہیں جو آخرت میں خدا کی بے مثال نعمت یعنی جنت میں بسائے جائیں گے۔ جنت کی قیمت کچھ نہیں بس بن دیکھے رب کی حمد کرنا اور اس کی مان کر زندگی گزارنا ہے۔ کتنی معمولی مگر کتنی فطری قیمت ہے یہ، مگر ہم یہ بھی نہیں دے پاتے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

میں کیا کروں؟

''اپنی قوم کے مایوس کن حالات دیکھ کر میرا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ سیاسی انتشار، بدامنی، مہنگائی، بے روزگاری، ہر دوسرے گھر میں بیٹھی بن بیاہی بہن بیٹیاں، ہر دوسرے ہفتے ہونے والے خودکش حملے، یہ سب میرا حوصلہ پست کر دیتے ہیں۔ اب تو جینے کا دل نہیں چاہتا، مجھے بتائیں میں کیا کروں؟''

ان کے سوال کا جواب دینے کے بجائے میں نے انہیں پیشکش کی کہ وہ میرے ساتھ چہل قدمی پر چلیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں پارک میں چہل قدمی کر رہے تھے۔ پارک میں ہر طرف خدا کی دنیا بکھری ہوئی تھی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے ہمارے بدن کو چھو کر گزرتے تو لگتا کہ فطرت اپنی خاموش آواز میں کوئی نغمہ چھیڑے ہوئے ہے۔ جگہ جگہ لگے رنگ برنگے پھول فطرت کی اس محفل میں روح تک اتر جانے والی کسی غزل کے اشعار کی مانند لگتے تھے۔ بادلوں کی اوٹ لیے سورج کی سنہری کرنیں شام کے افق پر سونے کی مانند بکھری ہوئی تھیں۔ نیلگوں آسمان کے پس منظر میں سرسبز اور سربلند درخت اپنے جمال و کمال کی گواہی آپ دے رہے تھے۔ گہری ہوتی ہوئی شام میں ہوا کے شانوں پر سوار پرندے اپنے گھروں کو لوٹنے کے لیے محو پرواز تھے۔

میں چلتے چلتے رکا اور ان کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔ آپ نے پوچھا تھا کہ آپ کیا کریں؟ آپ خدا کی دنیا میں جینا سیکھ لیں۔ پھر میں ان کا ہاتھ پکڑ کر ایک ایسے پودے کی طرف لے گیا جس کی نرم و نازک کونپلیں ابھی سر اٹھا رہی تھیں۔ میں گویا ہوا: یہ ننھا پودا کبھی ایک بیج تھا جسے زمین میں دفنا دیا گیا تھا۔ مگر خدا کی دنیا میں ہر مشکل کے بعد آسانی ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بیج اپنی قبر سے نکل کر پودا بنا اور جلد ایک سربلند درخت بنے گا۔ خدا کی دنیا میں بدترین حالات کے بعد بہتری آتی ہے۔ آپ کی قوم مسائل کے بطن سے اپنا نیا وجود اگلنے کو تیار ہے۔ یہ پریشانیاں دردزہ کی سختیاں ہیں۔ آپ جلد دیکھیں گے کہ ان اندھیروں کے بعد نیا سورج طلوع ہونے کو ہے۔ میں خاموش ہو گیا، مگر ان کے چہرے پر امید کی چمک پیدا ہو چکی تھی۔ میرا ہاتھ تھامے وہ دوبارہ چلنے کے لیے تیار ہو گئے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ابدی خوشی

میں اور وہاج ٹہلتے ہوئے اپنے گھر والوں کو بہت پیچھے چھوڑ آئے تھے۔ سامنے تا حد نظر پھیلا ہوا سمندر تھا۔ وہاج نے پوچھا کہ کیا جنت کی نعمتوں کی بھی کوئی حد نہ ہوگی۔ شاید سمندر کی وسعت نے اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا کیا۔ ''کیا ہم وہاں بور نہیں ہو جائیں گے؟''

میں نے لمحے بھر کے لیے توقف کیا اور اس سے دریافت کیا۔ یہ بتاؤ کہ انسان کتنے عرصے سے قصے کہانیاں سنا رہے ہیں۔ کیا وہ کبھی ان سے بور ہوئے؟ ان قصے کہانیوں نے افسانوں، ناولوں، اور اب ڈراموں نے فلموں کی شکل اختیار کر لی ہے۔ کیا لوگ اِن سے بور ہو گئے ہیں؟ انسان کتنے عرصے سے گا رہا ہے۔ سننے والے سنتے چلے جا رہے ہیں۔ ہر روز ایک نئی دھن، ایک نیا گیت تخلیق ہوتا ہے۔ مگر انسان کبھی بور نہیں ہوتا۔ وہ نئی نئی تخلیقات کا منتظر رہتا ہے۔ یہی جنت میں ہوگا۔

یہ واقعہ پرانا ہو گیا۔ مگر کل میں قرآن پڑھتے ہوئے اس مقام پر پہنچا جہاں اس میں جنت کا پہلا تذکرہ ہے تو مجھے قرآن سے اپنی بات کی تائید مل گئی۔ جنت کے اس تذکرے میں سب سے اہم بات یہی ہے کہ جب جب اہل جنت کو کوئی پھل بطور رزق ملے گا وہ کہیں گے کہ یہ تو ہمیں پہلے بھی دیا گیا ہے۔ مگر قرآن یہ تبصرہ کرتا ہے کہ انہیں بظاہر یہ پھل پچھلے پھلوں سے ملتا جلتا لگے گا لیکن حقیقت میں یہ ایک بالکل مختلف پھل ہوگا۔ نعمت کا یہی تنوع جنت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک خوشگوار مقام بنا دے گا۔

انسان کبھی یکسانیت کو پسند نہیں کرتا۔ انسان نعمتوں کی خواہش کرتا ہے۔ مگر جیسے ہی یہ نعمت اس کی دسترس میں آتی ہے تو کچھ وقتی لذت کے بعد انسان بوریت کا شکار ہو جاتا ہے۔ پھر وہ ایک نئی شے کی جستجو میں مشغول ہو جاتا ہے۔ مگر اس دنیا میں طاقت، صحت، دولت، وقت اور زندگی کی محدودیت قدم قدم پر انسان کے آڑے آ جاتی ہے۔ جنت ہی وہ مقام ہے جہاں کوئی محدودیت نہ ہوگی۔ اور اس سے بڑھ کر خدا اپنی ساری خلاقی کا مظاہرہ کر کے ہر روز اور ہر ساعت انسان کو ایک نئی نعمت اور لذت سے روشناس کرائے گا۔ یہی جنت کی ابدی خوشی کا راز ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

انسان اور حیوان

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ایک حیوانی قالب میں پیدا کیا ہے۔ آنکھ، ناک، کان اور دیگر اندرونی و بیرونی اعضاء میں انسان جانوروں سے بہت زیادہ مختلف نہیں ہے۔ یہی حال جبلتوں (Instincts) کا ہے۔ بھوک، پیاس، تحفظ اور تولید کی خواہش جس طرح کسی جانور کو متحرک کرتے ہیں، اسی طرح انسانوں کو بھی آمادہ عمل کرتے ہیں۔ اس کے باوجود یہ ایک حقیقت ہے کہ جانور اگر ایک لاکھ برس پہلے جنگل میں رہتے تھے تو آج بھی وہ جنگل میں ہیں۔ مگر انسان ترقی کرتے کرتے آج اس مقام پر آ گیا جہاں وہ بڑے بڑے شہر آباد کر چکا ہے۔

انسان کی اس ترقی کا سبب اپنے تجربات اور مشاہدات سے سیکھنے کی صلاحیت اور آگے بڑھنے کا جذبہ ہے۔ یہی دو چیزیں ہیں جو انسان کو زندگی میں مسلسل آگے بڑھاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو یہ صلاحیتیں دے کر اس دنیا میں بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ انسان غلطی کرتا ہے، مگر وہ اس غلطی سے سیکھتا ہے اور اصلاح کر لیتا ہے۔ وہ زندگی کی دوڑ میں ٹھوکر کھا کر گر پڑتا ہے۔ مگر آگے بڑھنے کا جذبہ اسے سنبھالتا ہے اور دوبارہ آگے بڑھنے پر مجبور کرتا ہے۔

سیکھنے اور آگے بڑھنے کی یہ صلاحیت جانور میں بھی ہوتی ہے، مگر وہ ان صلاحیتوں کا استعمال صرف بنیادی جبلی تقاضوں ہی کی حد تک کرتا ہے۔ جبکہ انسان میں یہ صلاحیت ان تقاضوں سے آگے بڑھ کر اپنی ذات کی اصلاح، اپنی شخصیت کے ارتقا، اپنے اخلاق کی درستی اور اپنے معمولات میں بہتری کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ مگر بہت سے انسان ایسے ہوتے ہیں جو اپنی ان صلاحیتوں کو صرف جانوروں ہی کی سطح پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ کھاتے پیتے، شادی کرتے اور اولاد پیدا کرتے ہیں۔ اپنی بقا کے لیے دوڑ دھوپ کرتے ہیں۔ مگر یہ درحقیقت ان کے حیوانی قالب کے بقا و ارتقا کی جدوجہد ہوتی ہے۔ یہ حیوانی قالب تو موت کے ساتھ ہی فنا ہو جاتا ہے۔

انسان کے وجود کا اصل حصہ اس کی شخصیت ہوتی ہے۔ یہ شخصیت ہے جو معاشرے کے خیر و شر پر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ شخصیت ہے جو انسانی تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑ جاتی ہے۔ یہ شخصیت ہے جو اپنے جیسے دوسرے انسانوں کی زندگیاں بدل دیتی ہے۔ یہی شخصیت ہے جسے کل روز قیامت خدا کے حضور پیش ہونا ہے۔ جہاں اسے ایک نیا قالب دیا جائے گا۔ پھر اس شخصیت کے خیر و شر اور حسن و قبح اور اچھائی برائی کی بنیاد پر اس کے ابدی مستقبل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

انسان اور جانور کا بنیادی فرق یہی ہے کہ جانور کی زندگی بس حیوانی قالب کی زندگی ہے۔ جبکہ انسان کی زندگی شخصیت کی زندگی ہے۔ یہ شخصیت اگر موسیٰؑ کی ہو تو بنی اسرائیل کی شکل میں ایک پوری قوم کی نجات اور اصلاح کا سبب بنتی ہے اور اگر فرعون کی ہو تو اپنی اور اپنی قوم کی تباہی کی وجہ بن جاتی ہے۔ یہ شخصیت اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو تو اربوں انسانوں کی ہدایت کا سبب بن جاتی ہے اور اگر ہٹلر کی ہو تو کروڑوں انسانوں کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔

اس شخصیت میں بہتری کے لیے ضروری ہے کہ انسان اپنی سیکھنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیتوں کو صرف حیوانی تقاضوں تک محدود نہ رکھے۔ وہ کھائے پیئے اور سوئے مگر غور و فکر کو بھی اپنی زندگی میں کرنے کا ایک کام سمجھے۔ وہ کھیل کود، تفریح کو ضرور اختیار کرے، مگر علم اور مطالعہ سے بھی بے رخی نہ برتے۔ وہ نکاح کے ذریعے سے خاندان اور اولاد کی خوشیوں سے ہمکنار ہو، مگر ساتھ ہی معاشرے کے خیر و شر سے بے نیازی اختیار نہ کرے۔

ایک انسان کے لیے یہ کوئی قابل شرم بات نہیں کہ وہ حیوانی قالب کی ترقی کے لیے جدو جہد کرے۔ انسان کے لیے قابل شرم بات یہ ہے کہ وہ اپنے سیکھنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیتوں کو صرف اسی کام کے لیے مخصوص کر دے۔ کیونکہ ایسے انسان کی شخصیت میں کوئی ارتقا نہیں ہوتا۔ اس کے علم میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ اس کے رویے میں کوئی بہتری نہیں آتی۔ ایسے لوگ اپنے انسانی شرف کی توہین کرتے ہیں۔ یہ لوگ نہ معاشرے میں کوئی مثبت کردار ادا کر سکتے ہیں اور نہ آخرت کی زندگی میں کوئی اعلیٰ مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عمران اور انضمام

عمران خان اور انضمام الحق پاکستانی کرکٹ کے دو ممتاز ترین نام ہیں۔ عمران خان کا شمار دنیا کے بہترین آل راؤنڈرز میں ہوتا ہے۔ وہ قومی ٹیم کے کپتان بھی رہے اور ان کی زیر قیادت پاکستان نے غیر معمولی کامیابیاں حاصل کیں۔ 1986 میں انڈیا کو انڈیا میں، 1987 میں انگلینڈ کو انگلینڈ میں شکست دینا اور 1992 میں ورلڈ کپ جیتنا ان کی سب سے نمایاں کامیابیاں ہیں۔ انہوں نے اپنے کیرئیر میں 48 ٹیسٹ میچوں میں پاکستان کی قیادت کی، 14 جیتے، 8 ہارے اور 26 برابر رہے۔

انضمام الحق کا اصل میدان بیٹنگ تھا۔ وہ بھی عمران خان کی طرح نہ صرف پاکستان بلکہ کرکٹ کی تاریخ کے عظیم ترین کھلاڑی سمجھے جاتے ہیں۔ بحیثیت کپتان ان کی قیادت میں پاکستان نے 25 میچ کھیلے، 8 جیتے، 8 ہارے اور 9 برابر رہے۔ عمران خان کے برعکس جو اپنی قیادت کے دور میں زیادہ تر ان فٹ رہے، انضمام الحق نے اپنی کپتانی کے دور میں بہترین کھیل کا مظاہرہ کیا۔ تاہم ان کی ٹیم عمران خان کی ٹیم کی طرح بڑی کامیابیاں حاصل نہ کرسکی۔

اس کا سبب کرکٹ کے مبصرین یہ بیان کرتے ہیں کہ عمران خان ایک فائٹر کپتان تھے۔ وہ بدترین حالات میں بھی حوصلہ نہیں ہارتے تھے۔ انہوں نے بیشتر کامیابیاں مشکل حالات میں حاصل کی تھیں۔ جبکہ انضمام کی ٹیم پر جب بھی دباؤ آتا ان کی ٹیم پرفارمنس نہ دے پاتی۔ بارہا ایسا ہوا کہ پہلی اننگز میں مخالف ٹیم نے بڑی لیڈ لے لی اور انضمام نے ٹی وی پر یہ بیان دیا کہ اب میچ نہیں بچایا جاسکتا۔ ظاہر ہے اس کے بعد ٹیم کا حوصلہ پست ہونا لازمی تھا۔

اس دنیا میں انسان کا سب سے بڑا سرمایہ حوصلہ ہوتا ہے۔ یہ حوصلہ اگر برقرار رہے تو انسان ناممکن کو ممکن کردکھاتا ہے۔ وہ بدترین حالات میں بہترین نتائج پیدا کردیتا ہے۔ اس کا یہ حوصلہ دوسروں کو بھی بہترین نتائج دینے پر آمادہ کردیتا ہے۔ مگر جب حوصلہ پست ہوجائے تو انسان بہترین صلاحیتوں کے باوجود مطلوبہ نتائج حاصل نہیں کرپاتا۔ یہی خدا کی دنیا کا قانون ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

میں اپنے پرانے محلے میں کھڑا حسرت کے ساتھ ان ویران گلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ یہ گلیاں تو گرمی کی تپتی ہوئی دوپہر میں بھی ویران نہ ہوتی تھیں۔ کوئی نہ کوئی ہم نفس گھر سے نکلتا اور کسی یار غار کو ڈھونڈ ہی لیتا۔ پھر زمانے بھر کی باتیں، دنیا بھر کے قصے، اپنی پرانی کہانیاں، ختم نہ ہونے والی داستانیں شروع ہو جاتیں۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرے کے بعد تیسرا رفیق اس محفل ناتمام کا حصہ بنتا چلا جاتا۔

مگر آج تہذیب بدل گئی، وقت بدل گیا، مشاغل بدل گئے۔ فکر معاش نے فرصت کی گھڑیوں کو بہت مختصر کر دیا ہے۔ ان مختصر گھڑیوں سے بھی تنہائی کے جو لمحات مستعار لیے جا سکتے تھے، اسے ٹی وی کی ختم نہ ہونے والی مصروفیت نے چھین لیا ہے۔ آج جس شخص سے ملیے اسے وقت نہیں ملتا۔ وقت کیسے ملے؟ ''بندہ معاش'' اپنی توانائی کا ایک ایک قطرہ صرف کرنے کے بعد جب گھر پہنچتا ہے تو ساز و آواز، خوف و تجسس، طنز و مزاح اور علم و تفریح کے خزینے سمیٹے ایک رفیق شب اس کا منتظر ہوتا ہے۔

ٹی وی کی یہ رنگینی اسے کچھ سوچنے کا موقع نہیں دیتی۔ اسے مطالعے کا موقع نہیں دیتی۔ دوستوں کی محفلوں کو آباد کرنیکی فرصت نہیں دیتی۔ قرابت داروں اور پڑوسیوں کے گھر جانے کی مہلت نہیں دیتی۔ اسے تنہائی کے وہ لمحات نہیں دیتی جب وہ اپنے بارے میں غور کر سکے۔ اپنی دنیا اور آخرت کے بارے میں غور کر سکے۔ ملک اور ملت کے بارے میں غور کر سکے۔

بظاہر آج کا انسان بہت خوشحال ہے۔ وہ بہت خوش ہے۔ وہ اچھے گھروں میں رہتا ہے۔ ٹی وی، اے سی اور سواری کی نعمت سے مالا مال ہے۔ اس نے اپنی خوشیوں اور تفریح کے لیے ایک سامان جمع کر رکھا ہے۔ مگر آج کے انسان نے خود کو کھو دیا ہے۔ وہ ایک ایسا جانور بن گیا ہے جس کے ہر طرف ہری ہری گھاس رہتی ہے۔ مگر وہ سوچنے والا، تنہائی میں بیٹھ کر حقائق پر غور کرنے والا انسان نہیں رہا۔

مجھے معلوم ہے کہ اب فرصت کے وہ رات دن لوٹ کر نہیں آ سکتے، مگر کوئی ہم ذوق تنہائی کے چند لمحات غور و فکر اور خود احتسابی کے لیے نکال لے تو اس فقیر کی صدا رائگاں نہیں جائے گی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عورت، مرد اور جنت

دور جدید میں عورتوں کے مقام و مرتبے کے بارے میں معاشرے کا رویہ بالعموم بہت تبدیل ہوا ہے۔ چنانچہ اس حوالے سے بہت سے سوالات اہل مذہب کے سامنے آتے رہتے ہیں۔ ان سوالات کا تعلق اس دنیا ہی سے نہیں بلکہ آخرت کی دنیا سے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً ایک سوال اکثر یہ کیا جاتا ہے کہ جنت میں مردوں کو اگر حوریں دی جائیں گی تو خواتین کو کیا ملے گا؟

اس سوال کا ایک سادہ جواب تو وہ ہے جو قرآن نے جگہ جگہ دیا کہ جنت میں مرد و عورت کو تنہا تنہا نہیں بلکہ جوڑوں کی شکل میں رکھا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ اس جواب میں یہ بات پوشیدہ ہے کہ خواتین کا جوڑا مردوں کے ساتھ بنے گا۔ ''عورتوں کو مرد دیے جائیں گے''، یہ تعبیر چونکہ حیا کے منافی تھی اس لیے قرآن نے جوڑے کا ذکر کیا ہے۔ جہاں تک حوروں کا سوال ہے بلاشبہ قرآن میں ان کا ذکر آیا ہے، مگر اتنی کثرت سے نہیں جتنا ہمارے ہاں بیان کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگوں کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ قرآن پاک میں صرف چار مقامات پر حوروں کا ذکر آیا ہے، جبکہ جوڑے بنائے جانے کا ذکر بکثرت آیا ہے۔

تاہم اس معاملے کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے۔ انسانی نفسیات کے بعض ایسے تقاضے ہیں جن کی بنا پر مرد عورتوں کے محتاج ہوتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نے خواتین کو یہ فضیلت دے رکھی ہے کہ وہ نفسیاتی طور پر مردوں کی اس درجہ محتاج نہیں ہوتیں۔ خواتین کو مردوں کی ضرورت زیادہ تر معاشی یا سماجی حوالے سے ہوتی ہے، نفسیاتی طور پر نہیں۔ جنت کی زندگی میں نہ کوئی معاشی مسئلہ ہوگا نہ معاشرتی۔ البتہ نفسیاتی ضرورتیں اُس وقت بھی باقی رہیں گی۔ چنانچہ خواتین کو مردوں کی ضرورت اِس طرح نہیں ہوگی جس طرح مردوں کو خواتین کی۔ نتیجے کے طور پر خواتین کی قدر و منزلت بڑھ جائے گی، جبکہ مردوں کے لیے بعض مسائل پیدا ہو جائیں گے۔ جنت کی زندگی میں حوروں کا وجود مردوں کے ایسے ہی بعض مسائل کا حل ہے۔

خواتین اطمینان رکھیں! انھیں حوروں جیسی کسی نعمت کی ضرورت نہیں۔ جنت کی زندگی میں تو ان کا اپنا وجود ایک عظیم نعمت ہوگا۔ یہ وہ فضیلت ہے جو جنت میں مردوں کو حاصل نہیں ہوگی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لکھ لیا کرو

انسانوں میں حرص اور لالچ کی اخلاقی خرابی عام پائی جاتی ہے۔لین دین،خرید وفروخت اور روپے پیسے کے دیگر معاملات کے وقت اس کا اظہار عام طور پر ہوتا رہتا ہے۔اسی طرح انسان کی طبیعت میں بھول اور نسیان کا مادہ بھی خلقی طور پر موجود ہے۔ہم نئی چیزیں یاد رکھتے ہیں اور پرانی چیزیں فراموش کرتے جاتے ہیں۔

انسانوں کے درمیان جب کبھی زر اور زمین کے معاملات پیش آتے ہیں تو طمع اور نسیان کے عناصر بارہا جھگڑے فساد کا سبب بن جاتے ہیں۔ وراثت،قرض اور خرید وفروخت کے معاملات میں تو اکثر اس کی نوبت آجاتی ہے۔ عام طور پر لوگ خرید وفروخت میں تو کچھ محتاط رہتے ہیں،مگر قرض اور وراثت کے معاملات چونکہ فوری نہیں ہوتے اور ان میں اکثر معاملہ اپنے قریبی لوگوں ہی سے پڑتا ہے،اس لیے لوگ محتاط نہیں رہتے اور کچھ عرصہ بعد باہمی اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

دین نے اس معاملے میں ہماری یہ راہنمائی کی ہے کہ جب کبھی قرض کا معاملہ ہو تو پوری بات کو لکھ کر دو گواہ بنا لینے چاہییں۔اسی طرح وراثت کے مسئلے کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک پورا قانون دے کر خود حل کیا ہے۔ جو اس حکم کی تعمیل نہ کرے اسے جہنم کی وعید دی گئی ہے۔اس کے ساتھ وصیت کا ایک حکم دے کر امکانی طور پر پیدا ہونے والے جھگڑوں کا راستہ روک دیا ہے۔مگر بدقسمتی سے ہمارے معاشرے میں نہ قرض کے وقت گواہ اور تحریر کا اہتمام کیا جاتا ہے،نہ دین کے مطابق وراثت کی تقسیم کا۔اس سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص اپنی وصیت لکھ کر رکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔

حالانکہ ان چیزوں کا اہتمام کر لیا جائے تو بہت سے اختلافات،دل شکنیوں اور تعلقات کی خرابی کی نوبت نہیں آتی۔مثلاً قرض کے معاملات میں رقم کی مقدار،اس کی ادائیگی کی شکل اور مدت پر بارہا اختلاف ہو جاتا ہے۔اس لیے ہمیشہ اس کا اہتمام کرنا چاہیے کہ قرض کی رقم کے ساتھ تحریری طور پر یہ بھی لکھ لیا جائے کہ یہ رقم کب واجب الادا ہوگی۔مقروض کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ قرض بہر حال اسے ادا کرنا ہے۔اس دنیا میں اگر وہ ادا نہیں کرے گا تو آخرت میں اسے اپنی نیکیوں کی کرنسی میں اس قرض کی ادائیگی کرنی ہوگی جو یقیناً بہت نقصان کا سودا ہوگا۔

اسی طرح وراثت کے دینی حکم کو نظر انداز کر کے اپنے مفادات کی بنیاد پر فیصلہ کرنا،اللہ تعالیٰ سے سرکشی اور بغاوت کے ہم معنی ہے،جس کا انجام سوائے جہنم کی آگ کے اور کچھ نہیں۔وراثت کے حکم کی طرح وصیت کا حکم

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بھی بہت سے اختلافات کو پیدا نہیں ہونے دیتا۔ وصیت کے حکم کا سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ ہمارے مال میں ہر چیز اس طرح نہیں ہوتی جس طرح کاغذات میں نظر آ رہی ہوتی ہے۔ مثلاً بہت سی زمین اور مال ایسا ہوتا ہے جو ہماری ملکیت ہوتا ہے، مگر ہم نے بعض مصالح کی بنا پر اسے کسی اور کے نام کر رکھا ہوتا ہے۔

بعض اوقات بہت سے وارثوں میں سے کسی ایک وارث کے نام کچھ زمین جائداد کر رکھی ہوتی ہے۔ بارہا اس بات کا کسی اور کو علم نہیں ہوتا اور جس کے نام جائداد ہوتی ہے وہ خاموشی سے اسے دبا لیتا ہے حالانکہ اس پر سب وارثوں کا حق ہوتا ہے۔ اگر دوسروں کو اس کا علم ہوتا ہے تو عموماً یہ ایک زبانی بات ہوتی ہے۔ جس کے نتیجے میں اختلافات اور جھگڑوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ عدالتوں کے چکر لگتے ہیں اور خاندانی تعلقات ختم ہو جاتے ہیں۔

ہمارے ہاں وصیت نہ لکھنے کا ایک اور سبب لوگوں کا یہ سمجھنا ہے کہ سب وارثوں کا حق اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔ حالانکہ اپنے مال کے ایک تہائی پر وصیت کا حق ہمیں بہر حال حاصل ہے۔ ہمارے ہاں عام دینی رائے یہ ہے کہ کسی وارث کو اپنی طرف سے کچھ نہیں دیا جا سکتا۔ یہ بات عام حالات میں بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن ایک بہت اہم دینی رائے یہ بھی ہے کہ کسی وارث کو اس کے حق قرابت کی بنا پر تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے حصے سے زیادہ کچھ نہیں دیا جا سکتا، مگر ضرورت یا خدمت کی بنیاد پر یقیناً دیا جا سکتا ہے۔ مثلاً کسی شخص نے اپنے پانچ بچوں میں سے چار کی شادیاں کر کے انہیں سیٹ کرا دیا۔ اب اس کا آخری بچہ یا بچی کم سن ہے تو اس کے بارے میں یہ وضاحت کی جا سکتی ہے کہ اگر میں اس کی شادی سے قبل مر جاؤں تو وراثت کی تقسیم سے قبل اس کی شادی کا خرچہ الگ کیا جائے گا، پھر جائیداد تقسیم ہو گی۔

یہ بات عین عدل پر مبنی ہے۔ شریعت کے کسی اصول کی روشنی میں اس پر اعتراض کیا جا سکتا ہے اور نہ اخلاقی طور پر اس بات میں کوئی خرابی ہے۔ اس لیے کہ باپ نے اگر چار بچوں کی شادی کا اہتمام کیا ہے تو پانچویں کو اس سے محروم رکھنا ایک ظلم ہوگا۔ شریعت کبھی ظلم گوارا نہیں کر سکتی۔ اس لیے یہ ہدایت کی جا سکتی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ وصیت کے بغیر ممکن نہیں۔

ہم میں سے ہر شخص کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی وصیت تحریر کرے۔ جس طرح بہت سے لوگ ہر رمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو معمول بناتے ہیں، اسی طرح ہر سال اپنی وصیت پر حالات کے مطابق نظر ثانی کرتے رہنا چاہیے۔ اس سے بہت سے مسائل، ناانصافیوں، حق تلفیوں اور اختلافات کا خاتمہ ہو جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جنگل کا بادشاہ

انسانوں میں شیر جنگل کا بادشاہ مانا جاتا ہے۔شیر کو بہادری کی علامت سمجھا جاتا ہے اور اس حوالے سے کئی محاورے ہمارے ہاں عام ہیں۔دورِ جدید میں مغربی اہلِ علم نے جہاں اور بہت سی چیزوں کو اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا ہے وہیں جنگل اور اس میں پائے جانے والے جانداروں پر بھی بڑی تحقیقات ہوئی ہیں۔ان کے حالات، رویّوں اور معاملات کا مطالعہ کرنے کے لیے لوگوں نے اپنی زندگیاں وقف کر دی ہیں۔اس موضوع پر کتابیں لکھی گئیں اور آج کل ڈاکومنٹری فلموں کے ذریعے سے بھی ان معلومات کو عام کیا جا رہا ہے۔

جنگل کے دیگر باسیوں کی طرح شیر کے بارے میں بھی تحقیقات ہوئی ہیں۔ان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ شیر کی بہادری کے بارے میں جو باتیں مشہور تھیں وہ محض ایک افسانہ تھیں۔شیر کی درست تصویر جنگل کے بادشاہ کی نہیں بلکہ جنگل کے ایک درندے کی ہے۔شیر اتنا ہی بہادر ہوتا ہے جتنا اس کا حریف کمزور ہوتا ہے۔وہ ہرن پر حملہ کرتا ہے تو بڑی 'بہادری' سے کرتا ہے، مگر جب اس کا واسطہ زرافے جیسے معصوم مگر بلند قامت جانور سے پڑتا ہے تو وہ اتنا 'بہادر' نہیں رہتا۔کئی شیر عیاری اور خاموشی کے ساتھ مل کر اسے قابو کرتے ہیں۔وہ اس کے سامنے آنے کی جرات نہیں کرتے اور پیچھے سے حملہ آور ہوتے ہیں۔جب وہ زخموں سے چور ہو کر گر جاتا ہے تب اس کی گردن پکڑ لیتے ہیں۔

جس طرح شیر کے بارے میں درست رائے تحقیق کے بعد ہی قائم ہو سکی اسی طرح انسانوں کے بارے میں بھی رائے ہمیشہ تحقیق کے بعد قائم ہونی چاہیے۔سنی سنائی باتوں سے کسی کی عظمت کے قصے تراشنا یا کسی فرد کے متعلق غلط رائے قائم کرنا درست رویہ نہیں۔اس رویّے کے بعد انسان جب کسی کے متعلق بڑائی کا تصور قائم کرتا ہے تو اسے ہر طرح کی تنقید سے بالاتر قرار دے کر اکابر پرستی کی راہ ہموار کرتا ہے۔جب وہ کسی کے متعلق منفی رائے قائم کرتا ہے تو اس کی طرف ایسے عیب منسوب کر دیتا ہے جو اس میں نہیں ہوتے۔ یہ دونوں رویے دین و اخلاق کے اعتبار سے جرم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ایک مومن پر فرض ہے کہ وہ ہمیشہ تحقیق کے بعد کسی کے بارے میں اظہارِ رائے کرے یا پھر خاموشی اختیار کرے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خوشی کا راز

میرے دفتر کے راستے میں بہت سی نرسریاں آتی ہیں۔ ان کا مشاہدہ کرنا ہمیشہ میرے لیے قلب و نظر کی راحت کا سامان رہا ہے۔ ان کے رنگ برنگے پھول، خوش نما پودے، سرسبز و شاداب درخت راستے سے گزرنے والے ہر شخص کو ایک خوش گوار ذہنی کیفیت سے روشناس کراتے ہیں۔

اس راستے میں ایک ٹریفک سگنل بھی آتا ہے۔ اس سگنل پر جب کبھی میں رکتا ہوں تو اپنی ساری توجہ پھولوں اور سبزے کی اس خوش نما دنیا کی طرف مرکوز کر لیتا ہوں۔ یہ توجہ اور ارتکاز مجھے ایک اور حقیقت سے آشنا کرتا ہے۔ وہ یہ کہ اس خوش نما منظر میں بہت سی ناگوار حقیقتیں موجود ہیں۔ پھولوں کے درمیان کیڑے کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ پھول پودوں کے رنگ و خوشبو کے ساتھ کھاد کی غلاظت بھی ہوتی ہے۔ درختوں کی بلندی پر جو سرسبز شاخیں جھولتی ہیں، وہ ایک نسبتاً بدنما اور بدرنگ تنے کے سہارے پر بلند ہوتی ہیں۔ یہ اور ان جیسے بہت سے ناگزیر حقائق اس دلکش دنیا کا لازمی حصہ ہیں۔

یہ حقائق ہمیں خدا کی دنیا کے ایک قانون سے روشناس کراتے ہیں۔ وہ یہ کہ اس دنیا کو اللہ تعالیٰ نے جس اصول پر تخلیق کیا ہے، وہ آزمائش کا اصول ہے۔ اس لیے یہاں حسن کے ساتھ بدصورتی، خوشبو کے ساتھ بدبو اور پھول کے ساتھ کیڑے کانٹے سب ہوتے ہیں۔ اسی طرح دنیا میں خوشی کے ساتھ غم، آسانی کے ساتھ مشکل، راحت کے ساتھ زحمت اور امید کے ساتھ مایوسی ہمیشہ موجود ہوتے ہیں۔ لیکن جس طرح پھولوں کی دنیا میں منفی حقائق کو قبول کر کے ہی رنگ و خوشبو اور حسن و سبزے کی بہار کا لطف اٹھایا جاتا ہے، اسی طرح زندگی کی تلخ حقیقتوں پر کڑھنے کے بجائے انھیں حوصلے سے قبول کرنے ہی سے انسان دنیا کی نعمتوں کا فائدہ اٹھانے کے قابل ہوتا ہے۔

خدا کی دنیا میں خوشگوار حالات کے ساتھ ہمیشہ منفی حالات پائے جائیں گے۔ خوشی کا راز یہ ہے کہ اپنی نظر ہمیشہ اچھی چیزوں کی طرف رکھی جائے۔ جو بدلا جا سکے اسے بدلنے کی کوشش کرنے کے بعد ہر ناگوار چیز کو نظرانداز کر دیا جائے۔ یہی اس دنیا میں حقیقی خوشی کا راز ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

لعنت نہیں بلکہ تربیت

بزرگوار کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ ان کی زبان سے الفاظ نہیں آگ نکل رہی تھی۔ میں بڑے تحمل سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ اس گفتگو کا قدرے مہذب اور قابل بیان مفہوم کچھ اس طرح تھا۔

"لعنت ہے اس قوم پر...... آپ دیکھئے کہ اس ملک میں فوج کا سربراہ دو تہائی اکثریت رکھنے والے وزیر اعظم کو ہٹا کر اقتدار پر قبضہ کرتا ہے اور علانیہ ٹی وی پر کہتا ہے کہ میں نے کوئی (coup) نہیں کیا بلکہ یہ 'کاؤنٹر کو' تھا۔ مطلب یہ کہ وزیر اعظم جو ملک کا انتظامی سربراہ ہے اگر فوج کے چیف کو اس کے منصب سے ہٹانے کی کوشش کرے تو اصل بغاوت یہ ہے۔ چنانچہ اس جرنل نے عوامی بغاوت کو کچل دیا اور پھر آٹھ برس تک اقتدار کے مزے لوٹتا رہا ہے اور قوم اسے برداشت کرتی رہی۔

اس ملک کا اپوزیشن لیڈر جو سیاست میں اسلام کے نام پر کھڑا ہے، علانیہ عہد کرتا ہے کہ وہ اور اس کی پارٹی اسمبلیوں سے استعفیٰ دے گی۔ اس کے بعد وہ اپنے عہد سے مکر جاتا ہے۔ مگر پھر بھی وہ اس قوم میں ایک لیڈر کی حیثیت سے موجود ہے، لعنت ہے اس قوم پر...... اور دیکھئے کہ ملک کی سب سے بڑی پارٹی کا چیئرمین مری میں ایک معاہدہ کرتا ہے اور قوم سے وعدہ کرتا ہے کہ تیس دن میں جج بحال ہو جائیں گے۔ پھر وہ علانیہ یہ کہتا ہے کہ معاہدہ مری کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ پھر بھی قوم ایسے وعدہ خلاف لیڈروں کو برداشت کرتی ہے۔ لعنت ہے اس قوم پر۔"

ان کی بات ختم ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ بزرگوار آپ کا غصہ بجا ہے لیکن یہ وقت لعنت کرنے کا نہیں ہدایت کی دعا کرنے کا ہے۔ قوم کو یہ بتانے کا ہے کہ حلف توڑنے والا اور عہد توڑنے والا کوئی شخص لیڈر بنائے جانے کے نہیں بلکہ حضور کے الفاظ میں بے دین اور منافق قرار دیے جانے کے قابل ہے۔ دیکھیے! قوم اولاد کی طرح ہوتی ہے۔ اولاد پر لعنت نہیں کی جاتی اس کی تربیت کی جاتی ہے۔

یہ آخری بات شاید ان کی سمجھ میں آ گئی۔ انھوں نے سر جھکا یا خدا سے مخاطب ہو گئے۔ میں جو ان کی گفتگو سنتے ہوئے دعا کر رہا تھا، ان کے جانے کے بعد اپنے قارئین سے مخاطب ہو گیا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مصر اور اسپین

مصر کا شمار دنیا کی قدیم ترین تہذیبوں میں ہوتا ہے۔ یہاں ہزاروں برس سے قبطی قوم آباد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت مسیحی مذہب کی پیرو تھی۔ عربوں نے اس خطے کو حضرت عمرؓ کے دور میں فتح کیا۔ جس کے بعد یہ قوم جو صرف مذہب میں نہیں بلکہ تہذیب، ثقافت، زبان اور رسم و رواج ہر اعتبار سے عربوں سے مختلف تھی، عرب کلچر کا ایک حصہ بن گئی۔ مذہب سے لے کر زبان تک عربوں کے کلچر میں اس طرح ڈھلی کہ اب جغرافیائی طور پر بھی مصر کو مڈل ایسٹ میں شمار کیا جاتا ہے حالانکہ اصلاً یہ براعظم ایشیا کا نہیں بلکہ افریقہ کا ایک ملک ہے۔

خلفائے راشدین کے بعد جو پہلا بڑا ملک مسلمانوں کی سلطنت میں شامل ہوا وہ اسپین تھا۔ عربوں نے اسپین کو 92ھ (711ء) میں فتح کیا۔ یہاں مسلمانوں کا اقتدار 896ھ (1492ء) تک قائم رہا۔ مسلمانوں نے اسپین میں اپنے آٹھ سو سالہ دورِ اقتدار میں بڑے بڑے کارنامے سر انجام دیے۔ فلسفے اور سائنس کی عظیم دریافتیں اور تعمیر و ترقی کے ان گنت نمونے اسپین میں عربوں ہی سے منسوب ہیں۔ وہ کئی اعتبار سے دنیا بھر کے مسلمانوں سے آگے تھے۔ مگر مصر کے برعکس جہاں آج تک عربوں کی چھاپ لگی ہوئی ہے، اسپین کے عرب حرفِ غلط کی طرح اس سرزمین سے مٹا دیے گئے۔

سوال یہ ہے کہ مصر کے مقابلے میں اسپین کے عربوں کا انجام کیوں مختلف ہوا۔ اس کا واضح جواب یہ ہے کہ مصر صحابہ کرامؓ نے فتح کیا تھا۔ وہ عرب بعد میں تھے، اسلام کے داعی پہلے تھے۔ ان کی دلچسپی اپنے اقتدار سے زیادہ بندوں کو خدا کی غلامی میں لانے سے تھی۔ انہوں نے مفتوح قوم پر اپنا اقتدار قائم کرنے کے بجائے اسلام کا اقتدار قائم کیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسلام مفتوح قوم کے لیے حکمرانوں کا دین نہیں رہا بلکہ ان کا اپنا دین بن گیا۔ یہ تبدیلی اس مقام تک پہنچی کہ ہزاروں برس سے قائم قبطی تہذیب آج ماضی کی تاریخ کا ایک واقعہ ہے اور دنیا مصریوں کو عالم عرب کے ایک اہم حصے کے طور پر پہچانتی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اس کے برعکس اسپین میں عربوں کے اقتدار کا تمام تر انحصار ان کی سیاسی قوت پر تھا۔ اسپین میں مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ تاریخ اس پر گواہ ہے کہ وہ اس عرصے میں اندرونی بغاوتیں کچلتے رہے یا پھر یورپ کی مسیحی قوتوں کا مقابلہ کرتے رہے۔ اپنے دورِ عروج میں وہ اپنی طاقت کی بنیاد پر مخالفین پر غالب رہے۔ انہوں نے علم وفن اور تعمیر وترقی میں عظیم کارنامے سرانجام دیے۔ وہ مذہب سے بھی غافل نہ تھے اور علمی اور عملی طور پر دین سے وابستہ رہے۔ اسلامی تاریخ کے کئی نامور اہل علم کا تعلق اسپین سے تھا۔ مگر دین سے ان کی یہ وابستگی زیادہ تر دین کو سمجھنے، اس کے تحفظ اور اس پر عمل تک رہی۔ مگر انہوں نے کبھی اسلام کی دعوتی طاقت سے اہل یورپ کو مسخر کرنے کی کوشش نہ کی۔ انہوں نے ہمیشہ اہل یورپ کو ایک سیاسی حریف سمجھا، انہیں اسلام کا مدعو بنانے کی حقیقی کوشش کبھی نہ کی۔

اس بات کا اندازہ ابتدائی عربوں اور بعد کے عربوں کی غیر مسلم خواتین سے شادیوں کے نتائج سے کیا جاسکتا ہے۔ قرآن نے مسلمانوں کو اہل کتاب عورتوں سے شادی کرنے کی اجازت اس لیے دی تھی کہ محبت کا یہ تعلق انھیں اسلام کی طرف راغب کردے گا۔ چنانچہ ابتدائی عربوں نے اسی داعیانہ جذبے سے غیر مسلم خواتین سے شادیاں کیں اور انہیں اسلام کے حلقے میں لے آئے۔ مگر اسپین میں مسلمانوں نے مسیحی خواتین سے شادیاں انہی انسانی جذبات کی بنا پر کیں، جن کی بنا پر لوگ شادیاں کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ خواتین مسیحی ہی رہیں اور بارہا ان کے خیالات مسلمانوں میں فروغ پائے اور کئی دفعہ یہ مسلمانوں میں خانہ جنگی اور بغاوت کا سبب بن گئیں۔ چنانچہ جب تک مسلمانوں کی سیاسی قوت باقی رہی، ان کا اقتدار قائم رہا اور اس کے بعد وہ ماضی کی ایک داستان بن گئے۔

مصر اور اسپین کا یہ موازنہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کی اصل طاقت سیاسی نہیں بلکہ نظریے کی طاقت ہے جو اگر ان کے دور عروج میں ان کے لیے بڑی اہم تھی تو ان کے دورِ زوال میں یہ اہم تر ہے۔ آج فرض کے درجے میں مسلمانوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسلامی دعوت کو اقوام عالم تک پہنچائیں۔ یہ ان کی ذمہ داری ہی نہیں ان کے زوال کے خاتمے کا سب سے موثر طریقہ بھی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

مغرب اور ہم

دورِ جدید مغربی تہذیب کا دور ہے۔ پچھلی پانچ صدیوں میں مغرب نے علم وفن، ثقافت وتمدن، قانون وسیاست، معیشت ومعاشرت اور سائنس وٹیکنالوجی میں وہ ترقی کی ہے جس نے انھیں دنیا کی غالب قوت اور ان کی تہذیب کو دنیا کی برتر تہذیب بنادیا ہے۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں دنیا پر ان کی سیاسی فتوحات نے اور بیسویں اور اکیسویں صدی میں میڈیا کی عالمی رسائی کی بنا پر اہل مغرب دنیا کے امام بن چکے ہیں۔

انسانی تاریخ میں مغرب کی یہ امامت کوئی انفرادی واقعہ نہیں۔ اس سے قبل بھی اقوام عالم اسی طرح ایک دوسرے پر غالب آتی رہی ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مغرب سے قبل یہ حیثیت مسلمانوں کو حاصل تھی۔ تاہم بد قسمتی سے مسلمانوں کی یہی حیثیت موجودہ دور میں ان کے لیے بعض مسائل کا سبب بن گئی ہے۔ اس وقت صورتحال یہ ہے کہ ایک طرف وہ مغرب سے تصادم کی حالت میں ہیں اور دوسری طرف ان کی نئی نسلیں مغربی تہذیب وفکر کی اسیر ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ مغربی فکر وتہذیب کا تجزیہ کر کے یہ بتایا جائے کہ اس میں کیا چیزیں ایسی ہیں جنھیں ہمیں اپنی میراث سمجھ کر قبول کرنا چاہیے اور کیا ایسی ہیں جن پر ہمیں کسی صورت سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔

مغربی تہذیب کی سب سے نمایاں خصوصیت علم کے میدان میں اس کی کامیابیاں ہیں۔ آج مغرب کی کل طاقت، علم وتحقیق کی اس روایت میں پوشیدہ ہے جو کبھی مسلمانوں کا سرمایہ تھی۔ علم کی یہ روایت کسی قوم یا ملت کا اثاثہ نہیں ہوتی بلکہ انسانیت کے عالمی سفر کا ایک حصہ ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس روایت میں خود کو شامل کریں۔ جدید سائنسی ترقی کو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت سمجھیں اور علم کے ارتقا میں اپنا حصہ ڈالنے کو اپنا ملی فریضہ خیال کریں۔

مغرب کی دوسری نمایاں خصوصیت اجتماعی سطح پر اداروں کا قیام ہے۔ معیشت وسیاست،

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قانون و معاشرت، تعلیم و تربیت غرض زندگی کے ہر شعبہ میں مغرب نے اداروں کے ذریعے سے زندگی کے نظام کو محکم کر دیا ہے۔ صرف ریاست ہی کو لے لیجیے تو مقننہ، عدلیہ اور انتظامیہ کو اوپر سے نیچے تک جس طرح منظّم کر دیا گیا ہے وہ یقیناً انسانیت کے لیے ایک سرمایہ ہے۔ اس سرمائے کو ہم معمولی سی ترمیم و اضافے کے بعد بآسانی اپنی تہذیبی روایات میں ڈھال کر اپنا سکتے ہیں، بلکہ سچی بات یہ ہے کہ بڑی حد تک اپنا چکے ہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ یہاں ہماری سوچ غلامانہ نہ ہو بلکہ مجتہدانہ انداز میں ترک و اختیار کا اپنا حق پورے اعتماد کے ساتھ استعمال کر کے چیزوں کو اپنایا جائے۔

مغربی تہذیب کی تیسری اساس آزادی کی بنیادی قدر (Value) ہے۔ دورِ جدید میں اس قدر نے مرد و عورت کے تعلق کو نکاح کے بندھن اور عفت کی قید سے آزاد کر دیا ہے۔ اولاد کو والدین اور بیوی کو شوہر کی تابعداری سے آزاد کر دیا ہے۔ نوجوانوں کو اساتذہ، خاندان اور پڑوس کے بزرگوں کی نگرانی اور تنبیہ و توجہ سے آزاد کر دیا ہے۔

یہی وہ میدان ہے جہاں مغرب سے ہمارا اصل مقابلہ ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہماری تہذیب آزادی کے بالکل برعکس اصول یعنی عبودیت پر قائم ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہمارے ہاں آزادی کی کوئی حیثیت نہیں۔ ہم انسان کے مقابلے پر انسان کی آزادی کے قائل ہیں۔ لیکن انسان کو خدا کا بندہ سمجھتے ہیں اور اس کی مقرر کردہ حدود میں ہم بخوشی اپنی آزادی کھو دینے کے لیے تیار ہیں۔ دینی تعلیم کا گہرا مطالعہ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ تین مقامات ہیں جہاں ہماری عبودیت یہ تقاضہ کرتی ہے کہ ہم اپنی آزادی پر کچھ قدغن لگائیں۔

پہلے مقام کو ہم قرآن پاک کی اصطلاح میں 'حفظ فروج' کہہ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرد و عورت کے تعلق میں ہم خود کو آزاد و بے لگام نہیں سمجھیں گے۔ ہمیں اپنی خواہشات نفس

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہر حال میں نکاح کے تعلق تک محدود رکھنی ہیں۔ زنا ہمارے ہاں گناہ سے بڑھ کر ایک جرم ہے۔ عفت وعصمت بہر حال ہمارے ہاں ایک لازمی تقاضا ہے۔ اس پر ہم سمجھوتہ نہیں کر سکتے۔

دوسرا مقام 'حفظ مراتب' ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان ہر حیثیت میں برابر ہیں، لیکن جب وہ کسی رشتے میں جڑتے ہیں تو ان کی حیثیت و مرتبے میں ایک نوعیت کا فرق آجاتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں سمجھیں کہ مرد و عورت بحیثیت انسان برابر ہیں۔ لیکن میاں بیوی کے رشتے میں شوہر کو اور ماں بیٹے کے رشتے میں ماں کو ایک درجہ کی برتری حاصل ہوجاتی ہے۔ جس کے نتیجے میں ان کا ادب، لحاظ اور اطاعت کی وہ تہذیبی اقدار جنم لیتی ہیں جنھیں ہم آزادی کے سیلاب کی نذر نہیں کر سکتے۔ تیسرا مقام 'امر بالمعروف اور نہی عن المنکر' ہے۔ یعنی ہم اپنے معاشرے کے خیر وشر سے بے نیاز نہیں رہ سکتے۔ آزادی کے نام پر ہم معاشرے میں عریاں فلموں، فحاشی کے اڈوں اور جوئے کے اڈوں کا وجود اجتماعی سطح پر گوارا نہیں کر سکتے۔

یہاں ایک اور بات کی وضاحت بھی ضروری ہے۔ وہ یہ کہ مغرب ہمارے لیے اسلام کا مدعو ہے۔ ہمیں دین کی دعوت پہنچانی ہے۔ یہ دعوت جنگ وجدال کی موجودگی میں نہیں ہوسکتی۔ نیز یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہم اخلاقی اور علمی سطح پر اتنے پست ہیں کہ فی الوقت مغرب کو جنگ کے میدان میں شکست نہیں دے سکتے۔ ان دونوں وجوہات کی بنا پر یہ لازم ہے کہ ہم مغرب سے ٹکراؤ کا رویہ ترک کریں۔ اپنی اخلاقی اور علمی حالت کو بہتر کریں۔ مغرب کو دین کی دعوت پہنچانے، توحید کی منادی کرنے اور آخرت میں رب کے حضور پیشی سے خبردار کرنے کو اپنا مشن بنائیں۔ یہی ہمارے لیے راہ عمل ہے۔ یہی ہمارے لیے راہ نجات ہے۔



کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نافرمانی کی دو بنیادیں

قرآن میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے قصہ آدم وابلیس کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔اس قصے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ دو چیزیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی بنیاد ہیں۔ایک عریانی وفحاشی اور دوسرے اپنی بڑائی کے زعم میں مبتلا ہوکر سرکش ہوجانا۔تاریخ اس پر گواہ ہے کہ انسانیت انھی دو بنیادوں پر بارہا صراط مستقیم سے بھٹکی ہے۔ یہاں تک کہ مذہبی لوگ بھی ان برائیوں میں پوری طرح مبتلا ہوئے۔مگر مذہبی لوگ اپنے آپ کو حرف زنی سے بچانے کے لیے ان اعمال کا ارتکاب ہمیشہ دین کے نام ہی پر کرتے ہیں۔

پہلی چیز کی مثال ہمیں سورہ اعراف میں ملتی ہے جہاں قصہ آدم وابلیس بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ قریش کو ان کی ایک صریح بے حیائی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کا دستور تھا کہ وہ برہنہ ہوکر حرم کعبہ کا طواف کرتے۔اس مکروہ عمل کے جواز کے لیے قریش نے ایک مذہبی عذر تراشا تھا۔ان کے نزدیک باہر سے آنے والے لوگوں کے کپڑے زینتِ دنیا میں شامل ہیں جس کی حج جیسی درویشانہ عبادت میں کوئی گنجائش نہ تھی۔اس لیے ضروری تھا کہ یا تو وہ قریش میں اپنے کسی جاننے والے سے اُس کے کپڑے مستعار لیں یا برہنہ ہوکر حرم کا طواف کریں۔اس طرح خود قریش اور ان کے دوست احباب تو اس مکروہ عمل سے بچے رہتے،مگر دیگر لوگ،مرد ہوں یا عورت،برہنہ ہوکر حرم کا طواف کرتے اور قریش کے عیاش طبع لوگوں کے لیے ایک سامان لذت فراہم کرتے۔

قریش نے اس مکروہ عمل کو ایک مذہبی عمل اور بزرگوں کے دستور کے طور پر رائج کر رکھا تھا۔وہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے تھے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس پر انتہائی ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور واضح کیا کہ وہ کبھی کسی فحش چیز کا حکم نہیں دیتے۔قریش کی طرح تاریخ دیگر مذاہب کے نفس پرور لوگوں کی ایسی ہی کہانیوں سے بھری پڑی ہے۔مندروں اور کلیساؤں میں پروہت اور پادری جو کچھ کرتے رہے اور جس طرح اپنی بدکرداری کو مذہبی تقدس دیتے رہے ہیں،اس سے تاریخ کے صفحات سیاہ ہیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

فحاشی کے علاوہ، جیسا کہ قصہ آدم وابلیس کے حوالے سے ہم نے بیان کیا، انانیت اور اپنی بڑائی کا ذہن وہ چیز ہے جو انسانوں کو اللہ کی راہ سے ہٹاتی ہے۔ عام لوگوں کی طرح مذہبی لوگ بھی اپنے دورِ زوال میں انانیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ مگر عام لوگوں کے برخلاف ایک دفعہ پھر وہ اپنی انانیت اور تکبر کا جواز بھی مذہب کے نام پر پیش کرتے ہیں۔ قرآن پاک نے اس کی تصویر جگہ جگہ یہودیوں کی اُس سیرت و کردار کی شکل میں پیش کی ہے جنھیں معلوم تھا کہ حضور اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ہیں، مگر وہ اس حقیقت کو مان کر نہیں دیتے تھے۔ یہودیت پر مبنی یہ رویہ آج کے دن تک عام ہے۔

چنانچہ آج جس مذہبی گروہ کو دیکھ لیجیے وہ اپنی بڑائی اور حق پرستی کے زعم میں گم ہوتا ہے۔ اسی پر بس نہیں وہ ہر دوسری رائے رکھنے والے کو کافر، مشرک، بدعتی، گمراہ اور مغرب کا ایجنٹ قرار دیتا ہے۔ وہ بدگمانی کرتا ہے، برے نام رکھتا ہے، مخالفت میں جھوٹ، دروغ گوئی، بہتان، غیبت، سب وشتم غرض اخلاقی دنیا کے ہر ضابطے کو پامال کرتا ہے اور ساتھ میں یہ دعویٰ بھی کرتا ہے کہ ہم دین کے خادم اور اس کا دفاع کرنے والے ہیں۔

ایسے لوگ اپنے پیروکاروں اور اپنے ضمیر کو یہی کہہ کر مطمئن کرتے ہیں کہ سامنے والا فرقہ اور فکر بہرحال غلط ہے۔ اس لیے نہ ان کو جان سے مارنا غلط ہے اور نہ ان کے خلاف بہتان وجھوٹ کے تیر برسانا کوئی جرم ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج مسلمانوں کے تمام فرقے ایک دوسرے کے نزدیک گمراہ، کافر اور واجب القتل ہیں۔

یہ رویہ نبیوں کی نہیں بلکہ شیطان کی میراث ہے جس نے اپنے تکبر کو خوبصورت الفاظ میں چھپانے کی کوشش کی تھی۔ مگر وہ عالم الغیب کے سامنے موجود تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فوراً اس پر لعنت کر دی۔ نزول قرآن کے وقت یہی رویہ یہودیوں کا تھا۔ ان پر بھی اللہ کی لعنت ہوگئی۔ آج مسلمانوں میں سے بھی جو لوگ اس رویے کو اختیار کریں گے، ان کا انجام بھی خدا کی لعنت کے سوا اور کچھ نہیں۔ چاہے وہ خود کو کتنا ہی بڑا خادم دین قرار دیں۔ چاہے اپنے پیروکاروں کی نظر میں وہ کتنے ہی بڑے عالم وفاضل کیوں نہ ہوں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

محرومی کی نعمت

انسانوں کی دنیا میں محرومی سے بڑی کوئی آفت نہیں اور خدا کی دنیا میں محرومی سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔ یہ بات پڑھنے والوں کو شائد ایک مذاق لگے، مگر بلاشبہ یہ سب سے بڑی حقیقت ہے۔

انسانی دنیا میں محرومی کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ اس لیے کہ محرومی کا مطلب دکھ، تکلیف، مایوسی، معذوری، بدحالی اور دوسروں سے پیچھے رہ جانا ہوتا ہے۔ تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ محرومی اس دنیا میں ناگزیر طور پر پائی جاتی ہے۔ ہر شخص زندگی کے کسی نہ کسی مرحلے پر محرومی سے گزرتا ہے۔ چھوٹی اور بڑی، عارضی اور مستقل، اپنی اور دوسروں کی محرومی۔ زندگی گویا کہ محرومی کی داستان سے عبارت ہے۔ لوگ مال سے، طاقت سے، صحت سے، تحفظ سے اور متعدد دیگر چیزوں سے محروم ہو سکتے ہیں۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان جتنی خواہشات کر سکتا ہے اتنی ہی محرومی کی قسمیں گنوائی جا سکتی ہیں۔

یہ محرومی انسانوں کو بدقسمتی لگتی ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ انسان چاہے تو اس محرومی کو دنیا کی عظیم ترین طاقت میں تبدیل کر لے۔ دراصل اس دنیا میں انسان کو سب کچھ رب کی عطا ہی سے ملتا ہے۔ ایسے میں کوئی بندہ اگر ابر کرم کی اس برسات میں محروم رہ جائے تو اس پر ایک عظیم ترین دروازہ کھل جاتا ہے۔ یہ دروازہ خدا تک براہِ راست رسائی کا دروازہ ہے۔ یہ پروردگار کے قرب کا دروازہ ہے۔ یہ دروازہ بڑی سے بڑی عبادت، انفاق حتیٰ کہ شہادت کے بعد بھی کھلوانا آسان نہیں۔ اس لیے کہ ہر عمل کو احتساب کے خدائی آپریشن سے گزرنا ہوگا جس میں نیت، خلوص اور محرکات کو پرکھا جائے گا۔

لیکن محروم آدمی صرف اپنی محرومی کی وجہ سے اس آپریشن سے نہیں گزارا جائے گا۔ اس کی محرومی اور اس کا صبر ہر قربانی کا نعم البدل بن جائے گا۔ اس کے گناہوں کے لیے مغفرت کا پروانہ ہوگا اور نعمتیں دیتے وقت رحمت کے لامحدود پیمانے سے اسے دیا جائے گا۔

محرومی خدا کی قربت کا راز ہے۔ وہ خدا جس کے ہاتھ میں آسمان اور زمین کے خزانے اور ان کی بادشاہی ہے۔ جس شخص نے اس راز کو جان لیا اس کی محرومی اس کی عظیم ترین راحت بن جائے گی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

تالے کی چابی

"جانتے ہو اس دنیا میں سب سے زیادہ طاقتور چیز کیا ہے؟" یہ سوال پوچھ کر میں نے لمحے بھر کا توقف کیا اور غور سے اس نوجوان کے چہرے کو دیکھا جو اپنے مسائل اور پریشانیوں کی داستان سنا کر خاموش ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں اور چہرے کو بدستور پژمردہ دیکھ کر میں دوبارہ گویا ہوا۔ "امید اس دنیا کی سب سے طاقتور چیز ہے اور حوصلہ انسان کا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ یہ اگر تمھارے پاس ہے تو تم ہر کھوئی ہوئی چیز پا سکتے ہو۔"

اس نوجوان کی آنکھوں میں اب سوال پیدا ہو رہا تھا۔ وہ کچھ بولنے ہی والا تھا کہ میں نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا اور کہا۔ "مجھے معلوم ہے تم کیا کہو گے؟ تم اپنے حالات کا دکھڑا روؤ گے۔ اپنے مسائل کی داستان سناؤ گے اور پھر پوچھو گے کہ ان حالات میں کیا کیا جا سکتا ہے۔" میرا یہ قیاس بلا وجہ نہیں تھا۔ کیونکہ پچھلے آدھے گھنٹے سے میری ہر بات کے جواب میں وہ اسی طرح کی باتیں کر رہا تھا۔ اس لیے میرے نزدیک اب hammering کرنی ضروری تھی۔

"سنو اور غور سے سنو! یہ ہماری نہیں خدا کی دنیا ہے۔ اس دنیا میں ستاروں کی وسعت سے لے کر خوردبینی خلیہ تک ہر لمحہ کھربوں زندگیاں جنم لیتی ہیں۔ وہ مردہ سے زندہ ہو جاتی ہیں۔ خدا یہ سب کچھ اپنی تخلیقی صفت کو استعمال کر کے کرتا ہے۔ اس نے تمھیں، مجھے ہر انسان کو یہ شرف بخشا ہے کہ اپنی تخلیقی صفت میں سے ایک حصہ ہم کو دیا ہے۔ اس صفت کو استعمال کر کے ہم زندگی کے ہر اندھیرے کو روشنی، شر کو خیر اور مشکل کو آسانی میں بدل سکتے ہیں۔ صرف سوچنے کا انداز تعمیری ہونا چاہیے۔ یہ تعمیری انداز امید اور حوصلہ سے جنم لیتا ہے۔ اس کے بعد انسان بڑا ہو جاتا ہے اور مسئلہ چھوٹا ہو جاتا ہے۔ انسان ذہن کی ناقابل شکست تخلیقی صلاحیت کو استعمال کر کے ہر مسئلے کا ایک حل تلاش کر لیتا ہے۔"

پہلی دفعہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ جاتے وقت وہ کہنے لگا۔ "آپ نے میرا کوئی بند تالا تو نہیں کھولا، لیکن مجھے سمجھا دیا کہ ہر بند تالے کی چابی امید کی دکان سے مل سکتی ہے۔ یہی بہت ہے۔"

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

برستی بارش کا پیغام

بارش کے قطرے آسمان کی بلندی سے زمین کی پستی پر مسلسل برس رہے تھے۔ میں نے سوچا کہ یہ قطرے زمین پر آسمان کا قرض ہیں۔ دیر نہ ہوگی کہ زمین یہ قرض ان درختوں کی شکل میں لوٹا دے گی جو زمین کی تہہ سے نکلتے ہیں اور آسمان کی طرف نگاہیں جمائے بلند ہوتے رہتے ہیں۔

پھر میری نگاہ اس 'قرض' پر پڑی جو پہلے ہی چکا دیا گیا تھا۔ ان خوشنما درختوں کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ بارش نباتات اگاتی ہے، مگر وہ ان کو بدل نہیں سکتی۔ پھل والے درخت پھل ہی دیں گے اور کانٹوں والے پودے کانٹے ہی اگائیں گے۔ اس لیے کہ بارش وہی اگاتی ہے، جو بیج میں ہوتا ہے۔ بیج ہی کانٹا ہے اور بیج ہی پھول۔

یہی حال ایمان واخلاق کی دعوت کا ہے۔ یہ بارش کی طرح انسان پر برستی ہے۔ کچھ وجود بنجر زمین کی طرح ہوتے ہیں۔ بارش سے پہلے بھی صحرا اور بارش کے بعد بھی بنجر۔ مگر بہت سے انسان اس برسات کا قرض اتار دیتے ہیں- اس دعوت کو قبول کر کے، پکار پر لبیک کہہ کر۔ مگر اس کے بعد بھی بعض شخصیتوں سے خرابی نہیں جاتی۔ ان کے وجود پر اخلاق کے پھل نہیں اگتے، بداخلاقی کے کانٹے نکلتے ہیں۔

ایسا کیوں ہوتا ہے، آج مجھے اس سوال کا جواب مل گیا۔ مسئلہ دعوت کی بارش کا نہیں۔ شعور کی زمین کا نہیں۔ مسئلہ شخصیت کے بیج کا ہے۔ بیج اگر پیدا ہی شخصی کمزوریوں اور کردار کی خامیوں کے ساتھ ہوا ہے تو شعوری طور پر قبول ایمان کے بعد بھی اس پر اخلاق کے پھل پھول پیدا نہیں ہوسکتے۔

جس شخص کی زندگی بدانتظامی کا نمونہ ہو وہ کسی جگہ وقت پر پہنچنے کا وعدہ کیسے نبھائے گا۔ جس کی زندگی بے اعتدال جذباتیت سے عبارت ہو وہ غصے پر کیسے قابو پائے گا۔ جس کا خمیر جلد بازی سے اٹھا ہو وہ صبر واستقامت کا مظاہرہ کیا کرے گا۔

اخلاق کو دعوت بنانا کافی نہیں، اسے شخصیت بنانا ہوگا۔ علم کی اصلاح کافی نہیں، کردار کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ برستی بارش اپنی رم جھم میں مجھے یہ پیغام دے گئی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پھسلنے والے

غالباً فٹ پاتھ پر کوئی چکنی چیز یا کیلے کا چھلکا کسی غیر ذمہ دار شخص نے پھینک رکھا تھا۔ اس لیے جیسے ہی نوجوان نے اس پر قدم رکھا، وہ لڑکھڑا گیا اور پھسل کر گر گیا۔ لمحہ بھر کے لیے وہ حواس باختہ ہوا اور پھر کپڑے جھاڑتا، جسم سہلاتا کھڑا ہو گیا۔ اس منظر کو دیکھ کر کچھ لوگ نوجوان کو سہارا دینے کے لیے آگے بڑھے، کچھ نے تاسف کا اظہار کیا اور کچھ ایسے بھی تھے جن کے چہروں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

یہ منظر آخری لمحے میں میں نے بھی دیکھا۔ لمحہ بھر کے لیے میرے دل میں ہمدردی کی ایک لہر اٹھی مگر نوجوان کو اٹھتا دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ لیکن اس کے بعد بے اختیار میرے منہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا نکلی جس کے ایک حصے کا مفہوم اس طرح ہے۔

"اے اللہ میں تیری پناہ چاہتا ہوں...... میں پھسل جاؤں یا کسی اور کے پھسلنے کا باعث بنوں......"

اس دعا میں جس پھسلنے کا ذکر ہے وہ یقیناً اس نوجوان کا پھسلنا نہیں تھا۔ یہ تو میرا ایک فوری ردعمل تھا۔ لیکن جس پھسلنے کا اس دعا میں ذکر ہے وہ کچھ زیادہ مختلف نہیں ہوتا۔ یہ پھسلنا صراط مستقیم سے پھسلنا ہوتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب انسان شارع زندگی پر سیدھا جا رہا ہو اور اچانک اس کے سامنے اس کا مفاد آ جائے، اس کی خواہش آ جائے، اس کے جذبات آ جائیں، اس کے تعصّبات آ جائیں۔ انسان لین دین کا معاملہ کر رہا ہو۔ حقوق و فرائض کا تعین کر رہا ہو۔ انسان بات کر رہا ہو، انسان بازار سے گزر رہا ہو، انسان کمرے میں بیٹھا ٹی وی دیکھ رہا ہو۔

ان تمام مواقع پر کوئی باطل عمل، کوئی حق تلفی، کوئی فحش منظر، ظلم و ناانصافی کا کوئی موقع، مفاد اور خواہش کا کوئی لمحہ، حرص و لالچ کا کوئی امکان کیلے کے ایک چھلکے کی طرح، چکنائی اور پھسلن کی طرح، کیچڑ اور پانی کی طرح، اس کے راستے میں آتی ہے اور انسان کے قدم لڑکھڑا جاتے ہیں۔ وہ ڈگمگاتا ہے اور گر پڑتا ہے۔ مگر یہ وہ مقام ہے جہاں اصل فرق شروع ہوتا ہے۔ کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو گرنے کے بعد فوراً اٹھ جائیں، لڑکھڑانے کے بعد فوراً سنبھل جائیں، پھسلنے کے بعد فوراً کھڑے ہو جائیں۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

انسانوں کی اکثریت اس پھسلنے کو انجوائے کرتی ہے۔ان کا پاؤں جب کیلے کے کسی 'چھلکے' پر پڑتا ہے تو بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ان کا ضمیر، ان کا ایمان، ان کی فطرت اور ان کی عقل سلیم انھیں بتادیتی ہے کہ ہوشیار ہو جاؤ، مگر وہ اس آواز کو نظرانداز کر کے خوشی خوشی پھسلنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے وجود کو کوئی چوٹ نہیں لگتی بلکہ مزہ آتا ہے۔ نفس کو خوشی ہوتی ہے۔ اندر کے حیوان کو تسکین ملتی ہے۔ زخمی اگر ہوتا ہے تو ایمان ہوتا ہے۔ اخلاقی وجود ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اس چوٹ کا جتنا کچھ درد ہے اور بلاشبہ بہت شدید درد ہے، وہ قیامت کے دن ظاہر ہوگا اور جب ہوگا تو انسان سر پکڑ کر روئے گا کہ یہ کیا ہو گیا۔ مگر اس دن نہ کوئی سہارا دینے والا ہوگا نہ کوئی تاسف کرنے والا۔

چنانچہ سطح بین اور جلد باز انسان پھسلنے کو اپنی عادت بنا لیتے ہیں۔ وہ بار بار کیچڑ کے پاس سے گزرتے ہیں تاکہ پھسلنے کا کوئی موقع مل جائے۔ وہ ٹی وی کے چینل بدلتے ہیں، گرلز کالج اور بازاروں کے چکر کاٹتے ہیں، دفتروں میں کسی ضرورت مند سے رشوت کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، دکانوں میں بیٹھ کر اپنی چرب زبانی سے فریب کے جال بنتے ہیں اور ایک وقت آتا ہے کہ وہ پھسلنے والے نہیں رہتے، گرنے والے نہیں رہتے بلکہ ہمیشہ کے لیے گر جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کی راہ میں چھلکے ڈالنے والے انہیں پھسلنے پر آمادہ کرنے والے، انہیں بھٹکانے والے بن جاتے ہیں۔ یہ سرکشی ہے۔ یہ وہ جرم ہے جس کی معافی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جہنم کی آگ اصل میں ایسے ہی لوگوں کے لیے بھڑکائی جا رہی ہے۔ مگر جو شخص پہلی دفعہ پھلنے کے بعد اٹھ جاتا ہے وہ گرنے والوں میں نہیں ہے کیونکہ اس راہ میں

وہ بھی نہیں گرا جو گرا پھر سنبھل گیا

اٹھنے کا یہ رویہ، سنبھلنے کی یہ عادت، لوٹ آنے کا یہ راستہ، توبہ کا یہ طریقہ جنتیوں کا طریقہ ہوتا ہے۔ یہ ان کا طریقہ ہوتا ہے جنھوں نے اپنی خواہش، لذت، مفاد اور ضرورت کی مکمل تسکین کے لیے قیامت کے دن تک انتظار کرنے کا فیصلہ کر لیا ہوتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھیں ختم نہ ہونے والی دنیا اور ہمیشہ کے مزوں میں آباد کر دیا جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

نماز اور خدا کی یاد

نماز اسلام کا سب سے زیادہ مطلوب اور بنیادی فریضہ ہے۔ اسی لیے اس کی طرف اکثر توجہ دلائی جاتی ہے۔ چنانچہ ہر وہ شخص جو دین کی طرف راغب ہوتا ہے نماز کی پابندی سے اپنی دین داری کا آغاز کرتا ہے۔ اس طرح معاشرے میں نمازیوں کی تعداد دن بدن بڑھ رہی ہے، مسجدیں آباد ہو رہی ہیں، اذان و اقامت کی آوازوں سے فضا معمور ہے۔ مگر اس کے باوجود فرد اور معاشرے میں جو تبدیلی آنی چاہیئے، وہ نہیں آرہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں نماز کی جتنی کچھ اہمیت اور پابندی ہے وہ اس کے ظاہر کے لحاظ سے ہے۔ ہمارے ہاں نمازی وہ ہے جس کے روزمرہ کے معمولات میں نماز ادا کرنے اور مسجد جانے کی مصروفیت بھی شامل ہے۔ بلا شبہ یہ عین مطلوب ہے۔ لیکن درحقیقت یہ نماز کا نقطہ آغاز ہے۔ اس فریضے کی صحیح تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب نماز قرآن کے الفاظ میں ''خدا کی یاد'' (طٰہٰ 20 :14) کا ذریعہ بن جائے۔ نماز ادا کرنے کا عمل انسان پر اس طرح اثر انداز ہو کہ خدا کی ہستی اس کے خیالات پر چھا جائے اور انسان خدا سے رابطے میں آجائے۔ مگر دورانِ نماز اکثر ہمارے ذہن میں دوسرے خیالات کا غلبہ رہتا ہے۔ چنانچہ ہماری نماز ہمارے اندر مطلوبہ اوصاف پیدا نہیں کر پاتی۔ ہم نماز پڑھتے ہیں پھر بھی جھوٹ بولتے ہیں۔ جھوٹی قسم کھا کر مال بیچتے ہیں۔ خدا کے بندوں کے حقوق پامال کرتے ہیں۔ انسانوں کی تحقیر کرتے ہیں۔ غرض وہ سب کچھ جو ایک غیر نمازی کر سکتا ہے ہمارے معاشرے کا نمازی بھی کرتا ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ نماز کے داخلی پہلو یعنی ''خدا کی یاد'' کو پوری طرح سے اجاگر کیا جائے تاکہ لوگوں میں اس کی اہمیت کا احساس اور حصول کی خواہش پیدا ہو۔

خدا کی یاد کے حوالے سے نماز میں دو چیزیں نمایاں نظر آتی ہیں۔ اول خدا کی بڑائی، دوسرے خدا کی پاکی کا بیان. اللہ اکبر اور سبحان اللہ، نماز میں سب سے زیادہ دہرائے جانے والے الفاظ ہی نہیں ہیں۔ بلکہ دو ایسی بنیادی حقیقتوں کا بیان ہے۔ جن کا صحیح ادراک انسانی نفسیات اور نتیجتاً اس کے عمل کو یکسر بدل دیتا ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پہلے اللہ اکبر کو لیجئے۔ یہ کلمہ انسان کو بار بار یاد دلاتا ہے کہ اس کا رب ایک بڑی ہستی ہے۔ اس سے بڑی ہستی ہے۔ سب سے بڑی ہستی ہے۔ انسان جو فطری طور پر کسی بڑے کی پکڑ سے ڈرتا ہے، جب خدا کا یہ تعارف بار بار حاصل کرتا ہے تو پہلے دوران نماز، ذہن کی دنیا میں، وہ خدا کے سامنے چھوٹا ہو جاتا ہے اور پھر نماز سے باہر عمل کی دنیا میں بھی اس کے سامنے سر جھکائے رکھتا ہے۔ جب کوئی ایسا لمحہ اس کے سامنے آتا ہے جس میں وہ طاقت ور ہوتا ہے کہ ظلم کرے، آزاد ہوتا ہے کہ نافرمانی کرے، بااختیار ہوتا ہے کہ کسی کا حق مارے تو وہی نماز والا بڑا خدا اسے یاد آ جاتا ہے۔ پھر وہ طاقتور، آزاد اور بااختیار انسان چھوٹا ہو جاتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ وہ اس بڑے خدا سے بچ کر کہیں نہیں جاسکتا۔ پھر مجمع تو درکنار، تنہائی میں بھی گناہ نہیں ہوتا۔ ظاہر میں تو کجا، باطن کی گہرائیوں میں بھی معصیت کا گذر نہیں ہوتا۔ وہ خدا کے حقوق پامال کرتا ہے نہ بندوں کے۔ وہ دین کی حدیں توڑتا ہے نہ فطرت کی۔ نماز کے ہر رکن کے ساتھ اللہ اکبر کی یاد دہانی انسان کو پابند کر دیتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر معاملے میں اللہ کی بڑائی کو مانے اور اس کے تقاضے کو پورا کرے۔

تکبیر کے ساتھ نماز کی دوسری یاد دہانی تسبیح سے ہے۔ تسبیح کیا ہے؟ اس بات کا اعتراف ہے کہ خدا بے عیب ہے۔ ہر کمی، ہر غلطی سے پاک ہے۔ ہر تشبیہ، ہر تمثیل سے منزہ ہے۔ وہ ایسا ہی ہے جیسا کہ اس کی اعلیٰ اور عظیم ہستی کو ہونا چاہیئے۔ انسان نماز کا آغاز اس حقیقت کے اقرار سے کرتا ہے۔ رکوع میں اس بات کو مان کر جھک جاتا ہے اور سجدے میں اس حقیقت کے اعتراف میں اپنا ماتھا زمین پر رکھ دیتا ہے۔

خدا کے سبحان ہونے کو جاننا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس حقیقت کو جانے بغیر ایک طرف انسان خدا سے وہ کچھ منسوب کرتا ہے جو اسے شرک والحاد تک پہنچا دیتا ہے، تو دوسری طرف بندے اور رب کے درمیان جو اعتماد و محبت کا تعلق ہونا چاہیے اور جو درحقیقت روح کی غذا ہے، وہ کبھی پیدا نہیں ہوسکتا۔

انسان ایک ظاہر پرست مخلوق ہے۔ وہ خالق جو مجسم نہیں اس سے کہیں زیادہ، اپنے جذبۂ عبودیت کی تسکین کے لیے اسے وہ مخلوق پسند آتی ہے جسے وہ دیکھ سکے، چھو سکے اور جو اس کے احاطۂ خیال میں

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

آ سکے۔ چنانچہ انسان مخلوق کا ایک پیکر لیتا ہے اس میں خدا کی صفات ڈالتا ہے۔ پھر کبھی خدا سے اس کا نسب ملاتا ہے، کبھی اسے خدا کا مقرب ٹھیراتا ہے۔ پھر نمازی نماز پڑھتا ہے، رب کی تسبیح کرتا ہے مگر اس کے ساتھ غیر اللہ کو بھی پکارتا ہے، اس کے لیے روتا ہے، اس کے حضور میں نذریں پیش کرتا ہے اور اس سے دعائیں مانگتا ہے۔ اس کے بعد غیرت مند خدا اپنے حصے کی عبادت بھی اپنے شریک کو دے دیتا ہے۔

اس حقیقت کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ انسان بے حد حساس واقع ہوا ہے۔ پھر وہ ایک ایسی دنیا کا باسی ہے، جہاں ظلم عام ہے۔ یہاں اکثر وہ ہوتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔ یہاں روز ایسے واقعات پیش آتے ہیں جو ایک حساس انسان کو تڑپا دیتے ہیں۔ وہ کمزوروں کو مظلوم، اچھوں کو دکھی اور بے قصوروں کو پریشان دیکھتا ہے۔ ایسے میں اگر خدائے سبحان اس کے ذہن میں پورے طور پر زندہ نہ ہو تو وہ ایسے "بے حس" خدا کا منکر ہو جاتا ہے۔ وہ اس خدا سے بے نیاز ہو جاتا ہے جو ظلم ہوتے ہوئے دیکھے مگر خاموش رہے۔ جس کا ہاتھ ظالم کو پکڑنے کے لیے تو نہیں اٹھتا مگر معصوموں پر زلزلے، سیلاب، موت، معذوری اور پریشانی بھیجنے کے لیے خوب حرکت میں آتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے نام لیواؤں کو بدترین حالات میں بھی تنہا چھوڑ دیتا ہے۔

یہ تسبیح کا عمل ہے جو ہمیں بتاتا ہے کہ خدا نہ بے بس ہے نہ بے حس، نہ وہ رعایا سے بے پرواہ بادشاہ ہے، نہ ثبوت و گواہی کے لیے محتاجِ قانون، وہ تو پاک ہے، عظیم ہے، اعلیٰ ہے...... اس دن کا منتظر جو بہت جلد آنے والا ہے۔ جس دن ہر سرکش اور ظالم کا ٹھکانہ جہنم اور ہر نیکوکار کا مقام جنت کی ابدی نعمتیں ہوں گی۔ چنانچہ تسبیح انسان کو شرک، الحاد، مایوسی اور بے عملی سے بچاتی اور مشکل ترین حالات میں بھی اس کو خدا کے آگے جھکائے رکھتی ہے۔

اس طرح نماز کے یہ داخلی پہلو یعنی تکبیر و تسبیح، متقی، باعمل، حوصلہ مند اور صاحبِ ایمان انسان کو جنم دیتے ہیں۔ وہ انسان جن کی آج کے دور میں سب سے زیادہ کمی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ایک دن کا روزہ

رمضان کا ہماری پوری زندگی سے کیا تعلق ہے، اس حقیقت کو ایک عارف نے کمال خوبصورتی سے اس طرح بیان کیا ہے: ہم اس دنیا میں ایک دن کے لیے آئے ہیں ......اور اس دن ہم نے روزہ رکھ لیا ہے۔

انسان اس دنیا میں جب آنکھ کھولتا ہے تو وہ خود کو نعمتوں کے سمندر میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ اسے بھوک میں کھانا، پیاس میں پانی، نیند کے لیے پرسکون رات، کام کے لیے روشن دن، جینے کے لیے رشتوں کا تعلق اور رہنے کے لیے کرہ ارض جیسا آرام دہ گھر ہی نہیں دیا گیا، بلکہ اس کی زبان کے لیے لذیذ ترین ذائقے، سماعت کے لیے نرم و شیریں آہنگ، بصارت کے لیے ان گنت رنگوں کی برسات اور قوت شامہ کو معطر کر کے روح تک اتر جانے والی خوشبوؤں کی مہک بھی عطا کی گئی ہیں۔

نعمتوں کی یہ حسین دنیا اسے بتاتی ہے کہ اس کا ایک خالق اور مالک ہے جس کی مہربانیوں کے اعتراف میں اسے سراپا شکر اور سراپا اطاعت بن جانا چاہیے۔ اسے رب کی نافرمانی کے ہر راستے سے رک جانا چاہیے۔ مگر اس کی خواہشات، ضروریات، انسانی کمزوریاں اور حیوانی جذبات اکثر اسے اطاعت کے سیدھے راستے سے ہٹا کر نافرمانی کی پگڈنڈیوں پر لے جاتے ہیں جن پر چلنے سے صرف جہنم کی منزل سامنے آتی ہے۔

ایسے میں رمضان کا روزہ اسے یاد دلاتا ہے کہ اسے کیسی اعلیٰ نعمتیں دی گئی ہیں اور ان کے جواب میں اسے نافرمانی کے ہر کام سے رک کر، عمر رواں کے بس ایک ہی دن کا تو روزہ رکھنا ہے۔ جس دن کے بعد حیاتِ جاوداں کا وہ دور آئے گا جب ہر پابندی اٹھالی جائے گی اور ہر سختی آسان کر دی جائے گی۔ یہی رمضان کی مشقت کا حاصل ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

زکوٰۃ اور نذر

ہمارے ہاں زکوٰۃ کو ایک بہت اہم عبادت کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ جو نماز نہیں بھی پڑھتے، زکوٰۃ بڑی پابندی سے دیتے ہیں۔ تاہم ہمارے ہاں لوگ زکوٰۃ کو غریبوں کی مدد کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ انہیں نہیں معلوم کہ زکوٰۃ اصل میں کیا ہے اور کیوں ادا کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں چونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے رمضان کا مہینہ مقرر کر لیا گیا ہے، اس لیے مناسب محسوس ہوتا ہے کہ اس موقع پر زکوٰۃ کی حقیقت سے متعلق لوگوں کی کچھ راہنمائی کر دی جائے۔

زکوٰۃ اپنی حقیقت کے اعتبار سے نذر ہے۔ نذر کا مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے مال کا ایک حصہ اپنے معبود کو راضی کرنے کے لیے بطور نذرانہ اس کے حضور پیش کر رہا ہے۔ قدیم زمانے میں جب شرک کا غلبہ تھا تو لوگ مندروں اور معبدوں میں جا کر اپنا مال مختلف شکلوں میں بتوں کی بھینٹ چڑھاتے تھے اور پھر یہ مال معبد کے خدام وہاں آنے والے زائرین کی ضروریات پر خرچ کرتے۔

اسلام نے اس صورتحال کو تبدیل کیا۔ خدا کے حضور نذر کو زکوٰۃ کی مستقل عبادت کی شکل دے کر اسے نظم اجتماعی، غریبوں کی مدد اور ضرورتمندوں کے لیے خاص کر دیا۔ تاہم اس کے پیچھے جو روح اور جذبہ ہے وہ اسی طرح باقی ہے۔ آج بھی جب کوئی شخص زکوٰۃ ادا کرتا ہے تو وہ کسی انسان کو کچھ نہیں دے رہا ہوتا، بلکہ اپنا سر اور دل جھکا کر، اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر، لہجے میں عاجزی اور پستی پیدا کر کے دراصل اللہ تعالیٰ کو پیش کرتا ہے۔

البتہ جو شخص سر اٹھا کر، احسان جتلا کر، دبنگ لہجے کے ساتھ انسانوں کو زکوٰۃ دینے کی کوشش کرتا ہے، اس کا مال تو خرچ ہو جاتا ہے، مگر پروردگار عالم کی بارگاہ سے ایسے شخص کو سند قبولیت نہیں ملتی۔ اس لیے کہ خدا کی بارگاہ میں کوئی گردن اس قابل نہیں کہ بلند ہو کر شرف قبولیت حاصل کر سکے۔ اس کے حضور صرف عاجزی اور پستی قبول ہوتی ہے۔

زکوٰۃ دینے اور انفاق کرنے والوں کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ انسانوں کو دے رہے ہیں تو بلاشبہ سر اٹھا کر دیں، لیکن مال اگر رب کی نذر کر رہے ہیں تو سر جھکا ہوا رکھیں۔ یہی درِ قبولیت کا راستہ ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

Shock Absorber

گاڑی اسپیڈ بریکر تک پہنچ گئی مگر اس کی رفتار کم نہ ہوئی۔ مجھے اور ہر دیکھنے والے کو یہ یقین تھا کہ گاڑی اسپیڈ بریکر سے گزرے گی اور اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو ایک زوردار جھٹکا لگے گا۔ گاڑی واقعی اسپیڈ بریکر پر تیزی سے گزری مگر اس طرح کہ اندر بیٹھے ہوئے لوگوں کو کسی جھٹکے کا احساس نہیں ہوا۔ یہ مرسڈیز گاڑی کے شاک ایبزوربر (Shock Absorber) کا کمال تھا۔

یہ مشاہدہ مجھے بہت عرصے قبل ہوا جب اسپیڈ بریکر کی وبا نئی نئی عام ہوئی تھی۔ اس سے پہلے میں اسپیڈ بریکر کے جھٹکے سے بچنے کے صرف ایک طریقے سے واقف تھا۔ وہ یہ کہ اپنی گاڑی کی رفتار آہستہ کردی جائے۔ مگر اس روز مجھے معلوم ہوا کہ یہ کام Shock Absorber بھی کر سکتے ہیں۔

زندگی میں پیش آنے والے مسائل اسپیڈ بریکر کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ انسان کے وجود کو ہلا کر رکھ دیتے ہیں۔ یہ شاہراہ زندگی پر انسان کی رفتار توڑ دیتے ہیں۔ ترقی اور کامیابی کی طرف اس کا سفر آہستہ کر دیتے ہیں۔ اس مسئلے کا بظاہر کوئی حل نظر نہیں آتا۔ اس لیے زندگی کی سڑک پر مسائل کے اسپیڈ بریکر ختم نہیں کیے جاسکتے۔ یہ خدا کے قانون کے خلاف ہے۔

لیکن اس روز مجھے معلوم ہوا کہ ان مسائل کو حل کرنے کا ایک دوسرا راستہ بھی ہے۔ وہ یہ کہ آدمی اپنی شخصیت میں مرسڈیز گاڑی جیسے Shock Absorber لگا دے۔ انسان اپنے اندر صبر اور برداشت جیسی صفات پیدا کرے۔ وہ مشکل حالات میں چھپے آسانی کے پہلوؤں کو تلاش کرے۔ وہ موجودہ مشکلات کے بعد قدرت کے قانون کے تحت لازماً آنے والی راحتوں پر نظر رکھے۔ وہ امید اور حوصلے کی شمع کو نہاں خانہ دل میں کبھی بجھنے نہ دے۔ یہی وہ Shock Absorber ہیں جو زندگی کی راہ میں آنے والی ہر مشکل اور ہر جھٹکے کے اثرات سے اسے محفوظ رکھنے کا سبب بنیں گے۔

خدا کی دنیا میں جو مسئلہ حل ہوسکتا ہے اسے اپنی حکمت اور تدبیر سے ختم کرنا چاہیے۔ جو حل نہیں ہوسکتا اسے Shock Absorber کے حوالے کر دینا چاہیے۔ یہ ہر مسئلے کی کنجی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قیامت کا قانون نجات

اس دنیا میں ہر انسان کی زندگی جس بنیادی اصول پر گزرتی ہے وہ ہر قسم کے شر، ضرر اور برائی سے بچنے کا اصول ہے۔ ان چیزوں سے محفوظ رہ کر غم والم، درد و تکلیف اور خوف وحزن سے عافیت پانا ہی انسان کی پہلی ترجیح ہوتا ہے۔ اس کے بعد ہی انسان کے لطیف احساسات انگڑائی لے کر بیدار ہوتے، اس کے دل میں خواہشات کی کلیاں چٹکتیں، شبستان وجود میں جذبات کے شعلے بھڑکتے، تصورات کے افق پر امید کے تارے چمکتے اور خواب وخیال کی وادیوں میں آرزوؤں کے محل تعمیر ہوتے ہیں۔ یہ بات اگر ٹھیک ہے تو پھر اس کے بعد دوسری حقیقت یہ ہے کہ اس دنیا میں انسان شر اور ضرر سے پانچ ذرائع کو اختیار کر کے بچ سکتا ہے۔

1) یہ کہ انسان اپنی ذاتی محنت، کوشش، صلاحیت اور اثر و رسوخ کو استعمال کر کے اپنی ضروریات کو پورا کرے، اپنے مسائل کو حل کرے اور زندگی سے تکلیف دہ چیزوں کو دور کرے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ہم اپنے عمل سے اپنی بھوک پیاس کو دور کرتے، اپنے ستر کو ڈھانپتے اور بیماری میں علاج کراتے ہیں۔

2) یہ کہ ایک انسان دوسرے انسان کی ذمہ داری لے لے۔ اس کی ضروریات کو پورا کرے اور مصائب زمانہ سے اس کی حفاظت کرے۔ والدین اولاد کے لیے جو کچھ کرتے ہیں وہ اس کی ایک نمایاں مثال ہے۔ مگر یہ زیادہ تر خونی اور قریبی رشتوں ہی میں ہوتا ہے۔

3) یہ کہ انسان کے پاس مال اتنی وافر مقدار میں ہو کہ روزمرہ زندگی کے معمولات اور ان سے ہٹ کر جب کبھی کوئی مسئلہ پیدا ہو تو انسان کا مال اس کی حفاظت کا ذریعہ بن جائے۔ مثلاً جو لوگ اپنی گاڑی کا انشورنس کرا لیتے ہیں، چوری وغیرہ کی صورت میں ان کے نقصان کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

4) یہ کہ انسان کے تعلقات ایسے لوگوں سے ہوں جو صاحب اثر و رسوخ ہوں۔ ان لوگوں کی سفارش سے آدمی بہت سے مسائل سے بچ سکتا اور بہت سی مشکلات سے نکل جاتا ہے۔

5) یہ کہ ایک انسان کسی بھی وجہ سے دوسرے انسان کے کام آئے اور اس کی مدد کرے۔ انسانوں کی مدد

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بھی وہ ذریعہ ہے جو لوگوں کو بہت سی مشکلات سے نکال دیتی ہے۔

یہ وہ پانچ ذرائع ہیں جن کی بنا پر انسان اِس دنیا میں اپنی تمام پریشانیوں سے نجات حاصل کرتا ہے۔ اِس دنیا کے بعد جو اگلی دنیا روز قیامت شروع ہوگی اس کا پہلا دن بہت سخت اور مشقت کا ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں اور کتابوں کی وساطت سے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ اس دن کے تمام مصائب اور آلام سے بچنے کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ انسان ایمان اور عمل صالح کا سرمایہ لے کر وہاں پہنچے۔ یہ وہی چیز ہے جسے ہم نے مندرجہ بالا نکات میں سے پہلے نکتے میں بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا مزید کرم یہ ہے کہ اس نے ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ قیامت کے دن پہلے ذریعے کو چھوڑ کر شر اور ضرر سے بچنے کے باقی چار ذرائع ختم کر دیے جائیں گے۔

قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور قیامت تک انسانیت کی ہدایت کا ذریعہ ہے اس میں ان گنت مقامات پر اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے۔ ہم مثال کے طور پر صرف سورہ بقرہ کے دو مقامات کو بیان کریں گے جن میں کم و بیش ایک ہی الفاظ میں یہ بات بیان کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

> ”اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی، نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہوگی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ لیا جائے گا، اور نہ ان کی کوئی مدد کی جائے گی، (بقرہ 48:2)“

> ”اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی جان کسی دوسری جان کے کچھ کام نہ آئے گی اور نہ اس سے کوئی معاوضہ قبول ہوگا، نہ اس کو کوئی شفاعت نفع پہنچائے گی اور نہ ان کی کوئی مدد ہی کی جا سکے گی، (بقرہ 123:2)“

یہ آیات نہ صرف یہ بتاتی ہیں کہ شر اور ضرر سے بچنے کے آخری چار ذرائع اُس روز ختم ہو جائیں گے بلکہ کچھ اور اہم باتیں ایسی ہیں جو آیات میں الفاظ کی تبدیلی اور ان کی تقدیم و تاخیر سے واضح ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا میں بعض لوگ مال پر زیادہ بھروسہ کرتے ہیں اور بعض لوگ سفارش اور تعلقات پر۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح زندگی میں بعض مواقعوں پر مال زیادہ کام آتا ہے اور بعض جگہ تعلقات۔ اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر سفارش کی نفی پہلے کر کے اور دوسرے مقام پر مالی تاوان اور فدیے کی عدم قبولیت کا ذکر پہلے کر کے یہ واضح کر دیا کہ اس روز نہ مال کام آئے گا اور نہ کسی کی سفارش۔ جو پہلے کے بھروسے پر بیٹھے ہیں وہ بھی نقصان اٹھائیں گے اور جو دوسرے پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں وہ بھی برباد ہوں گے۔

اسی طرح مال کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ بعض اوقات انسان رشوت پیش کر کے خود کو چھڑانا چاہتا ہے۔ اور بعض اوقات انسان پر جرمانہ عائد کر دیا جاتا ہے جو اسے بہر حال دینا ہوتا ہے۔ جس کے پاس مال ہوتا ہے وہ ان دونوں مراحل سے گزر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ مال قبول نہ کرنے اور دوسری جگہ نہ مال لیے جانے کے الفاظ استعمال کر کے ان دونوں پہلوؤں سے بھی انسان کو مایوس کر دیا ہے۔

تیسری بات سفارش کے پس منظر میں یہ بیان کی گئی ہے کہ قیامت کے دن قانون نجات میں سفارش کا سرے سے کوئی کردار ہی نہیں۔ سفارش یا تو انسان خود ڈھونڈتا ہے یا پھر کوئی دوسرا انسان ترس کھا کر سفارش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے مقام پر اس بات کی نفی کی ہے کہ انسان نے کوئی سفارش ڈھونڈ بھی لی تو کسی صورت قبول نہیں کی جائے گی۔ دوسرے مقام پر یہ واضح کر دیا کہ اس روزِ عدل میں سفارش سرے سے کوئی منفعت بخش چیز ہی نہیں۔ جو اس پر بھروسہ کرے گا نقصان اٹھائے گا۔

قیامت کے دن کا جو نقشہ قرآن پاک میں ہمارے سامنے آتا ہے اس کے مطابق یہ سخت مصیبت کا ایک انتہائی تکلیف دہ اور طویل دن ہوگا۔ موجودہ دنیا کی تمام تکالیف کو اگر اکٹھا کیا جائے تو وہ بھی اس دن کی شدت کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ ایسے میں یہ ضروری ہے کہ ہر شخص جان لے کہ اس دن کے شر اور ضرر سے بچنے کا طریقہ صرف اور صرف ایمان اور عمل صالح ہے۔ جس انسان نے اس کے سوا کسی اور چیز پر بھروسہ کیا دنیا کی کوئی طاقت اسے خدا کی پکڑ سے نہیں بچا سکتی۔ یہی ختم نہ ہونے والی دنیا کے پہلے روز عدل، روزِ قیامت کا قانون نجات ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عید کا دن

عید خوشیوں کا دن ہے۔ یہ بھوک اور پیاس کی تکلیف اٹھانے کے بعد بے روک ٹوک کھانے پینے کا دن ہے۔ یہ مہینہ بھر رمضان کی مشقت جھیلنے کے بعد ایام عید کی تفریح، راحت اور سرور کا نام ہے۔ یہ عبادت و ریاضت کے ساتھ رب سے جڑے رہنے کے بعد دوبارہ انسانوں کی طرف لوٹنے اور ان سے ملنے ملانے کا دن ہے۔ عید کے دن کی یہ حیثیت سب لوگ جانتے ہیں۔ مگر عید کے دن کی ایک اور حیثیت بھی ہے جسے کم ہی لوگ جانتے ہیں۔ وہ یہ کہ عید کا دن اہل ایمان کے لیے جنت میں داخلے کی ریہرسل اور یاددہانی کا دن ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو امتحان کے لیے پیدا کیا ہے۔ وہ انسانوں کو یہاں اچھے برے حالات سے آزماتے ہیں۔ اپنے بندوں سے ان کا مطالبہ یہ ہوتا ہے کہ وہ حالات کے سرد و گرم اور زمانے کے خیر و شر سے بے نیاز ہو کر خدا پرستی کے رویے پر قائم رہیں۔ لوگ جھوٹ بولیں، لیکن وہ سچ پر قائم رہیں۔ لوگ وعدے توڑیں، مگر وہ ایفائے عہد کو زندگی بنا کر جیئیں۔ لوگ رزق حرام کو اپنے دسترخوان کی زینت بنائیں، مگر وہ حصول رزق حلال کو اپنا نصب العین بنائیں۔ لوگ غفلت کی زندگی گزاریں، مگر وہ اطاعت کے راستے پر گامزن رہیں۔

یہ اور ان جیسے مطالبات کو پورا کرتے ہوئے زندگی گزارنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ روزہ کی بھوک پیاس برداشت کرنے جیسا مشکل عمل ہے۔ مگر جو لوگ ساٹھ ستر برس کی مختصر عمر میں یہ کر گئے، انہیں ہمیشہ کے لیے نعمت بھری جنتوں میں داخل کر دیا جائے گا جہاں ہر چیز بلا روک ٹوک انہیں ملتی رہے گی۔ جس دن یہ ہوگا وہ ان کی زندگی کا سب سے خوبصورت دن ہوگا۔

عید کا دن اُسی آنے والے دن کی یاددہانی ہے جب رکنے، ٹھہرنے، صبر کرنے کے سارے مطالبات ختم کر کے اہل ایمان پر ختم نہ ہونے والی خوشیوں کے دروازے کھول دیے جائیں گے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

خزانے کا سانپ

کہانیوں میں ایک مشہور کہانی اس خزانے سے متعلق بیان کی جاتی ہے جس پر ایک ناگ پہرہ دیتا ہے۔ یہ ناگ کسی شخص کو اس خزانے تک پہنچنے نہیں دیتا۔ کہانیوں ہی سے خزانے کے سانپ کی مثال ہماری زبان میں عام ہوگئی ہے اور یہ اس شخص یا ان لوگوں کے لیے استعمال ہوتی ہے جو کسی مفید شے سے خود استفادہ کرتے ہیں نہ دوسرے کو کرنے دیتے ہیں۔

دین اسلام بلاشبہ ایک خزانہ ہے۔ یہ خزانہ آج کل عقائد، ایمانیات اور اعمال کی شکل میں ہے، مگر بہت جلد یہ آخرت کی ابدی دنیا میں مادی شکل میں ڈھل جائے گا۔ یہ فردوس کی اس بادشاہی میں بدل جائے گا جہاں انسان کو ہر تکلیف و دکھ سے بچا کر ہمیشہ رہنے والی نعمتوں اور راحتوں کی پر آسائش دنیا میں بسا دیا جائے گا۔

ختم نبوت سے قبل اس خزانے کی طرف لوگوں کو بلانے کی ذمہ داری خدا کے پیغمبروں کی تھی۔ اس کے بعد یہ ذمہ داری ان لوگوں پر ڈال دی گئی جو نبی آخرالزماں پر ایمان لے آئے۔ مگر آج کے مسلمان دوسرے تک دین پہنچانے کی ذمہ داری سے بالکل غافل ہیں۔ ایک طویل عرصے سے یہ انھی لوگوں سے بدترین نفرت کا شکار ہیں جن تک ان کو خزانے کی اطلاع پہنچانی ہے۔ مسلمان اس کا سبب دوسروں کا ظلم بیان کرتے ہیں، مگر تاریخ بتاتی ہے کہ اس سے قبل تاتاریوں نے مسلمانوں پر کہیں زیادہ ظلم کیا تھا۔ لیکن اُس دور کے مسلمانوں نے اپنی دعوتی ذمہ داریوں سے کوتاہی نہیں کی، تاتاریوں تک اسلام پہنچایا، انہیں مسلمان کیا اور نتیجتاً مزید چھ سو برس دنیا پر حکمرانی کی۔ مگر آج کے مسلمان اپنی ذمہ داریاں پوری کرنے کے بجائے وہ بن بیٹھے ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا۔

مسلمانوں کی دعوتی غفلت دنیا میں ان کی ذلت اور رسوائی کی بنیادی وجہ ہے۔ جس دن انہوں نے دعوت دین کا کام شروع کر دیا، ان کے عروج کا زمانہ شروع ہو جائے گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پریشانی اور خوشگوار زندگی

اللہ تعالیٰ نے انسانی ذہن کو غیر معمولی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ان میں سے ایک صلاحیت ماضی کے گزرے ہوئے اور مستقبل میں ممکنہ طور پر ہونے والے واقعات کو اپنے تصور میں لا کر دیکھ لینا ہے۔اللہ تعالیٰ نے انسان کو یہ صلاحیت اس لیے دی ہے کہ وہ ماضی کی غلطیوں سے سیکھے اور مستقبل کے لیے منصوبہ بندی کر سکے،مگر بیشتر انسان اپنے اس وصف کو ماضی کے پچھتاؤں پر کڑھنے اور مستقبل کے اندیشوں کے لیے پریشان ہونے میں استعمال کرتے ہیں۔نتیجے کے طور پر وہ بہت سے ذہنی،جسمانی اور نفسیاتی عوارض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

لوگ عام طور پر دو قسم کے مسائل کا شکار ہوتے ہیں۔ایک وہ جن میں وہ کچھ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔مثلاً مہنگائی بدامنی وغیرہ کے بارے میں سوچ کر لوگ بہت پریشان ہوتے ہیں۔حالانکہ نہ مہنگائی کو دور کرنا ایک عام آدمی کے بس کی بات ہے اور نہ امن وامان قائم کرنا۔اس لیے اس بارے میں پریشان ہونے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوسکتا۔اس کے بجائے انسان کو اپنی سوچ کا دائرہ ان جگہوں تک محدود کر لینا چاہیے جہاں وہ کچھ کرسکتا ہے۔جیسے آمدنی کیسے بڑھائی جائے وغیرہ۔

مسائل کی دوسری قسم وہ ہے جن کے حل کی کنجی لوگوں کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے۔جہاں ان کا فوری عمل،فوری توجہ مسئلے کو حل کرسکتا ہے۔ایسے معاملات میں سوچنے،تاخیر کرنے اور پریشان ہونے سے کام نہیں چلتا۔مثلاً کسی بیماری کے آغاز میں مناسب علاج کروا کر انسان بہت بڑے مسئلے سے بچ سکتا ہے،مگر لوگ ان میں سستی کر کے معاملات خراب کر دیتے ہیں۔

مسائل کے بارے میں پریشان ہونا ان کا حل نہیں بلکہ مسائل کی فہرست میں ایک اور مسئلے کا اضافہ کرنا ہے۔صحیح طریقہ یہ ہے کہ جہاں کچھ کیا جاسکتا ہو وہاں فوری عمل کیا جائے اور باقی چیزوں میں معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیا جائے۔یہی خوشگوار زندگی کا راز ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بہت ٹینشن ہے

''اس ٹینشن میں زندگی بڑی مشکل ہو چکی ہے بھائی، بہت ٹینشن ہے۔'' یہ اس گفتگو کا خلاصہ تھا جسے میں پچھلے نصف گھنٹے سے سن رہا تھا۔ میں نے گفتگو میں اس لیے مداخلت نہیں کی کہ باتیں ساری ٹھیک تھیں۔ مہنگائی، بدامنی، سیاسی عدم استحکام اور بے یقینی، ملکی سالمیت پر لہراتے خطرات کے سائے، روپے کی گرتی قیمت، اسٹاک ایکسچینج کی بگڑتی صورتحال، وکلا تحریک، امریکی کارروائیاں وغیرہ۔ ان کا رونا اگر کوئی شخص روتا ہے تو اس کی تردید کرنے سے کیا حاصل۔

مگر اب میری باری تھی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر۔ آپ کی ٹینشن بھی بجا، لیکن میرے چند سوالات کا جواب دیجیے۔ مانا مہنگائی بہت ہے، مگر کیا آپ پر فاقے آئے ہیں؟ بدامنی سے بھی انکار نہیں، مگر کیا آپ کی جان اور اعضا کو کوئی نقصان پہنچا ہے؟ ملک کی معاشی صورتحال نازک ہے، مگر آپ کا کاروبار بہر حال بند نہیں ہوا اور ملکی سالمیت کے متعلق پریشان کیوں ہوتے ہیں؟ جو قوم اپنا نصف دھڑ گنوا کر بھی اقوام عالم میں سر بلند رہی اسے آئندہ بھی کوئی فیصلہ کن نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جب یہ حقائق ہیں تو پھر ٹینشن کیسی؟

پھر سوچیے کہ ان سارے حالات کے باوجود آپ کتنی نعمتوں میں جی رہے ہیں۔ زندگی اور صحت کی نعمت، اعضا و قویٰ کی نعمت، اولاد اور گھر کی نعمت، عزت اور عافیت کی نعمت اور ان جیسی نہ جانے کتنی نعمتیں۔ ان نعمتوں کی میں اگر تفصیل شروع کردوں تو صبح سے شام اور شام سے رات ہو جائے گی، مگر ان نعمتوں کی تفصیل ختم نہ ہو گی۔ اور نعمتیں بھی ایسی کہ ایک ایک کے پیچھے آپ دنیا دینے کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

خدانخواستہ آپ کے بیٹے کی جان کو کوئی خطرہ لاحق ہو جائے تو آپ کیا نہیں کریں گے؟ آپ سے آپ کی آنکھوں کی روشنی چھین لی جائے تو ان تاریکیوں سے نکلنے کے لیے آپ کیا قیمت نہیں دیں گے؟ آپ کی آبرو پر کوئی داغ لگنے لگے تو اسے مٹانے کے لیے آپ اپنا سب کچھ قربان نہیں کر دیں گے؟

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

پھر یہ نعمتیں تنہا آپ ہی پر نہیں ہیں۔ پوری قوم کو امن و عافیت دی گئی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں چین میں زلزلہ آیا اور لاکھ لوگ مر گئے۔ میمار (برما) میں طوفان آیا بستیوں کی بستیاں برباد ہو گئیں۔ پڑوسی ملک افغانستان میں جنگ و جدل کے نتیجے میں پورا ملک کھنڈر بن گیا۔ لاکھوں لوگ مر گئے۔ مگر آپ کے ہاں خیر ہے۔ وبائیں نہیں پھوٹیں، قحط نہیں پڑا، سیلاب نہیں آیا۔

پھر تاریخ اٹھائیں اور اس کے صفحات پڑھیں کہ دنیا میں لوگوں کے ساتھ کیا کچھ ہوا ہے۔ خود آپ کی قریبی تاریخ میں بنگال کے قحط، تقسیم ہند، اور بنگلہ دیش کی علیحدگی کی وہ قیامتیں رقم ہیں جن میں لاکھوں لوگ نہیں کروڑوں لوگ برباد ہو گئے۔ لوگوں کی جان، مال، جائیداد، اولاد اور آبرو سب مٹی میں مل گئے۔ آپ کے ساتھ ایسا کچھ بھی نہیں ہو رہا۔

آپ ٹینشن لینا چاہتے ہیں تو ضرور لیں، مگر پہلے ان نعمتوں کا تو شکر ادا کریں جو ذاتی اور قومی حیثیت میں آپ پر کی گئی ہیں۔ آپ رب کا شکریہ ادا کریں، ٹینشن نہ لیں۔ آپ شکر ادا کریں گے تو لوگوں کے ساتھ بھی مہربانی سے پیش آئیں گے اور ٹینشن لیں گے تو پھر آپ لازماً دوسروں کو ٹینشن دیں گے۔ پھر آپ خود مسئلہ بن جائیں گے۔ پھر کوئی شخص اپنے مسائل جب گنوائے گا تو ان مسائل میں ایک نام اور شائد سرفہرست نام آپ کا ہو گا۔

شکر کرنا سیکھیے۔ اپنی آنکھوں میں احسان مندی کا سرمہ لگایئے۔ اپنی بینائی کو نعمتوں کی یاددہانی سے روشن کیجیے۔ اپنے نفسیاتی وجود کو مثبت سوچ سے معطر کیجیے۔ اس سے آپ شکر کریں گے۔ جب آپ شکر کریں گے تو جانتے ہیں اس کا نتیجہ کیا نکلے گا؟ آپ دوسروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نعمت بن جائیں گے۔ اس کے برعکس جب آپ ٹینشن لیتے ہیں تو آپ دوسرے کے لیے عذاب بن جاتے ہیں۔ کچھ اور نہیں تو آپ اپنے الفاظ سے دوسروں کے کانوں میں ٹینشن کا زہر انڈیلنے لگتے ہیں۔ یہی عذاب کچھ کم نہیں۔

شکر کیجیے اور نعمت بنئے۔ ٹینشن لے کر عذاب مت بنئے۔ مت کہیے کہ بہت ٹینشن ہے۔ یہ کہیے کہ بڑا کرم ہے۔ آپ پر مزید کرم ہو گا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہماری سادگی

ہمارے ہاں آج کل بعض حلقوں میں امریکی معاشی بحران پر بڑی خوشیاں منائی جارہی ہیں۔ ان کے خیال میں بیس برس قبل جس طرح ہمارے مجاہدین نے روس کو شکستِ فاش دی تھی اسی طرح اب انہوں نے امریکہ کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردیا ہے۔ وہ وقت اب دور نہیں جب امریکہ نہ صرف افغانستان میں شکست کھائے گا بلکہ روس کی طرح اس کا بھی شیرازہ منتشر ہوجائے گا۔

ہم اس سادگی پر کیا تبصرہ کریں؟ یہ لوگ شائد نہیں جانتے کہ پہلی گلف وار کے بعد بھی امریکہ ایک بڑے معاشی بحران کا شکار ہوا تھا۔ جس کے بعد پوری قوم سر جوڑ کر بیٹھی اور پھر بل کلنٹن کے زیر صدارت امریکہ اس بحران سے نکل کر عالمی افق پر چھا گیا۔ بظاہر یہی کچھ اب بھی ہوگا اور اوباما کی زیر صدارت ایک دفعہ پھر امریکہ اس بحران سے نکل جائے گا۔ بالفرض ایسا نہ ہوا اور امریکہ شکست کھا کر ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے تو اس میں ہمارے لیے خوشی کی کیا بات ہے؟ ٹکراؤ اور تصادم کی ہماری سوچ نے عراق اور افغانستان کو لاکھوں لوگوں کا قبرستان بنادیا ہے۔ امریکہ اگر ٹوٹنے بھی لگا تو عجب نہیں کہ وہ جاتے جاتے تباہ حال پاکستان کو بھی قبرستان بناتا جائے۔ کیا اسی میں ہماری خوشی ہے؟

پھر امریکہ برباد بھی ہوگیا تو کیا دنیا کا اقتدار مسلمانوں کے پاس آجائے گا؟ اس قطار میں اگلا نمبر ہمارا نہیں چین کا ہے۔ وہ چین جس نے اپنے ہاں مسلمانوں کو بنیادی حقوق سے محروم کررکھا ہے۔ ہمارے لڑاکا اس سے بھی ٹکرانے کی کوشش کریں گے اور اس کے بعد چین ہمارے ساتھ وہ کرے گا جو آٹھ صدیوں قبل تاتاریوں نے کیا تھا یعنی پورے عالم اسلام کو کھنڈر بنادے گا۔

وقت آگیا ہے کہ ہم ٹکراؤ اور نفرت کو چھوڑ کر دعوت اور محبت کو اختیار کریں۔ تصادم کو چھوڑ کر ملت کی تعمیر کا کام شروع کریں۔ اپنی بربادی کی قیمت پر دوسروں کی تباہی کا جشن منانے کے بجائے ان کو جنت میں پہنچانے کی فکر کریں۔ یہ ہماری مذہبی ذمہ داری ہی نہیں، دنیا پر غلبے کا واحد راستہ بھی ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

احساسِ لذت

اس دنیا میں پائی جانے والی اشیا کی دو نمایاں تقسیم ہیں۔ ایک جاندار اور دوسری بے جان۔ تمام جاندار زندگی اور موت کے سلسلے میں بندھے ہوئے ہیں۔ زندگی ان کے آغاز کا نام ہے اور موت ان کے انجام کا۔ دوسرے جانداروں کی طرح انسان کا معاملہ بھی یہی ہے۔ مگر انسان کو 'احساسات' کی شکل میں ایک اضافی چیز بھی عطا کی گئی ہے جو اسے جانوروں سے افضل بناتی ہے۔

ان احساسات میں غالباً احساسِ لذت سب سے بڑی نعمت ہے۔ اسی کی وجہ سے انسان کے لیے آواز ایک نغمہ ہے۔ خوراک ایک پرلطف ذائقہ ہے۔ ہوا ایک لمس اور خوشبو ہے۔ دنیا رنگ و کمال کا ایک حسین نظارہ ہے۔ چنانچہ انسان اس احساسِ لذت کی تکمیل کو اپنی زندگی کا ہدف بنا لیتا ہے۔ اس کے حصول کے منصوبے بناتا ہے۔ اس کے لیے محنت اور جستجو کرتا ہے۔ اس کے حاصل ہونے پر خوشیاں مناتا ہے۔

مگر انسان جس دنیا میں جیتا ہے اس میں زندگی کے بعد موت لازمی ہے۔ ملنے کے بعد کھونا ناگزیر ہے۔ آنے کے بعد چلے جانا قانونِ فطرت ہے۔ ایک ایسی دنیا میں زندگی گزارنے کی صرف دو سطحیں ممکن ہیں۔ ایک وہ جس پر آج کا ہر انسان جی رہا ہے۔ وہ یہ کہ اس عارضی دنیا میں انسان اپنی لذتوں کی تکمیل ڈھونڈے۔ اس فانی دنیا میں حیاتِ ابدی کی خوشیاں تلاش کرے۔ موت کی چھاؤں تلے رہ کر ابدی راحتوں کے خواب دیکھے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا کو امتحان گاہ سمجھے۔ وہ نعمت پر شکر کرے اور محرومی پر صبر کرے۔ زندگی کے سرد و گرم میں رب کی رضا کو اپنا مقصود بنا لے۔ ہر حال میں اعلیٰ اخلاقی رویے پر قائم رہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو جنت کی ابدی بستی میں ہمیشہ کی زندگی دی جائے گی۔ جہاں ان کا احساسِ لذت ختم نہ ہونے والی نعمتوں سے اپنے ذوق کی داد پاتا رہے گا۔

www.KitaboSunnat.com
کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہم تمھیں نہیں جانتے

گاڑی کے پچھلے شیشے پر اللہ کا نام لکھا دیکھ کر مجھ پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی۔ ایسا لگا جیسے کسی اجنبی شہر کے اجنبی لوگوں کے بیچ کوئی شناسا ٹکرا جائے۔ غیروں کی محفل میں اچانک کسی اپنے پر نظر پڑ جائے۔ حالانکہ میں کہیں اور نہیں کلمہ گو لوگوں کے شہر کراچی ہی میں تھا۔

اس شہر میں ہر جگہ میں نے 'غیر' ہی کا نام لکھا ہوا دیکھا۔ اللہ کے محبوبوں کو اس کا رقیب بناتے دیکھا۔ اللہ کا نام کہیں دیکھا تو کسی اور کے ساتھ رسمی خانہ پری کے لیے یا بس ایک حفاظتی نسخے کے طور پر۔ وہ کریم، اللہ جو سب کچھ ہے، جس نے سب کچھ دیا ہمارے لیے شاید اس انشورنس پالیسی سے زیادہ کچھ نہیں جسے لے کے انسان خود کو محفوظ سمجھتا ہے۔

ہماری ساری محبت 'غیر اللہ' کے لیے ہے۔ اللہ کے حصے میں تو بے روح سجدوں اور اس کے نام کی بے معنی تکرار کے سوا کچھ نہیں آیا۔ میں سمجھتا تھا کہا اللہ تعالیٰ تنہا معبود ہے۔ قانونی طور پر شائد ایسا ہی ہے، مگر یہاں دل کے صنم خانے میں آج تک اللہ کے ساتھ اور بھی بہت سی ہستیاں شریک ہیں۔ انہی کے بت ہیں جن کی پرستش ہوتی اور انہی کی ذات ہے جن سے کرم کی امید ہوتی ہے۔ انہی سے مدد مانگنے، انہی کی محبت سے سرشار ہونے، انہی کے نام پر جھومنے، انہی کے ذکر پر آنسو بہانے اور انہی کی یاد میں گم رہنے کو لوگ ایمان کا کمال سمجھتے ہیں۔

کاش اِنہیں کوئی یہ بتائے کہ یہاں سارا اقتدار، سارا اختیار تنہا ایک ہی معبود کے پاس ہے۔ 'غیر' سے مدد مانگنے والے اور 'غیر' کی الفت کے شکار یہ لوگ سراب کے پیچھے بھاگ رہے ہیں اور انہیں جب موت کی ٹھوکر لگے گی، تب حقیقت سے پردہ اٹھے گا تو معلوم ہوگا کہ زندگی فریب میں گزار دی۔ اس روز سب سے بڑی سزا یہ ہوگی کہ جن کے لیے اللہ کو چھوڑا اور اللہ کو چھوڑ کر جن کو پکارا، وہی کہہ دیں گے...... ہم تمھیں نہیں جانتے۔ ہم تمھیں نہیں جانتے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

قیامت کی تباہی

قرآنِ کریم کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ یہ دنیا اور اس کے باسی بہت جلد ایک عظیم حادثے سے دوچار ہونے والے ہیں۔ یہ حادثہ قیامت کا وہ زلزلہ ہے جو زمین پر ناقابلِ تصور تباہی برپا کرے گا۔ جس حادثے کے نتیجے میں ہمالیہ جیسے بلند پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی شدت کیا ہوگی اور اس کے نتیجے میں انسانوں پر کیا گزرے گی۔

قرآنِ کریم کے ایک طالب علم کے سامنے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانیت کی موت اس ہولناک طریقے پر کیوں واقع ہوگی۔ زندگی کی بساط لپیٹنے کا کوئی آسان طریقہ بھی اختیار کیا جاسکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ انسان کو اس دنیا میں اللہ کی بندگی کے لیے پیدا کیا گیا تھا۔ مگر لوگ اللہ کے بجائے دوسروں کی بندگی میں لگ گئے۔ پوری انسانی تاریخ میں بتوں کی پرستش کی جاتی رہی ہے اور آج تاریخ کے اختتام پر انسان نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنالیا ہے۔ ایسے میں قیامت کی عظیم تباہی لوگوں کو یہ بتانے آئے گی کہ جس خدا کو انھوں نے نظر انداز کر دیا تھا وہ کس قدر بلند، طاقتور اور صاحبِ جبروت ہستی ہے۔

عقل کا تقاضا تھا کہ عظیم سمندروں کے خالق کے آگے جھکا جائے۔ لوگ نہ جھکے۔ سو اب سمندر خود ابل کر اس کی گواہی دیں گے۔ فطرت کا تقاضا تھا کہ بلند پہاڑوں کے مالک کے سامنے سرنگوں ہوا جائے۔ انسان نہ ہوا۔ اب پہاڑ ریزہ ریزہ ہوکر خدا کی عظمت کا ثبوت دیں گے۔ پیغمبروں کی تعلیم تھی کہ ساری مخلوق کے رب کو اپنی توجہات کا تنہا مرکز بنایا جائے۔ ابنِ آدم نے اس تعلیم کو بھلا دیا۔ اب مخلوق کی مکمل تباہی اسے رب کی بڑائی کا احساس دلائے گی۔ جو لوگ عقل، فطرت اور نبیوں کا پیغام نہ سمجھ سکے، قیامت ان اندھے، بہرے غافل لوگوں کو خدا کا تعارف کرائے گی۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ ایسے اندھے بہروں کو جھنجوڑنے کے لیے قیامت جیسی تباہی ہی کی ضرورت ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

سطحی سوچ

ہمارے معاشرے کا ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ اس میں سطحی سوچ رکھنے والے لوگ تو بہت ہیں، مگر مشاہدات سے گزر کر حقائق تک پہنچنے والے، الفاظ سے گزر کر معانی تک پہنچنے والے لوگ کم ہی رہ گئے ہیں۔ جو لوگ کسی وجہ سے ذرا ٹھہر کر واقعات کا جائزہ لیتے اور معاملات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی اکثر تعصب کی عینک پہنے ہوئے ہوتے ہیں۔

اگر آپ کو اس بات کا کبھی تجربہ کرنا ہو تو کسی سنجیدہ موضوع پر معاشرے کے کسی فرد سے بات کر لیجیے۔ اول تو یہ اس کی دلچسپی کا موضوع ہی نہیں ہوگا۔ اگر کسی وجہ سے اُسے اِس سنجیدہ بات سے دلچسپی ہوگی تو اگلے لمحے پتا چلے گا کہ آپ نے ایک ایسی گفتگو کا آغاز کیا ہے جس میں دوسرا آدمی صرف بولنے میں دلچسپی رکھتا ہے، سننے میں نہیں۔ سنانے میں مہارت رکھتا ہے سمجھنے میں نہیں۔ وہ اپنی انتہائی سطحی معلومات اور سرسری نگاہ کے ساتھ اپنا نقطۂ نظر آپ پر ٹھونسنے کے لیے تیار ہو جائیگا۔ یہ بولنا اور یہ سنانا اگر علم و تجزیے پر مبنی ہو تو سر آنکھوں پر مگر اکثر یہ بولنا محض عادتاً ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سامنے والا آپ کی اُس بات پر تبصرہ کرے گا جو آپ نے نہیں کی۔ وہ اُس نقطۂ نظر پر تنقید کرے گا جو آپ کو پتا ہی نہیں ہوگا۔ آپ کے سوال کا وہ جواب دے گا جس کا زیرِ بحث مسئلے سے کوئی تعلق ہی نہ ہوگا۔

معاشرے میں اس رویے کے فروغ کا ایک اہم سبب اچھی کتابوں کے مطالعہ کی کمی ہے۔ مطالعہ انسان کو تحمل کے ساتھ دوسروں کا نقطۂ نظر پڑھنے اور سمجھنے کی تربیت دیتا ہے۔ وہ اِس میں برداشت اور تحمل کا مادہ پیدا کرتا ہے۔ وہ اِس کی نظر میں وسعت، خیالات میں گہرائی اور تجزیے میں معروضیت (Objectivity) پیدا کرتا ہے۔ مطالعہ نہ ہو تو اچھی تربیت یہ کمی پوری کر سکتی ہے۔

ضروری ہے کہ کچھ لوگ خود کو قوم کی تربیت کے لیے وقف کر دیں۔ وہ لوگوں کو تہذیب، اخلاق اور صبر کی تعلیم دیں۔ سطحیت، تعصب، خود پسندی اور مفاد پرستی جیسی خرابیوں پر متنبہ کریں۔ یہی وہ طریقہ ہے جس سے معاشرے میں خیر و شر، جھوٹ و سچ، پروپیگنڈا اور حقیقت میں فرق کا شعور پیدا ہوگا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

عبدیت کا سفر ابدیت تک

ہاتھ میں دبی ریت آہستہ آہستہ بند مٹھی سے پھسلتی جارہی تھی۔ میں اس ریت کو روکنے کے لیے جتنی مضبوطی سے ہاتھ بند کرتا، اتنی ہی رفتار سے وہ خالی ہورہا تھا۔ یہ زندگی کی تمثیل تھی۔ زندگی کچھ اسی طرح...... لیل ونہار کی گردش اور شام وسحر کی دوڑ میں...... غیر محسوس طریقے سے، ہاتھوں سے پھسلتی چلی جاتی ہے۔ جیسے خالی گلاس میں پڑی برف کی ڈلی، زندگی کی حرارت سے پگھلتی چلی جائے...... اور آخر کار اس کا وجود ہے سے نہیں میں بدل جاتا ہے۔

میں ساحل پر کھڑا کبھی سمندر کی موجوں کو دیکھتا جو ایک کے بعد دوسری اور تیسری لہر بن کر اٹھتیں اور ساحل کی ریت پر نمی کا ایک احساس چھوڑ کر فنا ہو جاتیں۔ کبھی میری نظر اس سورج کی طرف اٹھ جاتی جو بڑھتے گھٹتے بادلوں سے اپنی روشنی کو بچانے کی جدو جہد کررہا تھا۔ آسمان کا یہ نور ایک ظاہر بین نظر کو فریبِ سکوت میں مبتلا کرتا ہے، لیکن درحقیقت وہ بھی زندگی کی پھسلتی، ختم ہوتی ریت کی مانند آہستہ آہستہ فنائے شب کی منزل کی طرف بڑھ رہا تھا۔

شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے، اپنے محبت کرنے والوں کے ساتھ بحیرۂ عرب کے اس حسین ساحل پر ایک بہترین دن گزارنے کے بعد میں حساب لگا رہا تھا کہ میرے ہاتھ کیا آیا؟ کچھ میٹھی یادیں، بے فکری کی کچھ گھڑیاں، اپنوں کے ساتھ گزارے ہوئے پرمسرت لمحوں کا احساس۔ وہ احساس جو سمندر پار کے اِن مہمانوں اور یقیناً میرے لیے بھی، اُس مستقبل کا بڑا سرمایہ ہے جو اپنے دامن میں جدائی کا داغ لیے آرہا ہے۔ یہ اگرچہ بڑا سرمایہ ہے، مگر میرا دکھ یہ تھا کہ وقت کی پھسلتی ڈور نے زندگی کے اِس دن کو بھی کتابِ ماضی کا ایک ورق بنادیا۔

خدایا اس دنیا میں مسرت ابدی کیوں نہیں ہوتی؟ سکون کو دوام کیوں نہیں؟ ہر وصل کو جدائی کا داغ کیوں لگتا ہے؟ ایامِ زیست...... ریت کے ذروں کی مانند، گرفتِ حیات سے کیوں نکل

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جاتے ہیں؟ جواب ملا کہ ان صاحبانِ بصیرت میں سے بنو جن کے لیے آسمان و زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے آنے جانے میں بڑی نشانیاں ہیں۔ ہر سوال کا جواب ملے گا۔

بصیرت نے کہا کہ زمین ازلی لگتی ہے اور آسمان...... ابدی لگتا ہے۔ شام و سحر کے ترازو میں وقت کے باٹ...... اسی طرح...... تبدیلی کے ہر زنگ سے بچا کر رکھے جا سکتے تھے، مگر رات و دن کی گردش رکھی گئی...... یہی بتانے کو رکھی گئی کہ فنا کے اس جزیرے میں ابدی مسرتوں، ختم نہ ہونے والی چاہتوں، ماند نہ پڑنے والی خوشیوں کو مت ڈھونڈو۔ اس حقیقت کو سمجھو کہ زمین کا یہ گھر اور آسمان کی یہ چھت تمھارے لیے بنائی تو گئی ہے، مگر بدلتے روز و شب کی اسیر اس حیاتِ فانی میں انھیں حاصل کرنے کے خواب مت دیکھو۔ سوائے محرومی کے اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اتنی حسین کائنات، اتنی بامعنی زندگی اتنی بے مقصد نہیں کہ چند بے فکرے اس کے کنارے خوشیوں کے اسباب اکٹھے کریں اور جب حیاتِ مستعار کی گھڑیاں بیت جائیں تو خانہ بدوشوں کی طرح اگلی منزل کو چل نکلیں...... کبھی لوٹ کر نہ آنے کو۔

خالق نے زندگی عبدیت کے لیے بنائی ہے اور عبدیت کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ابدی زندگی بنائی ہے۔ وہ زندگی جس میں وقت کی خاموش آندھی کسی محفل کو درہم برہم نہیں کر سکتی۔ جس میں شب و روز کی گردش خوشیوں اور نعمتوں میں محرومی اور مایوسی کے وقفے نہیں ڈال سکتی۔

انسان کا سفر معمولی سفر نہیں۔ یہ عبدیت کا سفر ہے جو ابدیت کے حصول تک جاری رہے گا۔ اس سفر کی ابتدا یہ دنیا ہے۔ جس میں بندگی کرنا ہے۔ جس میں کام کرنا ہے۔ اس سفر کی انتہا آخرت کی دنیا ہے۔ جس میں بادشاہی کرنا ہے۔ جس میں آرام کرنا ہے۔ جس میں انسان کے لیے زمین و آسمان ہی کو مسخر نہیں کر دیا جائے گا بلکہ انسان کے لیے وقت کی پھسلتی ڈور اور زندگی کی پھسلتی ریت کو بھی مسخر کر دیا جائے گا۔ عبدیت کا سفر ابدیت کے سوا کسی اور جگہ ختم نہیں ہوگا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

باشعور مسلمان کی ذمہ داری

پچھلے دنوں مجھے بار بار یہ خیال آیا کہ انگریزوں کی غلامی کے زمانے میں ہمارے عظیم ترین رہنماؤں سرسید، اقبال، قائداعظم اور محمد علی جوہر وغیرہ میں سے ہر ایک کو یورپ میں قیام کے مواقع ملے۔ شہری مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے یہ لوگ اگر ذاتی سکون، مادی آسائشوں اور آسان زندگی کو اپنا مقصد بنا کر یورپ ہی میں مقیم ہو جاتے تو ملت اسلامیہ پاک و ہند کا کیا حشر ہوتا؟ ہندو اکثریت اور انگریزوں کی حاکمیت کے سامنے سیاسی اور ذہنی شکست سے دوچار اور معاشی طور پر مفلوج قوم شائد ہمیشہ کے لیے جمود اور غلامی کا شکار ہو جاتی۔

اس خیال کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ میرے احباب میں بہت سے لوگ مجھ سے یہ بات بااصرار کہہ رہے ہیں کہ مجھے ملک چھوڑ کر چلا جانا چاہیے۔ ہر طرف چھائی بے یقینی، بدحالی، بدامنی اور مایوسی کی اس لہر میں لوگوں کو یہ بات احمقانہ لگتی ہے کہ کوئی شخص قوم کی اصلاح اور تربیت کا مشن لے کر کھڑا ہو۔ اور خاص طور پر یہ کام کوئی ایسا شخص کرے جسے ملک سے باہر جینے اور رہنے کے اعلیٰ ترین مواقع حاصل تھے۔ ایک ایسے ماحول میں جب ہر نوجوان اپنے لیے اور والدین اپنے بچوں کے لیے صرف یہی راستہ دیکھتے ہوں کہ کسی طرح ملک سے باہر نکل جائیں، یہ سوچ تعجب کی بات نہیں۔ حالات سے پریشان ہو کر بہت سے احباب خود اپنے متعلق یہ فیصلہ کر رہے ہیں کہ وہ ملک چھوڑ کر چلے جائیں۔ وہ مجھ سے اس عمل کی شرعی اور اخلاقی حیثیت دریافت کرتے ہیں۔

میرے نزدیک ایک انسان کو یہ حق ہے کہ وہ چاہے تو اپنے مستقبل کو بہتر بنانے کے لیے ملک سے باہر جا کر رہ سکتا ہے۔ مسئلہ یہ نہیں ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی انسان کو ایک مسلمان کے گھر میں پیدا کرتے ہیں تو ایک طرف یہ ان کا خصوصی فضل ہوتا ہے، مگر دوسری طرف یہ ایک اضافی ذمہ داری بھی ہوتی ہے جو کسی غیر مسلم پر عائد نہیں ہوتی۔ یہ اضافی ذمہ داری اس بات کی ہوتی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ انسان اب اپنے ماحول، ملک اور قوم کے خیر وشر سے بے نیاز ہو کر زندگی نہیں گزار سکتا۔ ایک عام آدمی سے دین کا مطالبہ ہے وہ کہ ایمان اور عمل صالح کے ساتھ وہ اپنے قریبی لوگوں کو اچھے کاموں کی تلقین اور برائی سے رکنے کی تاکید کرتا رہے۔ زیادہ باشعور اور باصلاحیت لوگوں سے مطالبہ یہ ہے کہ وہ دین کی نصرت کریں اور اپنی قوم، مسلم ہو یا غیر مسلم، اس کی خیر خواہی کریں۔

اگر آپ ملک میں رہتے ہیں تو قوم کی اصلاح، اس کی تعلیم و تربیت اور دین کے صحیح تصورات کی ترویج کے ہر اس کام میں عملاً معاونت کریں جس پر آپ کا اطمینان ہو۔ اپنی زبان، اپنے عمل اور اپنے پیسے سے اس کام میں حصہ ڈالیں۔ اگر آپ ملک سے باہر غیر مسلم قوم میں رہتے ہیں تو آپ کے اندر ہر لمحہ یہ احساس زندہ رہنا چاہیے کہ لوگ آپ کو مسلمان سمجھتے اور آپ کے ذریعے سے اسلام سے متعارف ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ کا قول اور فعل ایک اعلیٰ اخلاقی سطح پر ہونا چاہیے۔ شرک و الحاد کے درمیان رہتے ہوئے ہر لمحہ آپ کو یہ فکر ہونی چاہیے کہ توحید کا پیغام کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اس کے ساتھ حق کے ابلاغ، اس کی دعوت کے فروغ اور دین کے حوالے سے پیدا ہونے والے سوالات کے جواب فراہم کرنا بھی آپ کی ذمہ داری ہے۔

آپ کی قوم مسلم ہو یا غیر مسلم، اگر آپ کا رویہ یہ نہیں تو سمجھ لیجیے کہ دنیا کی آسانیاں تو آپ نے سمیٹ لیں، لیکن جنت کے اعلیٰ مقامات سے آپ محروم ہو چکے ہیں۔ انسان کے پیدا کردہ مسائل سے تو شائد آپ نکل بھاگنے میں کامیاب ہو گئے، مگر جہنم کا ختم نہ ہونے والے مسئلہ اب آپ کے سامنے آکھڑا ہوا ہے۔ قوم کے خیر و شر سے بے نیاز ہو کر فیملی اور کیریئر کی سطح پر تو آپ نے آسائشیں اور کامیابیاں حاصل کر لیں، مگر جنت کی حسین بستی میں ایک چھوٹا سا گھر بھی نہ بنا سکے۔

باشعور مسلمان کے سامنے سوال یہ نہیں ہوتا کہ اس نے زندگی کہاں گزاری۔ سوال یہ ہوتا ہے کہ اس نے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ اپنی قوم کی فلاح کے لیے کوئی جدوجہد کی یا نہیں کی۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ڈائری کا ایک ورق: امید کا پیغامبر

آج 9 نومبر کا دن اور علامہ اقبال کا یوم پیدائش ہے۔ اتوار کی تعطیل کی بنا پر میں گھر ہی میں ہوں۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر میں نے اقبال کے کلام کو اٹھایا اور پڑھتا چلا گیا۔ میرے ذہن میں اپنی نوعمری کے وہ ایام تازہ ہو گئے جب میں اسکول سے آکر اقبال کے کلام کا گھنٹوں مطالعہ کیا کرتا تھا۔ بچپن کی عمر بھی کیا عمر تھی، جو چیز ہاتھ آئی پڑھ لی۔ عمران سیریز، ناول اور ڈائجسٹیں جو صرف بالغوں کے مطالعے کی چیزیں سمجھی جاتی تھیں، انہیں گھر والوں سے چھپ چھپ کر پڑھنا، اسکول کے زمانے ہی میں اپنے بڑے بھائی بہنوں کی نصاب کی کتابیں چاٹ ڈالنا، کچھ نہ ملے تو درجنوں دفعہ پڑھی ہوئی کتابوں کو ایک دفعہ اور پڑھ جانا۔ مگر اب کیا زمانہ آگیا ہے، ٹی وی نے عادت ایسی خراب کی ہے کہ مطالعہ کرنا پہاڑ کی چوٹی سر کرنے جیسا مشکل کام لگتا ہے۔

خیر یہی وہ زمانے تھے جب میں اقبال کی کتابیں خرید کر لاتا اور ان کا مطالعہ کرتا رہتا۔ اقبال کے کلام میں زندگی کا جوش اور امید کی جو روشنی تھی وہ آج کے دن تک میرا سب سے بڑا سرمایہ ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اقبال کا زمانہ کیا زمانہ تھا۔ وہ 1877 میں پیدا ہوئے، جب غدر کے بعد ایک پوری نسل مایوسی، شکست، غلامی، ذلت اور محرومی کے احساس میں پل کر جوان ہو چکی تھی۔ ایک طرف مذہبی لوگ تھے جنہوں نے قدیم دینی تعلیم کے فروغ کو اپنا مشن بنا کر انگریزوں کے نظام سے بالکل لاتعلقی کو ہر مسئلہ کا حل سمجھ لیا تھا اور دوسری طرف سرسید کی وہ راہنمائی تھی، جس میں جدید تعلیم کے ساتھ انگریزوں کی مکمل پیروی ہر بند تالے کی چابی سمجھ لی گئی تھی۔

ایسے میں اقبال اٹھے۔ وہ دین کی محبت سے سرشار اور جدید تعلیم کے اسلحے سے لیس تھے۔ امت کی تاریخ، معاصر افکار، ملکی سیاست اور بین الاقوامی حالات پر ان کی گہری نظر تھی۔ انہوں نے جان لیا تھا کہ قومی راہنمائی کے یہ دو دھارے یعنی جدید دنیا سے لاتعلق ہو کر اختیار کی جانے والی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جامد مذہبیت اور انگریزوں کی مکمل پیروی کا راستہ، دونوں ہی غلط ہیں۔اس سے بڑھ کر انہوں نے یہ سمجھ لیا تھا کہ ایک مایوس اور ذہنی شکست خوردگی کے احساس میں مبتلا قوم دنیا میں کچھ حاصل نہیں کر سکتی۔اقبال کی پوری فکر اور ان کا کل پیغام اصل میں انہی دو چیزوں کے ارد گرد گھومتا ہے۔

انہوں نے شاعری کو اپنی زبان بنایا اور امید کے دیئے روشن کرنا شروع کر دیے۔ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مایوس کن حالات کے اعتراف کے ساتھ بات شروع کرتے اور پھر بتدریج ذہنوں میں امید کے چراغ جلاتے چلے جاتے۔وہ ہلال عید کو دیکھ کر قوم کا مرثیہ پڑھتے ہوئے کہتے ہیں:

اوج گردوں سے ذرا دنیا کی بستی دیکھ لے

اپنی رفعت سے ہمارے گھر کی پستی دیکھ لے

شمع و شاعر نامی شاہکار نظم کا آغاز بھی اسی مایوس کن لہجے میں ہوتا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

یہ مایوس کن لہجہ جب اپنے عروج پر پہنچتا ہے تب وہ دلوں میں امید کی شمع روشن کرتے ہیں۔

شام غم لیکن خبر دیتی ہے صبح عید کی

ظلمت شب میں نظر آئی کرن امید کی

سرزمین ہند کے مسلمان جنہیں ہندو اور انگریزوں کے ہاتھوں اپنے مٹ جانے کا اندیشہ تھا، وہ یہ کہہ کر ان کی امید زندہ کرتے ہیں:

بے خبر تو جوہر آئینہ ایام ہے

تو زمانے میں خدا کا آخری پیغام ہے

پھر مستقبل کا نقشہ اپنے وجدانی اسلوب میں اس طرح کھینچتے ہیں کہ مردہ سے مردہ دل بھی زندگی

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

کی حرارت سے جاگ اٹھتا ہے:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں

محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے

یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے

بانگ درا کا یہی انداز بال جبریل میں پہنچتا ہے۔ مسجد قرطبہ کے آئینے میں وہ بندۂ مومن کو اس کے جلال و جمال، شوق و محبت اور بلند پروازی کی مطلوبہ صفات دکھاتے ہیں۔ اسے اپنے ان خوابوں میں شریک کرتے ہیں جو قرطبہ کے دریائے کبیر کے کنارے انہوں نے دیکھے تھے۔

آب روان کبیر تیرے کنارے کوئی

دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب

آج بھی ہماری قوم کو سب سے بڑھ کر جس چیز کی ضرورت ہے وہ امید ہے۔ سر دست اس قوم کے اعصاب پر وہ لوگ مسلط ہیں جو صرف مایوسی کی زبان بولنا جانتے ہیں جبکہ ہماری ضرورت مثبت سوچ رکھنے والے فکری راہنما ہیں۔

آج ہمارے حالات اس وقت سے کہیں بہتر ہیں جب پورا عالم اسلام یورپی طاقتوں کا غلام تھا۔ جب جہالت اور غربت کے آسمان پر غلامی کی سیاہ رات طاری تھی۔ جب دین و دنیا کے علوم میں ہر جگہ جمود چھایا ہوا تھا۔ آج تو حالات بہت بہتر ہیں۔ غلامی کے سائے چھٹ چکے ہیں اور علم کا سفر شروع ہو چکا ہے۔ اگر آج چند لوگ یہ طے کر لیں کہ ہر طرح کے حالات میں امید کے چراغ بجھنے نہیں دیں گے تو امت کا در بدر بھٹکتا یہ قافلہ اس سفر کا انجام پا سکتا ہے جو اقبال کی بانگ درا کے ساتھ ایک صدی قبل شروع ہوا تھا۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

ہمہ یاراں دوزخ

بریگیڈیئر صدیق سالک مرحوم (1935-1988) ایک صاحب قلم فوجی تھے۔ وہ 1971 کی پاک بھارت جنگ میں ہندوستانی فوج کی قید میں چلے گئے اور دو برس قید و بند میں گزارے۔ اپنی اس قید کی داستان انہوں نے ''ہمہ یاراں دوزخ'' کے عنوان سے کتابی شکل میں تحریر کی۔ قید کے ابتدائی مرحلے میں صدیق سالک صاحب کو قید تنہائی میں رکھا گیا۔ قید و بند کے اس مرحلے کا احوال انہوں نے کتاب کے باب ''قیدی نمبر 10'' میں بیان کیا ہے۔

دشمن ملک میں قید تنہائی کی یہ قسم گزری تو بہت سے لوگوں پر ہوگی، مگر ایک ادیب ہونے کے ناطے صدیق سالک نے جس طرح اس قید کا احوال لکھا ہے، وہ انسان کو ہلا کر رکھ دیتا ہے۔ اس قید میں سالک صاحب کو زیر زمین ایک ایسے سیل میں رکھا گیا تھا جہاں رات تو کجا دن میں بھی روشنی کے گزرنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ قبر نما یہ سیل چھ مربع فٹ کی ایک ایسی کال کوٹھری تھی جس میں انسان پھینکا تو جا سکتا ہے، جی نہیں سکتا۔

تنگی و تنہائی اور تاریکی و وحشت کے اس ماحول میں ان کا ساتھ دینے کے لیے اس سیلن زدہ سیل میں کوئی تھا تو وہ موسم سرما کی شدید ٹھنڈ تھی یا پھر مچھر، کھٹمل اور پسوؤں کی ایک بڑی تعداد ان کا لہو پینے کے لیے وہاں موجود تھی۔ یا پھر ان کے اندر سے ابلتی بلکتی بھوک اور نیند کی جبلتیں تھیں جن کی تسکین کے لیے حالات آخری درجے میں ناسازگار تھے۔ وہاں اگر کوئی انسان تھا تو باہر تعینات وہ سنتری تھا جو انہیں اس کال کوٹھری میں لیٹے یا دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے دیکھتا تو مغلظات اور گالیوں سے ان کی خبر گیری کرتا۔

صدیق صاحب نے اس پورے مرحلے کا احوال جس طرح بیان کیا ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ایک عام قاری کے لیے یہ قوموں کی دشمنی، جنگوں کی ہولناکی اور قید کے احوال کے

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

اعتبار سے ایک موثر تحریر ہوگی، مگر ایک بندہ مومن کی نظر سے یہ دوزخ کے عذاب کا ایک تعارف ہے۔قرآن مجید میں دوزخ کی جو سزائیں بیان ہوئی ہیں ان میں سے سب سے ہلکی سزا وہ ہے جو سورہ فرقان (13:25) میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ اہل جہنم دوزخ میں کسی تنگ جگہ پر باندھ کر پھینک دیے جائیں گے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اور جب یہ اس کی کسی تنگ جگہ میں باندھ کر ڈال دیے جائیں گے تو اس وقت اپنی ہلاکت کو پکاریں گے۔آج ایک ہی ہلاکت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی ہلاکتوں کو پکارو۔''

سالک صاحب کی تحریر پڑھ کر ان آیات کی ایک بہترین تشریح سامنے آتی ہے۔ یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ دوزخ کا بظاہر کم نظر آنے والا عذاب بھی انسانی برداشت کے لیے اتنا زیادہ ہے کہ کوئی انسان اس کو جھیلنے کی تاب نہیں رکھتا۔ قرآن مجید اس عذاب ہی کو واضح نہیں کرتا بلکہ یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ عذاب ناشکری کے بدترین جرم کی سزا ہیں۔ یہ ناشکری کیا ہوتی ہے، اس کی بڑی خوبصورت وضاحت بھی سالک صاحب کی اس کتاب میں ملتی ہے۔ وہ اس بات کو بیان کرتے ہیں کہ اس قید سے ذرا دیر کی رہائی میں انہیں وہ مناظر فطرت بھی کیسی قیمتی چیز محسوس ہوئے جن کے درمیان ہمارے صبح شام گزرتے ہیں اور ہم کبھی ان پر توجہ بھی نہیں دیتے۔اس بیان کو ذرا ان ہی کی زبانی سنیے:

''آدھ گھنٹے بعد مجھے پھر روئے زمین پر آنے کی دعوت ملی۔ میں نے پھر مناظر قدرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا۔پیپل کے پتے جھڑتے دیکھے۔اس پر جنگلی چوہے چڑھتے دیکھے۔ غسل خانے کی منڈیر پر کبوتروں کو مصروفِ غٹر غوں پایا...... صحن سے ایک فاختہ کو فکر آشیاں بندی میں تنکے اکٹھے کرتے دیکھا۔غلاظت کے ڈھیروں سے کوؤں کو چاول اور چیلوں کو تلاش گوشت میں اس پر جھپٹتے دیکھا۔ بس کچھ نہ پوچھیے ان عیاش آنکھوں نے کیا کیا ضیافت نہ اڑائی۔ رستی بستی دنیا کی ایک جھلک دیکھ لی اور پھر

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

چوبیس گھنٹے کے لیے زیر زمین دفن!"

فطرت کی حسین دنیا کا یہ نظارہ جو آسمان سے زمین تک پھیلے ہوئے رنگوں، روشنیوں، اور نظاروں پر مشتمل ہے ان اربوں کھربوں نعمتوں میں سے صرف ایک نعمت ہے جس میں ہم جیتے ہیں۔ وگرنہ زندگی، اس کی بقا اور اس سے لطف اندوز ہونے کے لیے جو ساز وسامان اس کائنات میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے دے رکھے ہیں ان کی کوئی قیمت نہیں دی جا سکتی۔ یہ سب کچھ ہمیں مفت میں ملتا ہے۔ ہوا، پانی، غذا، قویٰ، صحت، طاقت، رشتے ناتے، مال و اسباب غرض ہر جگہ یہ نعمتیں بے حساب بکھری ہوئی ہیں۔ مگر ہم دینے والے کو بھول کر جیتے ہیں۔ اس کی پکار کا جواب نہیں دیتے۔ اس کی یاد کو اپنی زندگی نہیں بناتے۔

یہی نہیں ہم اس مہربان رب کی نافرمانی میں جیتے ہیں۔ اس کی عبادت میں غیر اللہ کو شریک کرتے ہیں۔ اس کے بندوں پر ظلم کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم اس کی نعمتوں کے بغیر ایک لمحہ جی نہیں سکتے۔ کوئی محرومی برداشت نہیں کر سکتے۔ مگر ہمارا حوصلہ دیکھیے کہ ہم اس عجز کے باوجود ایسی غفلت اور سرکشی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ جہنم کی ابدی قید ایسی ہی ناشکری اور سرکشی کا بدلہ ہے۔ رہے وہ لوگ جو اللہ کو یاد کر کے اور اس شکر گزاری میں جیتے ہیں تو ان کا بدلہ اسی آیت کے ساتھ اس طرح بیان کیا گیا ہے:

ان سے پوچھو کیا یہ (انجام) بہتر ہے یا وہ ابدی جنت جس کا وعدہ نیک لوگوں سے کیا جا رہا ہے۔ وہ ان کی جزا اور ان کا ٹھکانہ ہوگی۔ اس میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو وہ چاہیں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہ تیرے رب کا وعدہ ہے جسے پورا کرنا اس کی حتمی ذمہ داری ہے۔ (فرقان 25:16-14)

• • • • • • • • • • • • • • • • • •

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

بیچ کی نماز

قرآن کریم کی سورہ بقرہ (238:2) میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ ہدایت کی ہے کہ وہ اپنی نمازوں اور خصوصاً بیچ کی نماز کی حفاظت کریں۔ نمازیں پانچ ہوتی ہیں، اس اعتبار سے بیچ کی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے جو پانچ نمازوں کے وسط میں آتی ہے۔ نمازِ عصر سے متعلق اس خصوصی ہدایت کا ایک خاص پس منظر ہے جس کا اندازہ آج کل کے لوگوں کو نہیں ہوسکتا۔

انیسویں صدی تک انسانی بستیاں، بجلی نہ ہونے کی بنا پر آج کل کے دور کی طرح روشن نہ ہوتی تھیں۔ اس زمانے میں یہ ناگزیر تھا کہ کاروبار زندگی سر شام ہی بند کر دیا جائے تاکہ سورج کی روشنی ہی میں لوگ اپنے معاملات نمٹا کر گھروں کو لوٹ سکیں۔ ایسے میں زمانۂ قدیم کی خاموش اور سست رفتار زندگی میں عصر کا وقت بڑی مصروفیت اور تیزی کا وقت ہوا کرتا تھا۔ اس وقت میں سورج بھی اسی تیزی سے ڈھلا کرتا ہے۔ چنانچہ اس بات کا شدید اندیشہ تھا کہ بازار کی چہل پہل اور خرید و فروخت کی ہنگامہ آرائی میں لوگ نمازِ عصر کو فراموش کر دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر لوگوں کی توجہ اس نماز کی طرف مبذول کرائی۔

دورِ جدید میں ایک دوسرے پہلو سے اب یہ توجہ فجر کی نماز کی طرف دلانے کی ضرورت ہے۔

آج کل کی زندگی میں رات کو دیر میں سونا معمولاتِ زندگی میں شامل ہو چکا ہے۔ دوسری طرف زمانۂ قدیم کی طرح کاروبارِ حیات علی الصبح شروع نہیں ہوتا بلکہ اسکول، کاروبار اور دفاتر سب سورج نکلنے کے کافی دیر بعد شروع ہوتے ہیں۔ چنانچہ دیر سے سونے والوں کے لیے نہ صرف فجر کے اندھیرے میں اٹھنا مشکل ہے بلکہ نماز کے بعد دوبارہ سونا بھی ایک ضرورت بن گیا ہے۔ ان حالات میں فجر کی نماز پڑھنا عام طور پر بہت مشکل کام بن گیا ہے اور عملاً فجر پڑھنا تہجد پڑھنے جیسا عمل بن چکا ہے۔

ایسے میں اہمیت، فضائل اور اجر، تمام پہلوؤں سے فجر کی نماز سب سے بڑی نماز بن چکی ہے۔

اس کا باجماعت اہتمام بلاشبہ ایک نمازی کی معراج اور رزقِ حلال میں برکت کا باعث ہے۔

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز
www.KitaboSunnat.com

www.KitaboSunnat.com

ابو یحییٰ کی دیگر کتابیں

”جب زندگی شروع ہوگی“

ایک شہرہ آفاق تحریر جو ہدایت کی عالمی تحریک بن چکی ہے

“When Life Begins”

English Translation of Abu Yahya Famous book

Jab ZindagiShuruHo Gee

”قسم اُس وقت کی“

ابو یحییٰ کی شہرہ آفاق کتاب ”جب زندگی شروع ہوگی“ کا دوسرا حصہ

(مزید معلومات کے لیے رابطہ: 03323051201)

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

www.KitaboSunnat.com

جامعہ بیت العتیق (رجسٹرڈ)

کتاب نمبر ____________

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

بس یہی دل

بندہ مومن کی زندگی کا جو نقشہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ سے سامنے آتا ہے اسے دو جملوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ مومن ایک ایسا انسان ہوتا ہے جس کا دل خدا کی محبت سے مزین اور اس کی سوچ مثبت انداز فکر سے عبارت ہوتی ہے۔ میری زندگی کا مقصد انہی دو چیزوں کا فروغ ہے۔ میں نے زندگی میں جو لکھا اور جو کہا وہ بالواسطہ اور بلاواسطہ اسی مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ رہا ہے۔

پیش نظر مجموعہ "بس یہی دل" میرے ان مضامین پر مشتمل ہے جو پچھلے کئی برسوں میں لکھے گئے ہیں۔ ان مضامین سے میرا مقصد لوگوں میں ایک ایسی شخصیت پیدا کرنا تھا جس کے لیے خدا کی ذات، صفات اور اس کی ملاقات زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ بن جائے اور جو بدترین حالات میں بھی امید کے ساتھ جینا سیکھ لے۔ یہی وہ صفات ہیں جو کسی شخصیت کو اللہ تعالیٰ کی مطلوب شخصیت بناتی ہیں۔ یہی وہ شخصیت ہے جسے قرآن قلب سلیم کہتا ہے اور جس کا بدلہ جنت کی ختم نہ ہونے والی ابدی بادشاہی ہے۔ میں نے اس شخصیت کو اس مجموعے میں "بس یہی دل" کا عنوان باندھ کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ یہ مضامین قارئین میں خدا کی مطلوب شخصیت کی تشکیل کا ایک موثر ذریعہ ثابت ہوں گے۔

ابویحییٰ